ناول

میری انطونیا

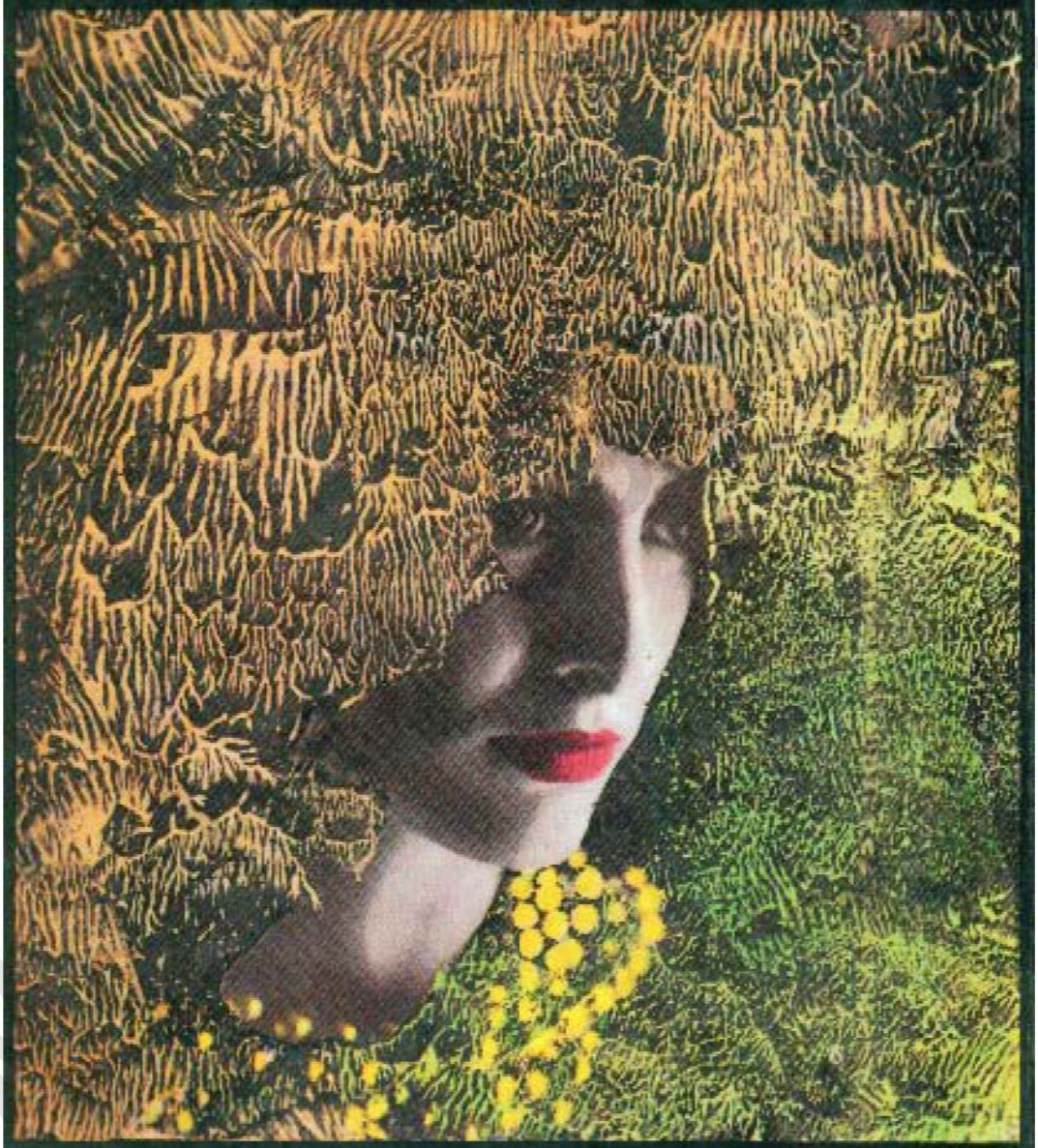

ولا کاتھر

مترجم قاضی جاوید

میری انطونیا

(ناول)

(یادوں کی پرچھائیاں)

ولا کاتھر

مترجم: قاضی جاوید

مشعل

آر-بی 5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

MashalBooks.com

MashalBooks.com

فہرست

	عرض ہے	۵
دیباچہ	جیمز وڈرس	۹
پہلا حصہ	شمرد اگھرانہ	۱۳
دوسرا حصہ	بھاڑے کی چھوکریاں	۱۰۱
تیسرا حصہ	لینا لنگارڈ	۱۷۲
چوتھا حصہ	پایونئر عورت کی کہانی	۱۹۶
چوتھا حصہ	کیوزک لڑکے	۲۱۴

MashalBooks.com

عرض ہے...

گزشتہ گرمیوں میں جب موسم کی شدت عروج پر تھی، میں اور جم برڈن اتفاق سے ایک ہی ٹرین پر ایووا کے علاقے سے گزر رہے تھے۔ ہم پرانے دوست ہیں۔ نیراسکا کے ایک ہی شہر میں ہم دونوں پلے بڑھے تھے اور آپس میں کہنے سننے کو ہمارے پاس بہت کچھ تھا۔ ہم اس ڈبے میں بیٹھے تھے جس سے چاروں طرف کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ ٹرین گندم کے بے انت کھیتوں، دیہاتوں، چراگاہوں اور شاہ بلوط کے گرمی سے بے جان جھنڈ پار کرتی ہوئی فراٹے بھرتی گزرتی جارہی تھی۔

ڈبے میں بے انتہا گرمی تھی اور ہر شے سرخ گرد کی دبیز تہہ سے ڈھکی ہوئی تھی۔ گرد، گرمی اور گرم ہوائیں ہمیں بہت سی یادیں دلا رہی تھیں۔ ہم ان چھوٹے چھوٹے شہروں میں بچپن کے دنوں کی باتیں کررہے تھے جو گیہوں اور مکئی کے انباروں تلے دبے ہوتے تھے، جہاں موسموں کی شدت سے زندگی میں ایک نیا چوکنا پن پیدا ہو جاتا تھا، جہاں لو کے تھپیڑوں سے پریشان ہرے بھرے کھیت جھلستے آسمان تلے میلوں پھیلے ہوتے تھے، جہاں سبزے اور گھاس کی بوسانس کو بوجھل کر دیتی تھی، جہاں رنگوں کی چمک آنکھوں کو چندھیا دیتی تھی، اور جاڑوں میں برف سے تقریباً عاری لیکن ٹھٹھرا دینے والی ہوائیاں سارے دیہات کو ننگا کر کے ایک بے رنگ چادر میں بدل دیتی تھیں۔ ہم دونوں کا یہی خیال تھا کہ وہ لوگ جن کا بچپن ان چھوٹے چھوٹے شہروں میں نہیں گزرا ہو وہ ان تاثرات کو نہیں سمجھ سکتے۔ یہ ایک قسم کا علاقائی راز تھا۔

حالانکہ جم برڈن اور میں دونوں ہی نیویارک میں رہتے ہیں۔ لیکن ہماری ملاقات بہت کم ہوتی ہے۔ جم ویسٹرن ریلوے کمپنیوں میں سے ایک کمپنی کا قانونی مشیر ہے اور اکثر اپنے دفتر سے باہر رہتا ہے۔ ہمارے نہ ملنے کی ایک وجہ یہ ہے، اور دوسری یہ مجھے اس کی بیوی

MashalBooks.com

پسند نہیں۔ وہ جاذب نظر، مستعد اور منتظم قسم کی عورت ہے، لیکن مجھے وہ جذبوں سے عاری اور طبعیتاً سپاٹ لگتی ہے۔ میرے خیال میں جم کی سادہ پسندی اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی اور وہ اپنا وقت اعلیٰ خیالات لیکن معمولی قابلیت والے جوان شاعروں اور مصوروں کی سرپرستی میں گزارنا زیادہ اہم سمجھتی ہے۔ اسکے پاس اپنی جائیداد ہے اور وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارتی ہے۔ بہرحال کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر وہ خود کو مسز جم برڈن ہی کہلانا چاہتی ہے۔

جہاں تک جم کا ذکر ہے وہ مایوسیوں کے باوجود نہیں بدلا ہے۔ اسکی رومانی طبیعت جو بچپن میں مضحکہ خیز لگتی تھی اس کی کامیابی کا اہم عنصر ہے۔ اپنے اس عظیم علاقے سے اسے جذباتی لگاؤ ہے جہاں سے اس کی ریلوے لائن گزرتی ہے۔ اس علاقے میں جم کو جو گہرا اعتماد ہے اور اسکا جو علم اس نے حاصل کر رکھا ہے، اس نے علاقے کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس گرم دن، جب کہ ہم ایوا سے گزر رہے تھے، بار بار ہماری گفتگو ایک مرکزی شخصیت کی طرف پلٹ جاتی تھی۔ یہ ایک خانہ بدوش لڑکی تھی، جسے ایک طویل عرصہ پہلے ہم دونوں جانتے تھے۔ ہماری یادوں میں کوئی اور شخصیت ایسی نہیں تھی جو اس لڑکی سے بڑھ کر اس علاقے سے، یہاں کے حالات سے، ہمارے بچپن کے ایڈونچرز سے وابستہ ہو۔ میں اس سے بچپن کے دنوں کے بعد پھر کبھی نہیں ملا تھا۔ البتہ جم نے برسوں کے بعد اسے ڈھونڈ نکالا تھا اور اس کے ساتھ پھر سے دوستی کر لی تھی۔ اسے اس ناطے کی بڑی قدر تھی۔ اس روز وہی لڑکی اس کے دماغ پر حاوی تھی۔ جم کی باتوں نے میرے دل میں پھر سے اس لڑکی کے وجود، اس کی شخصیت اور اس کے لیے میرے پرانے جذبات کو تازہ کر دیا۔

انطونیا کے متعلق میں وقتاً فوقتاً اپنی یادیں قلمبند کرتا رہتا ہوں۔ جم نے کہا اس علاقے میں اپنے طویل سفروں کے دوران ان یادوں سے دل بہلاتا ہوں۔

جب میں نے ان تحریروں کو پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے حامی بھر لی۔۔۔ بشرطیکہ وہ کبھی مکمل ہو جائیں۔

کئی مہینوں بعد، ایک طوفانی سرد شام کو جم ایک پلندہ لیے میرے گھر آیا۔ نشست گاہ میں آگ کے سامنے ہاتھ سینکتے ہوئے کہنے لگا:

'یہ ہیں انطونیا کی یادیں۔ کیا تم اب بھی انہیں پڑھنا چاہو گی؟ میں نے کل رات ہی انہیں مکمل کیا ہے۔ البتہ ابھی ترتیب نہیں دیا۔ وہ سب کچھ میں نے کاغذ پر منتقل کر دیا ہے جو اس

کے نام سے میرے ذہن میں آتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان تحریروں کا اسلوب کوئی مناسب نہیں ہے۔ خیر، ابھی تو ان کا عنوان بھی نہیں ہے۔''

وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ میرے ڈیسک پر بیٹھ کر اس نے فائل کے ایک کونے میں لفظ انطونیا' لکھ دیا۔ پھر ایک لمحے کے لیے اس کے ماتھے پر بل آئے اور اس نے انطونیا کے ساتھ میری' کا اضافہ کر دیا۔

لگتا تھا کہ اس بات نے اسے سکون بخش دیا تھا۔

MashalBooks.com

MashalBooks.com

'میری انطونیا'

دو تہذیبوں کا حسین امتزاج

جیمز ووڈرس

(اقتباس)

ادیب کی حیثیت سے ولا کاتھر کی مقبولیت کا راز یہ ہے کہ انہوں نے نہایت فنکاری سے اپنے دیسی (امریکی) تجربے کو اپنی یورپی تہذیب کی جڑوں سے جوڑا ہے۔ ولا کاتھر کے ذاتی تجربے اور ان کے ناولوں کے درمیان ایک گہرا رشتہ ہے، گو یہ رشتہ دو قسم کا ہے۔ ایک طرف تو جسمانی تجربہ ہے، انطونیا جیسے افراد سے میل جول کا، نبراسکا میں زندگی کے ایڈونچر کا، کھیتوں میں کام کرنے والی تارک الوطن عورتوں کی خود انکی ابزنی سنی ہوئی کہانیوں کا۔ دوسری طرف ذہنی تجربہ ہے: کتابوں کے ذریعہ خیالی سفر، شاعری، ناول اور ڈراموں کے ذریعہ فرانس، روم، غرض ساری دنیا سے جان پہچان۔ ولا کاتھر کے آرٹ میں یہ دو قسم کے تجربے بہت خوبصورتی سے ایک دوسرے سے ہم آہنگ ملتے ہیں۔ امریکہ کی ویسٹر کاؤنٹی میں ولا کاتھر کی جڑیں بہت مضبوط ہیں، لیکن اس کے ساتھ پرانی (یوروپین) کلچر کے متعلق انکا علم اور اس کلچر سے ان کی حساسیت ایک ہمہ گیر فضا کی طرح ان کے ناولوں میں چھائی ہوئی ملتی ہے۔ تجربے کی یہ دونوں سطحیں جس طرح ایک دوسرے میں سموئی ہوئی ہیں 'میری انطونیا' اس کی ایک بہترین مثال ہے۔

کردار اور ڈرامہ، رومانس اور رنگینی۔۔۔۔ مختصراً جذبات اور احساسات.....

'میری انطونیا' میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اکثر و بیشتر ان جذبات کا منبع مصنف کی اپنی نوسٹالجک یادیں ہیں۔ انطونیا کوئی فرضی کردار نہیں، سچ مچ کی شخصیت تھی جس کے باپ نے

MashalBooks.com

واقعی خودکشی کر لی تھی اور جس نے ایک بوہمین کسان سے شادی کرنے کے بعد بہت پر مسرت زندگی بسر کی۔ جن گھاس کے میدانوں پر اس نے انتہائی محنت سے کام کر کے انہیں قابل کاشت بنایا تھا ان کھیتوں کے پھل سے پھر اس نے آسائش حاصل کی اور ایک خوبصورت خاندان کو پروان چڑھایا۔ ناول میں جو داستان گو ہے (جم برڈن) وہ بھی قطعی طور پر فرضی نہیں ہے۔ دراصل اس نے نبراسکا میں اپنی زندگی کے اولین سالوں کا جو تجربہ بیان کیا ہے وہ خود ولا کاتھر کے تجربے سے ملتا جلتا ہے۔ شاید ولا کاتھر انطونیا کو اس وقت نہ جانتی ہو جب وہ اپنے دادا کے کھیت پر رہتی تھی، لیکن جب انطونیا ولا کاتھر انطونیا کے ایک ہمسائے کے یہاں کام کرنے کے لیے آئی تب سے ان دونوں کے درمیان ایک گہری دوستی قائم ہوئی جو زندگی بھر رہی۔

تارک الوطن خاندان کا یہ قصہ جو پرانی دنیا کو خیر باد کہہ کر نئی دنیا میں بسنے آیا تھا، یہ بھی کوئی فرضی قصہ نہیں، بلکہ اس میں یورپی لوگوں کی امریکہ میں آبادکاری کی پوری داستان مختصراً ملتی ہے۔ 'میری انطونیا' کے اس مشہور ٹکڑے میں جہاں کام کرنے والی لڑکیاں پکنک کرنے جاتی ہیں، ولا کاتھر نے مغربی میدانوں کو تسخیر کرنے والے پایونیر کسان کی ایک یادگار تصویر کھینچی ہے۔ پرامن زمانہ کا واقعہ ہے جب جم برڈن بلیک ہوک کو خیر باد کہہ کر کالج جانیوالا ہے عبارت علامتی طور پر بیک وقت جم برڈن کے بچپن کے خاتمے کا بھی اعلان کرتی ہے اور پایونیرنگ عہد کے خاتمے کا بھی۔ گھاس کے میدان کے پرے سورج ڈوب رہا ہے۔ جم اور لڑکیوں کی نظریں اونچے اونچے میدانوں پر سے ہوتی ہوئی افق کی طرف جاتی ہیں۔ وہاں ڈوبتے ہوئے سورج کے سامنے کسی بڑی شرکا کالا پرتو ہے۔ یہ عجیب سی پراسرار چیز ان کو حیرت سے ساکت کر دیتی ہے وہ اٹھ کر اس شے کو غور سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

'ایک پل میں ہم نے یہ جان لیا کہ یہ کیا چیز تھی۔ کسی اونچے کھیت پر کوئی کسان ایک ہل چھوڑ گیا تھا۔ سورج بالکل اس کے عقب میں ڈوب رہا تھا۔ افق کی لائن پر پھیلی ہوئی روشنی نے اس کا سائز کئی گنا بڑا کر دیا تھا اور اس وقت ایسا ہوا تھا کہ ہل سورج کی دائرے میں فریم ہو گیا تھا اور اس کے مختلف حصوں کے پگھلتے سرخ رنگ نے عجیب وغریب ہیئت اختیار کر لی تھی۔ اب وہ اپنے بھاری بھرکم حصے کو لئے کھڑا تھا، جیسے سورج کے اندر اسکی تصویر گھڑ دی گئی ہو۔'

تارک الوطنوں کی مغرب کی طرف پھیلاؤ کا اس سے اچھا استعارہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس عبارت میں جن لڑکیوں کا ذکر ہے ان میں سے دو بوہیمین انطونیا

کی دوست لینا لنگارڈ اور ٹائنی سوڈر بال ہیں۔ حالانکہ ناول کا بڑا حصہ انطونیا کے بارے میں ہے، کہانی کا تعلق ان دوسری تارک الوطن لڑکیوں کی زندگیوں سے بھی ہے۔ یہ بھی اپنے طور پر 'امریکی خواب' کو پورے کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ ٹائنی جس نے کان کنی میں زبردست دولت کمائی آخر میں سان فرانسسکو پہنچتی ہے۔ جہاں وہ اپنے سرمایہ کاری کے کاموں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ جب کہ لینا جو کپڑے بنانے کا کام سیکھتی ہے ایک تاجر بن جاتی ہے۔ ولا کاتھر نے امریکہ کی سیکس سٹوری کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک طرف ٹائنی ہے، جو ایک خاتون ہوریشو ایلگر کی مانند ہے۔ قسمت کا ستارہ چمک جاتا ہے اور وہ دولت مند بن جاتی ہے۔ لیکن لینا، دوسری اور خوبیوں کے علاقہ، بنجمن فرینکلن ٹائپ کی شخصیت ہے جو کٹھن محنت کرتی ہے، کاروبار پھیلاتی ہے، خوشحالی حاصل کرتی ہے۔ اور اپنی زندگی کے آخری دم تک کام کی اخلاقیات کے لیئے اپنے آپ کو وقف کیے رکھتی ہے۔ یہ تینوں لڑکیاں اپنے اپنے طور پر نئے امریکہ کی نمائندگی کرتی ہیں۔ وہ اس رومان کا بھی حصہ ہیں اور سرحدوں کی کٹھن زندگی کی حقیقت کا بھی۔

دراصل 'میری انطونیا' استعاروں، علامتوں اور ادبی حوالوں سے بھری پڑی ہے' ان استعاروں اور علامتوں کی بدولت اس ناول کو نہ صرف شاعرانہ بلکہ تاریخی اور فلسفیانہ گہرائی مل گئی ہے۔ مثلاً واقعہ لیجیے جس نے دراصل ولا کاتھر کے ذہن میں اس ناول کا بیج بویا تھا۔ جم برڈن جو اب کوئی پچاس سال کا ہوگا، انطونیا سے ملنے جاتا ہے۔ انطونیا اور اس کے بچے اسے فارم دکھانے کے لیے جا رہے ہیں جو اب برسوں کی محنت کے بعد دولت اُگل رہا ہے۔ وہ سب لوگ ایک غار کے اندر جاتے ہیں جہاں بوتلوں میں بھرے پھلوں، چٹنیوں، اچاروں کی شیلفوں پر شیلفیں لگی ہوئی ہیں۔ پھلوں کا معائنہ کرنے کے بعد جم برڈن کہتا ہے:

'ہم غار سے باہر جانے کے لیے مڑے۔ پہلے انطونیا اور میں اوپر آئے، اور بچوں نے ہمارے باہر نکلنے کا انتظار کیا۔ ہم دونوں باہر کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ وہ سب ساتھ ساتھ سیڑھیوں پر دوڑتے ہوئے آئے، بڑے اور چھوٹے، کاسنی سر، سنہرے سر، بھورے سر اور چھوٹی چھوٹی چمکیلی ٹانگیں۔ غار کے اندر سے جیسے زندگی کا کوئی گولا روشنی میں پھٹ پڑا ہو۔ ایک لمحہ کے لیے میرا سر چکرانے لگا۔'

یہ ایک کثیر المعنی استعارہ ہے، پیٹ کے اندھیرے میں سے زندگی کا پھٹ پڑنا۔

انطونیا دھرتی کی دیوی، دھرتی ماتا، اناج کے کھیتوں کی میڈونا، سب ہی ہے اور جم کہے بغیر نہیں رہتا کہ 'وہ زندگی کی ایک ذخیروں سے بھری ہوئی کان کی طرح تھی، جیسا کہ قدیم نسلوں کی بنیاد ڈالنے والی ہوا کرتی تھیں۔' ولا کاتھر نے نبراسکا کے کھیت کے میدانوں کی سیٹنگ سے قدیم زرخیزی سے متعلق رسومات (fertility rites) اور داستانوں کی طرف اشاروں کو منسلک کر کے انطونیا کے لیے ایک ایسا پس منظر تخلیق کیا ہے جس کے حوالے سے بوہیمین عورت کی یہ کہانی انسان اور دھرتی کے درمیان رشتہ کی امر کہانی کا درجہ اختیار کر گئی ہے۔

MashalBooks.com

شمردا گھرانا

پہلی بار انطونیا کا ذکر میں نے شمالی امریکہ کے وسیع وعریض وسطی میدان میں ایک طویل سفر کے دوران سنا تھا۔ تب میری عمر دس برس تھی۔ ایک ہی برس نے مجھے ماں باپ دونوں کے سائے سے محروم کر دیا تھا۔ ورجینیا میں رہنے والے میرے عزیز و اقارب مجھے میرے دادا دادی کے پاس روانہ کر رہے تھے، جو نیبراسکا میں رہتے تھے۔ یہ سفر میں نے ایک پہاڑی لڑکے جیک ماربول کی نگرانی میں طے کیا جو بلیورج میں میرے والد کے پرانے فارم میں کام کرتا تھا اور اب میرے دادا کے لیے کام کرنے کی خاطر مغرب کی طرف جا رہا تھا۔ جیک کا دنیاوی تجربہ مجھ سے بہت زیادہ نہ تھا۔ اس صبح سے پہلے وہ کبھی ٹرین میں بھی نہ بیٹھا تھا جس صبح ہم دونوں ایک نئی دنیا میں قسمت آزمائی کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ راستہ ہم نے ڈے کو چز میں طے کیا۔ سفر کی ہر منزل پر ہم پہلے سے زیادہ میلے کچیلے ہوئے جا رہے تھے۔ چھابڑی والے لڑکے جو بھی پیش کرتے رہے، جیک وہ سب کچھ خریدتا رہا، جیسے مٹھائی، سنگترے، پیتل کے کالر، بٹن، ایک واچ چارم اور میرے لیے ایک کتاب..... 'جیسی جیمز کی زندگی' مجھے یاد ہے کہ میں نے اسے سب سے زیادہ فرحت بخش کتابوں میں سے ایک پایا تھا۔

شکاگو سے آگے کا سفر ہم نے ایک مسافر کنڈکٹر کی حفاظت میں طے کیا جو اس علاقے سے پوری طرح آگاہ تھا۔ جہاں ہم جا رہے تھے ہمارے اعتماد کے عوض اس نے ہمیں بہت سے مشورے دیئے۔ ہمارے لیے اس کی حیثیت ایک تجربہ کار اور دانا شخص کی تھی جو تقریباً ساری دنیا دیکھ چکا تھا۔ اپنی باتوں میں وہ آسانی سے دور دراز کے ملکوں اور شہروں کا ذکر کرتا تھا۔ اس نے ان مختلف برادریوں کے سلسلوں کے نشانات لگا رکھے تھے جن سے اس کا تعلق

تھا۔ یہاں تک کہ اس کے آستین کے بٹنوں پر بھی مورتیں بنی ہوئی تھیں۔

ایک دفعہ باتوں ہی باتوں میں اس نے ہمیں بتایا کہ ٹرین کے دوسرے ڈبے میں پانی کے اس پار کا ایک تارک وطن خاندان سفر کر رہا ہے اور یہ کہ اس کی منزل بھی وہی ہے جو کہ ہماری ہے۔

'ان سب سے کوئی بھی انگریزی نہیں بول سکتا۔ ہاں بس ایک چھوٹی سی بچی ہے جو صرف یہ کہہ سکتی ہے کہ ہم بلیک ہاک، نیبر اسکا جاتا ہے، وہ تم سے زیادہ بڑی نہیں۔ بس بارہ تیرہ برس کی ہوگی۔ اور وہ نئے نویلے ڈالر کی طرح روشن ہے۔ جمی، تم اسے دیکھنا نہیں چاہتے؟ ہاں، اس کی خوبصورت بادامی آنکھیں ہیں!'

اس آخری جملے سے میں شرما گیا اور ایک بار پھر اپنی کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جیل نے پسندیدگی سے مجھے دیکھا اور کہا کہ اجنبیوں سے تمہیں بیماری لگ سکتی ہے۔

مسوری دریا کو پار کرنے یا نیبر اسکا میں طویل دن کے سفر کی کوئی بات مجھے یاد نہیں۔ شاید اس وقت تک میں اتنے دریا پار کر چکا تھا کہ اب ان میں کوئی کشش نہ رہی تھی۔ نیبر اسکا کے بارے میں قابل توجہ بات بس یہ تھی کہ وہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا۔

جب ہم بلیک ھاک پہنچے تو میں کافی دیر سے سو رہا تھا۔ جیک نے مجھے جگایا اور میرا ہاتھ تھام لیا۔ ٹرین سے اتر کر ہم چوپی پٹڑی پر آ گئے جہاں لوگ لالٹینیں لیے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ مجھے کوئی قصبہ تو کجا دور کی کوئی روشنی بھی دکھائی نہ دے رہی تھی۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ طویل سفر کے بعد انجن بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ فائر بکس کی سرخ ٹمٹماہٹ میں چند لوگ پلیٹ فارم پر بے ترتیبی سے کھڑے تھے۔ ان کے گرد بنڈل اور صندوق پڑے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ وہی تارک وطن خاندان ہے جس کا ذکر کنڈکٹر نے کیا تھا۔ عورت نے جھالردار چادر اوڑھ رکھی تھی اور اس کے بازوؤں میں ایک چھوٹا ساٹین کا ٹرنک تھا۔ وہ اسے یوں لپیٹے ہوئے تھی جیسے وہ کوئی چھوٹا سا بچہ ہو۔ ان میں سے ایک بوڑھا آدمی بھی تھا، دراز قد لیکن جھکا ہوا۔ دونوں نوجوان اور ایک لڑکی جس نے موم جاموں کے بنڈل تھام رکھے تھے اور ایک چھوٹی بچی جس نے ماں کی سکرٹ کو پکڑ رکھا تھا۔ پھر لالٹین لیے ایک آدمی ان کے پاس آیا اور باتیں کرنے لگا۔ جلد ہی اس کی آواز بلند ہونے لگی اور وہ شور مچانے لگا۔ میں نے اپنے کان کھڑے کیے۔ اصل میں پہلی بار کسی اجنبی زبان کو سن رہا تھا۔

MashalBooks.com

ایک اور لالٹین آ گئی۔ چھپڑ خانی کی ایک آواز بلند ہوئی 'ہیلو' کیا آپ بڑدن صاحب کے لوگ ہیں؟ ایسا ہے تو پھر آپ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ میں اوٹوفش ہوں۔ میں بڑدن صاحب کا بھاڑے کا آدمی ہوں اور مجھے آپ کو باہر لے کر جانا ہے۔ ہیلو جی، مغرب میں اتنی دور آنے پر تمہیں ڈر نہیں لگا؟'

میں نے دلچسپی کے ساتھ لالٹین کی روشنی میں اس نئے چہرے کو دیکھا۔ لگتا تھا کہ وہ میری کتاب کے کسی صفحے سے نکل کر آیا ہو۔ اس نے چوڑے کنارے کی نمدے کی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی۔ اس کے بکسوئے چمکدار تھے اور مونچھوں کے کونے چھوٹے ہارن کی طرح اوپر کی طرف موڑے ہوئے تھے۔ وہ ہشاش بشاش اور خونخوار دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے اس کے پیچھے کوئی خاص ماضی ہو۔ اس کے ایک گال سے زخم کا نشان ہونٹوں تک پھیلا ہوا تھا جب کہ بائیں کان کا اوپر والا حصہ غائب تھا اور جلد کا رنگ کسی انڈین کی طرح براؤن تھا۔ یقیناً یہ کسی شہدے کا چہرہ تھا۔ جب وہ اپنی اونچی ایڑی والے جوتوں میں ہمارے صندوق تلاش کرنے کے لیے پلیٹ فارم پر قدم اٹھانے لگا تو میں نے دیکھا کہ وہ قدرے دبلا پتلا، ہوشیار اور چست آدمی ہے۔ اس نے ہمیں بتایا کہ ابھی ہمیں رات کا طویل سفر طے کرنا تھا، اس لیے بہتر یہی تھا کہ ہم جلدی سے کام لیں۔ وہ ہمیں پلیٹ فارم سے باہر لے گیا جہاں دو دیہاتی چھکڑے موجود تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک میں وہی غیر ملکی خاندان سمایا ہوا تھا۔ دوسرا چھکڑا ہمارے لیے تھا۔ جیک اوٹوفش کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور میں چھکڑے کی تہہ میں گھانس پھونس پر دراز ہو گیا۔ وہ تاریکان وطن اندھیرے میں ایک نئے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ہم ان کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔

میں نے سونے کی کوشش کی، لیکن ہچکولوں کی وجہ سے سو نہ سکا۔ جلدی سارا جسم دکھنے لگا۔ گھانس پھونس جب نیچے دب گئی تو گویا میرے لیے ایک سخت قسم کا بستر بن گیا۔ چپکے سے اٹھ کر میں نے چھکڑے سے باہر جھانکنے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں دیکھنے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ جنگلے تھے، نہ ہی کھاڑیاں، درخت، پہاڑیاں اور کھیت۔ سڑک اگر کوئی تھی بھی تو ستاروں کی مدھم روشنی میں اسے میں دیکھ نہ سکا۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ بس زمین ہی زمین تھی۔ کوئی گاؤں نہ تھا۔ ہاں بس وہ ساز و سامان تھا جس سے گاؤں آباد ہوتے ہیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے دنیا پیچھے رہ گئی تھی اور کہ ہم اس کے کنارے پر پہنچ گئے تھے اور انسان کی حدود سے باہر نکل گئے تھے۔

اس سے پہلے میں نے آسمان کو کبھی جانی پہچانی پہاڑی لکیر کی اوٹ کے بغیر نہ دیکھا تھا۔ لیکن یہاں تو پورے کا پورا آسمان ہی گنبد تھا۔ مجھے یقین نہ آیا کہ میرے مرحوم والدین چراگاہوں کی طرف جانے والی سفید راہوں پر میرے منتظر ہوں گے۔ میں تو ان کی روحوں تک کو بھی پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ چھکڑا ہچکولے کھاتا رہا اور نا معلوم منزلوں کی طرف رواں دواں رہا۔ میرا نہیں خیال کہ مجھے گھر کی یاد ستا رہی تھی۔ اگر ہم کبھی بھی کہیں نہ پہنچتے تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ لگتا تھا کہ اس زمین اور اس آسمان کے درمیان میں کچلا گیا تھا۔ اس رات میں نے دعا بھی نہ مانگی۔ یہاں مجھے محسوس ہوا کہ جو ہونا ہے، ہو جائیگا۔

(2)

سورج طلوع ہونے سے کچھ پہلے ہم دادا کے فارم پر پہنچے تھے۔ جب میں جاگا تو دوپہر ہو چکی تھی۔ میں ایک چھوٹے سے کمرے میں لیٹا تھا جو میرے پلنگ سے بس ذرا سا بڑا تھا۔ میرے سر پر کھڑکی کا شیڈ گرم ہوا میں آہستہ آہستہ پھڑپھڑا رہا تھا۔ جھریوں والی براؤن جلد اور کالے بالوں والی ایک دراز قد خاتون کھڑی مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ میں جان گیا کہ یہ خاتون میری دادی اماں ہی ہو سکتی ہیں۔ میں دیکھ سکتا تھا کہ وہ روتی رہی ہوں گی۔ لیکن جب میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ مسکرا دیں۔ اضطراب سے مجھے دیکھتے ہوئے وہ میرے بیڈ کے کونے پر بیٹھ گئیں۔

'اچھا جمی، نیند خوب آئی تمھیں' انہوں نے جلدی سے پوچھا۔ پھر ایک مختلف لہجے میں، جیسے وہ خود سے بات کر رہی ہوں، انہوں نے کہا 'اوہ، تم اپنے باپ سے کس قدر ملتے جلتے ہو!' میں جانتا تھا کہ میرا باپ ان کا چھوٹا بچہ رہا تھا اور جب کبھی بچپن میں وہ دیر تک سوتا رہتا ہوگا تو یہ خاتون اسے جگانے کے لیے یونہی کمرے میں آتی ہوں گی۔ 'یہ رکھے ہیں تمہارے صاف کپڑے' انہوں نے پیار کرتے ہوئے مجھے بتایا 'لیکن پہلے تم نیچے آؤ' باورچی خانے کی طرف آجاؤ' گرم پانی سے نہاؤ۔ اپنی چیزیں ساتھ لیتے آؤ۔ یہاں اور کوئی نہیں ہے'۔

''نیچے باورچی خانے کی طرف'' والی بات مجھے عجیب سی لگی۔ گھر میں ہم لوگ باہر باورچی خانے میں کا ذکر ہی کیا کرتے تھے۔ جوتا اور جرابیں اٹھا کر میں دادی اماں کے پیچھے پیچھے رہائشی کمرے سے ہوتا ہوا زینے سے نیچے اتر گیا۔ گھر کا نیچے والا حصہ ایک کھانے والے

MashalBooks.com

کمرے اور باورچی خانے میں منقسم تھا۔ کمرہ زینے کے دائیں جانب اور باورچی خانہ بائیں جانب تھا۔ دونوں کمروں میں پلستر اور سفیدی ہوئی ہوئی تھی۔ فرش سخت سیمنٹ کا تھا۔ لکڑی کی چھت کے نیچے چھوٹی کھڑکیاں تھیں جن پر سفید پردے ڈالے گئے تھے۔ جونہی میں باورچی خانے میں داخل ہوا تو ادرک والی روٹی پکانے کی خوشگوار خوشبو محسوس ہوئی۔ چولہا بہت بڑا تھا جس کے کونوں پر چمکدار نکل چڑھا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے دیوار کے ساتھ لکڑی کا ایک لمبا بنچ رکھا تھا اور ساتھ ہی ٹین کا نہانے کا ٹب پڑا تھا جس میں دادی اماں نے گرم اور ٹھنڈا پانی ڈالا۔ جب وہ صابن اور تولیہ لے کر آئیں تو میں نے انہیں بتایا کہ میں خود ہی نہانے کا عادی ہوں۔

'تو کیا تم اپنے کان صاف کر سکتے ہو' جمی'؟

' پکی بات ہے نا'؟ اچھا تو اب میں تمہیں اچھا سمارٹ چھوٹا سا لڑکا کہوں گی'۔

باورچی خانے میں خوش گواری کا احساس ہوتا تھا۔ مغربی جانب کی نصف کھڑکی سے دھوپ میرے نہانے کے پانی میں معنکس ہو رہی تھی۔ اتنے میں ایک بڑی مالٹائی بلی آنکلی اور مجھے حیرت سے تکتے ہوئے ٹب سے اپنا جسم رگڑنے لگی۔ جب میں تولیے سے جسم صاف کر رہا تھا تو دادی اماں کھانے کے کمرے میں مصروف تھیں، یہاں تک کہ میں نے تشویش کے ساتھ آواز دی' دادی اماں' لگتا ہے کہ کیک جل رہے ہیں!' ہنستے ہوئے اور پیش بند ہلاتے ہوئے وہ یوں اندر آئیں جیسے چوزوں کو بھگا رہی ہوں۔

وہ قدرے خمیدہ دراز قد خاتون تھیں اور اپنے سر کو یوں آگے کی طرف رکھتی تھیں جیسے متوجہ رہتی ہوں گویا کسی شے کو دیکھ رہی ہوں یا دور کی کسی آواز کو سن رہی ہوں۔ جب میں ذرا بڑا ہوا تو ایہ یقین کرنے لگا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہر وقت دور دراز کی چیزوں کے بارے میں سوچتی رہتی تھیں۔ اپنی تمام حرکات میں وہ پھرتیلی تھیں۔ ان کی آواز بلند تیز اور کسی حد تک سیٹی کی مانند تھی اور اکثر اوقات وہ فکرمندی کے لہجے میں بات کرتی تھیں۔ وہ یہ تھی کہ انہیں ہر دم یہ فکر رہتی تھی کہ ہر بات قرینے اور سلیقے سے ہو۔ ان کی ہنسی بھی بلند اور شاید کسی قدر کرخت تھی، لیکن اس میں ایک خوش باش ذہانت شامل رہتی تھی۔ ان دنوں وہ پچپن برس کی مضبوط اور غیر معمولی طور پر بردبار خاتون تھیں۔

کپڑے پہننے کے بعد میں نے باورچی خانے سے ملحقہ طویل تہہ خانے کا جائزہ لیا۔ اسے گھر کے کونے میں کھود کر بنایا گیا تھا اور سیمنٹ سے پلستر کیا گیا تھا۔ زینے کی راہ اور

باہر کی طرف کھلنے والا ایک دروازہ بھی تھا جس کے ذریعے لوگ آتے جاتے تھے۔ ایک کھڑکی کے نیچے ان کے لیے کام سے واپس آنے پر ہاتھ منہ دھونے کی جگہ بھی بنی ہوئی تھی۔

دادی اماں شام کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوگئیں اور میں چولہے کے پیچھے چوبی بنچ پر بیٹھ کر بلی کے ساتھ جان پہچان بڑھانے لگا۔ فرش پر زرد دھوپ کا ٹکڑا سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگا تھا۔ دادی اماں اور میں باتیں کر رہے تھے۔ ان باتوں کا موضوع میرا سفر تھا۔ اسی طرح ہم دونوں نے ایک نئے خانہ بدوش خاندان کی آمد کا تذکرہ بھی کیا۔ دادی اماں نے مجھے بتایا کہ یہ خاندان ہمارا سب سے قریبی ہمسایا ہوگا۔ ہم نے ورجینیا میں دادی اماں کے فارم کے بارے میں کوئی بات نہ کی جو برسوں تک ان کا گھر رہا تھا۔ لوگ جب کھیتوں سے آ گئے تو ہم شام کے کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔ تب دادی اماں نے جیک سے اس پرانی جگہ اور وہاں کے ہمارے دوستوں اور ہمسایوں کے بارے میں پوچھا۔

دادا جان زیادہ تر خاموش ہی رہے۔ پہلی بار جب وہ اندر آئے تو انہوں نے مجھے پیار کیا اور میرے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔ لیکن وہ جذبوں کا اظہار کرنے والے نہ تھے۔ فوراً ہی مجھے ان کی دانائی اور ذاتی وقار کا احساس ہوا اور میں ان سے قدرے خائف سا ہوگیا۔ ان کے بارے میں جو پہلی بات توجہ میں آتی وہ ان کی خوبصورت، بل دار اور برف جیسی سفید داڑھی تھی۔ ایک بار میں نے ایک مشنری کو یہ کہتے سنا تھا کہ دادا جان کی داڑھی کسی عرب شیخ کی داڑھی جیسی تھی۔ ان کا بالوں سے محروم سر اسے کچھ زیادہ ہی بارعب بنا دیتا تھا۔

دادا جان کی آنکھیں کسی طور بھی بوڑھے لوگوں جیسی نہ تھیں۔ وہ روشن نیلی اور تازگی آمیز چمک کی حامل تھیں۔ ان کے دانت سفید اور صحت مند تھے۔ یہاں تک کہ انہیں زندگی میں کبھی بھی کسی دندان ساز کے پاس نہیں جانا پڑا تھا۔ جلد ان کی نرم تھی جو دھوپ اور ہوا سے جلد ہی متاثر ہو جاتی تھی۔ ایام شباب میں ان کے بال اور داڑھی کا رنگ سرخ رہا تھا اور پلکیں اب بھی تانبے جیسی رنگت کی تھیں۔

جب ہم سب لوگ میز پر بیٹھے تھے تو میں اور اوٹوفش نظریں چرا کر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے تھے۔ شام کا کھانا کھاتے ہوئے دادی اماں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ آسٹریا کا رہنے والا تھا اور نوجوانی کے دنوں میں ہی اس ملک کی طرف آ نکلا تھا اور یہ کہ اس نے مغرب بعید کے علاقے میں کان کنی کے کیمپوں اور گایوں کے جھنڈوں کے درمیان ایک مہم جو جیسی زندگی بسر کی

تھی۔ پہاڑی نمونے نے اس کے فولادی حصے کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا اور وہ کچھ عرصے کے لیے معتدل علاقے میں رہنے کے لیے چلا آتا تھا۔ سارک میں اس کے چند عزیز رہتے تھے، یہ جرمن بستی ہمارے شمال میں واقع تھی۔ تاہم اب وہ ایک برس سے دادا جان کے لیے کام کر رہا تھا۔

شام کا کھانا جونہی ختم ہوا، اوٹو مجھے یہ راز بتانے کی خاطر باورچی خانے میں لے گیا کہ غلہ گودام میں ایک ایسا ٹٹو ہے جو میرے لیے خریدا گیا تھا۔ اوٹو اسے آزمانے کی خاطر اس پر سواری کرتا رہا تھا اور اس کا کہنا تھا کہ ٹٹو بہت ہی شریف النفس ہے۔ اس کا نام ڈیوڈ رکھا گیا تھا۔ فش نے مجھے وہ سب کچھ بتا دیا جو میں جاننا چاہتا تھا۔ یہ کہ جب وہ سٹیج ڈرائیور تھا تو کیسے ویومنگ کے ایک شدید برفانی طوفان میں اپنے کان سے محروم ہو گیا تھا اور یہ کہ جانوروں کو پکڑنے کے لیے پھندا کیسے پھینکا جاتا ہے۔ اس نے اپنی کئی چیزیں مجھے اور جیک کو دکھانے کی غرض سے نکالیں، جن میں چاندی کے کانٹے، کاؤبوائے جوتے، گلاب اور سچے عاشق کی گانٹھ اور عریاں نسوانی مورتیاں شامل تھیں۔ یورپی سنجیدگی سے اس نے ہمیں بتایا کہ یہ فرشتوں کی مورتیاں تھیں۔

اس سے پہلے کہ ہم سونے کے لیے جاتے، جیک اور اوٹو کو عبادت کے لیے اوپر والے رہائشی کمرے میں بلا لیا گیا۔ دادا جان نے نقرئی کناروں والی عینک لگائی اور بہت سی مناجات پڑھیں۔ ان کی آواز اس قدر دل سوز تھی اور وہ اس قدر دل چسپی سے پڑھ رہے تھے کہ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کاش انہوں نے 'بک آف کنگز' میں سے میرا پسندیدہ باب منتخب کیا ہوتا۔ لفظ صلاح' کو وہ جن لحن سے ادا کرتے تھے' اس نے خاص طور پر مجھے متاثر کیا۔ مجھے اس لفظ کے معنی معلوم نہ تھے۔ لیکن جس قدر خوبی سے وہ اسے ادا کرتے تھے، اس نے اس لفظ کو تمام لفظوں سے زیادہ متبرک بنا دیا تھا۔

دوسرے روز گردوپیش کا جائزہ لینے کی خاطر صبح صبح باہر نکلا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ بلیک ھاک کے مغرب کی جانب صرف ہمارا گھر ہی چوبی تھا۔ البتہ ناروے کے لوگوں کی بستی کی بات اور تھی جس میں لکڑی کے بنے ہوئے کئی ایک گھر تھے۔ ہمارے ہمسائے گھاس پھونس کے مکانوں اور جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ یہ گھر آرام دہ تو تھے' لیکن ان میں گنجائش زیادہ نہ تھی۔ تہہ خانے کے اوپر سفید جنگلے والا ہمارا ڈیڑھ منزلہ گھر کھیتوں کے پچھواڑے مشرقی کونے میں واقع تھا اور پن چکی ہمارے باورچی خانے کے دروازے کے بالکل قریب تھی۔ پن چکی سے

زمین مغرب کی جانب ڈھلوان تھی جو غلہ گوداموں، کھلیانوں اور سوروں کے باڑوں تک چلی گئی تھی۔ ڈھلوان سخت اور عریاں تھی۔ بارش کے پانی کا ایک جوہڑ بھی قریب ہی تھا۔ ڈاک خانے سے سڑک سیدھی ہمارے گھر کی طرف آتی تھی اور فارم یارڈ سے گزرتی ہوئی اس چھوٹے سے جوہڑ کے گرد گھوم جاتی تھی اس سے آگے مغرب کی طرف گھاس کا میدان شروع ہوتا تھا۔ ادھر مغرب کی جانب مکئی کے اتنے وسیع و عریض کھیت تھے کہ میں نے زندگی میں پہلے کبھی اتنے بڑے کھیت نہ دیکھے تھے۔ باقی چاروں طرف حد نگاہ ناملائم، ناتراشیدہ، کھردری اور روئیں دار سرخ گھاس ہی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا بڑا حصہ میرے قد کے برابر اونچا تھا۔

گھر کے شمال میں پست قامت جھاڑی دار درختوں کی باڑ تھی جن کے پتے زرد ہوئے جا رہے تھے۔ یہ باڑ لگ بھگ ایک چوتھائی میل طویل تھی۔ تاہم اسے دیکھنے کے لیے مجھے تگ و دو سے کام لینا پڑتا تھا۔ گھاس کے مقابلے میں یہ درخت بے سایہ تھے۔ لگتا تھا کہ گھاس آگے بڑھ کر ان درختوں اور مرغی خانے کے پیچھے کے آلوچے کے درختوں کے جھنڈ پر چھا جانے کو تھی۔ گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہی مجھے محسوس ہوا کہ جیسے گھاس ہی دھرتی ہو، جیسے پانی سمندر ہوتا ہے۔ گھاس کے سرخ رنگ نے سارے میدان کو سرخ شراب کا سا انداز عطا کر دیا تھا۔ اس میں حرکت کی لہریں ایسی تھیں کہ پوری دھرتی ہی بھاگتی دوڑتی محسوس ہوتی تھی۔

مجھے تو خیال ہی نہ رہا تھا کہ میری دادی اماں بھی ہیں۔ یہاں تک کہ دھوپ کی ٹوپی اوڑھے اور ایک ہاتھ میں اناج کا تھیلہ لیے وہ آ گئیں اور مجھ سے پوچھنے لگیں کہ آیا میں رات کے کھانے کے لئے آلو کھودنے کے لیے ان کے ساتھ جاؤں گا۔

عجیب سی بات ہے کہ باغ گھر سے تقریباً چوتھائی میل کے فاصلے پر تھا اور اس کی طرف جانے والا راستہ مویشیوں کے باڑے سے آگے ویران سا تھا۔ دادی اماں نے میری توجہ اپنی چھڑی کی طرف دلائی اور بتایا کہ مجھے کبھی بھی باغ کی طرف کسی مضبوط چھڑی یا غلے والے چاقو کے بغیر نہیں جانا چاہیے۔ وجہ یہ تھی کہ راہ میں بہت سے کھڑکھڑے سانپ تھے۔ خود دادی اماں اس راستے پر آتے جاتے ہوئے ایسے کئی سانپ مار چکی تھیں۔ بلیک ہاک سڑک پر رہنے والی ایک چھوٹی سی لڑکی کو سانپ نے ٹخنے پر کاٹا تھا اور وہ ساری گرمیاں بیمار رہی تھی۔

مجھے خوب یاد ہے کہ یہ سارا علاقہ اوائل ستمبر کی صبح کو کیسا لگ رہا تھا جب کہ میں دادی اماں کے ساتھ چھکڑوں کے اس غیر واضح راستے پر چل رہا تھا۔ شاید ریل کے طویل سفر کا اثر

اب بھی تھا اور میں منظر کو گھومتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔ تازہ اور سبک رفتار بادِ صبا میں اور خود دھرتی میں، کھردری گھاس جیسے کوئی پردہ تھی جس کے نیچے جنگلی بھینسے سرپٹ بھاگ رہے ہوں۔ اکیلا میں جاتا تو شاید باغ کو کبھی ڈھونڈ ہی نہ سکتا۔ ہاں ممکن ہے کے بڑے اور زرد کدوؤں تک پہنچ جاتا جو مرجھائی ہوئی بیلوں کے ساتھ کسی حفاظت کے بغیر پڑے تھے۔ خیر، جب میں وہاں پہنچا تو مجھے اس میں بہت ہی کم دلچسپی محسوس ہوئی۔ میرا دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ سرخ گھاس کے بیچوں بیچ چلتا ہوا دنیا کے کونے تک پہنچ جاؤں، جو زیادہ دور نہ ہوسکتا تھا۔ گردوپیش کی سبک ہوا مجھے یہ احساس دلا رہی تھی کہ دنیا وہیں کہیں ختم ہو جاتی ہے۔ پس وہاں دھرتی، سورج اور آسمان تھا اور کوئی شخص ذرا سا مزید آگے جائے تو سورج اور آسمان ہی رہ جائیں گے اور چلنے والا ان سے معلق ہو کر رہ جائیگا.....ان بوڑھے شکروں کی طرح جو گھاس پر دھیمے سائے چھوڑتے ہوئے ہمارے سروں پر منڈلا رہے تھے۔ دادی اماں نے جب کھانچہ اٹھایا تو ہم نے اپنے آپ کو قطاروں میں سے ایک کے درمیان پایا اور آلو کھودنے لگے۔ بھوری نرم زمین سے نکال کر میں آلو ایک تھیلے میں ڈالتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ میں شکروں کو بھی دیکھے جا رہا تھا۔

دادی اماں جب جانے کے لیے تیار ہوئیں تو میں نے انہیں بتایا کہ میں باغ میں تھوڑی دیر مزید ٹھہرنا چاہوں گا۔

دھوپ کی ٹوپی کے نیچے سے انہوں نے مجھے دیکھا۔ 'اچھا تو تم سانپوں سے خوف زدہ نہیں ہو؟'

'تھوڑا تھوڑا'۔ میں نے اعتراف کیا۔ 'پھر بھی رکنا چاہتا ہوں'۔

'خیر، کوئی سانپ نظر آئے تو اسے کچھ کہنا مت۔ بڑے پیلے اور بوڑھے سانپ تمہیں کچھ نہ کہیں گے۔ اور ہاں اگر اس کنارے والے سوراخ سے کوئی چیز نظر آئے تو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بجو کا سوراخ ہے۔ اس کے منہ پر کالی اور سفید دھاریاں ہیں۔ کبھی کبھی وہ باہر نکل کر کوئی چوزہ اٹھا لے جاتا ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ کوئی اسے نقصان پہنچائے۔ نئے علاقے میں انسان جانوروں کے ساتھ دوستی کے جذبے محسوس کرتا ہے۔ مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ جب میں کام کر رہی تھی تو وہ باہر نکل کر مجھے دیکھے۔'

دادی اماں نے آلوؤں کا تھیلا کندھے پر لٹکایا اور قدرے آگے کو جھکتے ہوئے اپنی

راہ پر چلنے لگیں۔ پہلے موڑ پر انہوں نے میرے لئے ہاتھ ہلایا اور غائب ہو گئیں۔ اطمینان دلجمعی کے اس نئے احساس کے ساتھ میں تنہا رہ گیا۔

میں باغ کے وسط میں بیٹھ گیا جہاں سانپ دکھائی دیئے بغیر مشکل ہی سے پہنچ سکتے تھے۔ پشت میں نے ایک گرم زرد کدو کے ساتھ لگا رکھی تھی۔ ہل چلنے سے بننے والی نالیوں کے ساتھ ساتھ زمینی شاہ دانہ کی چند بیلیں پھیلی ہوئی تھیں، جو پھل سے لدی ہوئی تھیں۔ میں نے چند رس بھریاں توڑیں اور انہیں کھانے لگا۔ میرے چاروں طرف بیلوں میں ٹڈے چوکڑیاں بھر رہے تھے۔ وہ ان سے کم از کم دوگنا بڑے تھے جتنے کہ میں نے پہلے کبھی دیکھے تھے۔ سائے والی اس سطح پر ہوا زیادہ تیزی سے نہیں چلتی۔ پھر بھی میں اس کی آواز سن سکتا تھا اور لمبی گھاس کو ہچکولے کھاتے دیکھ سکتا تھا۔ میرے نیچے زمین گرم تھی اور جب انگلیوں سے میں نے اس کھودا تو بھی گرم تھی۔ کھودی ہوئی جگہ سے عجیب وغریب سرخ رنگ کی چھوٹے چھوٹے کیڑے نکل آئے اور چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں میرے چاروں طرف گھومنے لگے۔ ان کی پشتیں کالے دھبوں کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ ممکنہ حد تک میں ساکت رہا۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ نہ ہی مجھے کچھ ہونے کی توقع تھی۔ میں تو بس ایسی شے بن گیا تھا جو کدوؤں کی طرح دھوپ میں پڑی ہو۔ اس کے سوا میں کچھ اور بننا بھی نہ چاہتا تھا۔ میں بے حد خوش تھا۔ شاید اس قسم کا احساس ہم پر اس وقت طاری ہوتا ہے جب ہم مرتے ہیں اور کسی کل کا جزو بن جاتے ہیں، وہ کل چاہے سورج اور ہوا ہو یا نیکی اور علم۔ بہر طور یہ ہے خوشی ہی۔ یعنی کسی مکمل اور عظیم شے میں تحلیل ہو جانا۔ جب وہ کسی پر طاری ہوتی ہے تو ویسے ہی فطری انداز میں آتی ہے جیسے نیند۔

(3)

اتوار کی صبح کو اوٹوفش نے ہمیں لے کر نئے خانہ بدوش ہمسایوں سے متعارف کروانا تھا۔ ان کے لیے ہم کچھ اشیاء بھی ساتھ لیے جا رہے تھے کیونکہ وہ ایسی ویران جگہ پر رہنے کے لیے آئے تھے جہاں کوئی باغ تھا اور نہ ہی کوئی مرغی خانہ۔ مزروعہ زمین بھی بہت کم تھی۔ فش نے ہمیں تہہ خانے سے آلوؤں کی ایک بوری اور سور کو گوشت لا کر دیا تھا اور دادی اماں نے روٹی کے چند ٹکڑے، مکھن کا ایک مرتبان اور بہت سے کدو چھکڑے میں لا کر رکھ دیئے تھے۔ اگلی نشست پر سوار ہو کر ہم چھوٹے تالاب کے پاس سے گزرتے ہوئے اس سڑک پر سفر

کرنے لگے جو مکئی کے بڑے کھیت کی طرف جاتی تھی۔

اس کھیت کے پار دیکھنے کے لیے مجھے مشکل ہی سے انتظار کرنا پڑا۔ تاہم وہاں ہمارے گردوپیش کی سرخ گھاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ البتہ چھکڑے کی اونچی نشست سے کافی دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ سڑک کسی جنگلی شے کی طرح بل کھاتی ہوئی نکلتی تھی۔ وہ گہری گھاٹیوں سے پہلو بچاتی اور جہاں کہیں وہ وسیع اور کم گہری ہوتیں تو ان کے اندر سے گزرتی ہوئی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ سورج مکھی کے پودے اگے تھے۔ ان کے پتے بڑے بڑے اور کھردرے تھے اور بہت سی شاخوں پر درجنوں پھول کھلے تھے۔ گھاس کے میدان کے درمیان انہوں نے سنہری سلسلہ بنا رکھا تھا۔ کبھی کبھی گھوڑوں میں سے کوئی ایک اپنے دانتوں سے پھولوں سے لدے ہوئے پودے کو اکھیڑ لیتا اور چلتے چلتے اسے چبانے لگتا۔

راستے میں دادی اماں نے مجھے بتایا کہ خانہ بدوش خاندان نے ایک ہمسایہ دیہاتی، پیٹر کریجک، کا باڑہ خرید لیا ہے اور اس کی حقیقی قیمت سے بھی زیادہ پیسے ادا کیئے ہیں۔ کریجک کے ساتھ ان کا معاہدہ انہوں نے اپنا سابقہ علاقہ چھوڑنے سے بھی پہلے اس کے ایک کزن کے ذریعے کیا تھا جو مسز شمردا کا بھی عزیز ہے۔ شمردا گھرانہ اس علاقے کا رخ کرنے والا پہلا خانہ بدوش خاندان تھا۔ کریجک ان کا واحد ترجمان تھا لہٰذا جو اس کے جی میں آئے۔ ان سے کہہ سکتا تھا۔ خانہ بدوش خاندان کو انگریزی زبان تو آتی نہ تھی کہ وہ کسی اور سے مشورہ کر سکتے۔ نہ ہی وہ اپنی اشد ضروری حاجات بیان کر سکتے تھے۔ خاندان کا ایک بیٹا فش نے بتایا اچھا خاصا جوان تھا اور کھیتوں میں کام کر سکتا تھا لیکن باپ بوڑھا اور ناتواں تھا کھیتی باڑی کے متعلق اسے کچھ علم بھی نہ تھا۔ کام کاج کے لحاظ سے وہ جولاہا تھا۔ سارنگی بجانے کا بھی اسے شوق رہا تھا۔ یہاں بھی وہ اپنی سارنگی ساتھ لے کر آیا تھا۔ تاہم یہاں اس کو کوئی فائدہ نہ تھا۔ اپنے وطن میں وہ اس کے ذریعے چند پیسے کما لیا کرتا تھا۔

'اگر تو وہ اچھے لوگ ہیں تو مجھے اس سوچ سے گھن آتی ہے کہ وہ سردیوں کے دن کریجک کی اس کھولی میں بسر کریں' دادی اماں کہنے لگیں۔ 'یہ تو کسی طور بھی بجو کی کھوہ سے بہتر نہیں ہے۔ اسے تو کھولی کہنا بھی زیادتی ہے۔ اور میں نے سنا ہے کہ اس نے اس پرانے چولہے کے ان لوگوں سے بیس ڈالر وصول کیے ہیں۔ یہ تو دس کا بھی نہیں ہے۔'

'ہاں ماما' اوٹو نے بات آگ بڑھائی' اس نے اپنے بیل اور دو مریل بڈھے گھوڑے

بھی ان لوگوں کے پاس اچھی خاصی قیمت پر بیچ دیئے ہیں۔گھوڑوں کے معاملے میں میں دخل دے سکتا تھا.....وہ بڈھا تھوڑی بہت جرمن سمجھ سکتا ہے.....اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس سے کوئی فائدہ ہوگا۔مگر آپ کو پتہ ہی ہے کہ خانہ بدوش لوگ آسٹریوں پر بھروسہ نہیں کرتے۔'

دادی اماں نے دلچسپی ظاہر کی۔'اچھا،مگر کیوں اوٹو؟

فش نے ناک اور ماتھے پر شکن ڈالی۔'بس ماما یہ سیاست کے قصے ہیں۔بیان کرنے کے لیے انہیں بہت سا وقت چاہیئے'۔

زمین زیادہ کھردری ہوتی جارہی تھی۔مجھے بتایا گیا کہ ہم سکوا کریک کی طرف بڑھ رہے تھے جو شمر دا خاندان کی اراضی کے مغربی نصف کو جدا کرتی تھی اور اراضی کو کھیتی باڑی کے اعتبار سے کم مفید بنا دیتی تھی۔جلد ہی ہم گھاس والی مٹی کی چھوٹی شکستہ پہاڑیوں کو دیکھ سکتے تھے جو ندی کا پتہ دیتی تھیں۔کپاس کے بعض پودے بہار پر آچکے تھے اور ان کے پہلے پتے اور چمکتی ہوئی سفید چھال طلسماتی ماحول پیدا کررہی تھی۔

جب ہم لوگ شمراد گھرانے کی رہائش گاہ تک پہنچ گئے تو بھی مجھے سرخ کھردرے ٹیلوں کے سوا کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ان کے علاوہ اور کچھ تھا تو بس کھڈے تھے جن کے کنارے ڈھلوانی تھے۔اب مجھے اس قسم کے کھڈوں میں سے ایک کے سامنے ایک چھپڑ دکھائی دیا جس پر گہرے سرخ رنگ کی وہ گھاس ڈالی گئی تھی جو چاروں طرف اگی ہوئی تھی۔پاس ہی ایک ٹوٹی پھوٹی پن چکی تھی جس کا کوئی پہیہ سلامت نہ تھا۔گھوڑوں کو باندھنے کے لیے ہم اس ڈھانچے کے پاس گئے تو مجھے کھڈے کے کنارے کے اندر ایک دروازہ اور ایک کھڑکی دکھائی دی۔دروازہ کھلا ہوا تھا۔ایک عورت اور چودہ برس کی ایک لڑکی ہمیں دیکھنے کے لیے باہر کی طرف بھاگی۔ایک چھوٹی سی بچی ان کے پیچھے پیچھے گھسٹتے ہوئے چل رہی تھی۔عورت نے اپنے سر پر نقرئی کناروں والی وہی کڑھی ہوئی شال ڈال رکھی تھی جو اس بلیک ہاک میں ٹرین سے اترتے وقت سر پر لے رکھی تھی۔وہ بوڑھی نہ تھی،لیکن یقیناً جوان بھی نہ تھی۔چہرہ اس کا چوکس اور ہشاش بشاش تھا تھوڑی نمایاں اور چھوٹی چھوٹی سیانی آنکھیں تھیں۔اس نے مستعدی سے دادی اماں سے ہاتھ ملایا۔

'خوش آمدید،خوش آمدید' وہ یکا یک کہنے لگی۔فوراً ہی اس نے اس کنارے کی طرف اشارہ کیا جس کے اندر سے وہ نمایاں ہوئی تھی۔'گھر اچھا نہیں،گھر اچھا نہیں۔'

دادی اماں اجنبیوں سے ہمیشہ بہت اونچے لہجے میں بات کرتی تھیں..... جیسے کہ وہ بہرے ہوں۔ انہوں نے مسز شمرداپر ہمارے آمد کے دوستانہ قصد کو واضح کیا۔ خانہ بدوش عورت نے روٹیاں پکڑیں اور انہیں سونگھنے بھی لگی۔ خوش دلانہ تجسس کے ساتھ اس نے سموسوں کا جائزہ لیا اور کہنے لگی۔ 'بہت اچھے۔ بہت شکریہ!..... دادی اماں کا ہاتھ اس نے ایک بار پھر دبایا۔

سب سے بڑا لڑکا امبروز..... اور وہ اسے امبروش پکارتے تھے..... کھولی سے باہر نکلا اور اپنی ماں کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ انیس برس کا چھوٹے قد کا، سیدھے سر اور بڑے ارونجی منہ والا نوجوان تھا۔ اس کی سرخی مائل بنفشی آنکھیں چھوٹی اور عیار تھیں..... اس کی ماں کی طرح، لیکن تھیں کچھ زیادہ ہی کائیاں اور ہوشیار۔ کھانے پر وہ سب ٹوٹ پڑے۔ گزشتہ تین دنوں سے ان کا گزارہ بس مکئی کے کیک پر ہو رہا تھا۔

چھوٹی لڑکی خوبصورت تھی۔ لیکن انطونیا..... جب وہ اسے بلاتے تو انطونیا' کہہ کر پکارتے تھے..... زیادہ ہی خوبصورت تھی۔ کنڈکٹر نے اس کی آنکھوں کے بارے میں کچھ کہا تھا، وہ مجھے بھولا نہ تھا۔ یہ آنکھیں بڑی بڑی، شوخ اور روشن روشن تھیں..... جیسے کسی جنگل میں بھورے تالاب پر سورج چمک رہا ہو۔ اس کی جلد بھی براؤن تھی اور اس کے رخساروں میں شاندار گہرے رنگ کی چمک تھی۔ اس کے بھورے بال گھنگھریالے اور خودسر تھے۔ چھوٹی بچی جس کو وہ لوگ یولکا پکارتے تھے صاف رنگت کی تھی اور وہ شیریں اور اطاعت گزار دکھائی دیتی تھی۔ جب میں ان دونوں لڑکیوں کے روبرو بے ہنگم انداز میں کھڑا تھا تو باڑے سے کریجک یہ دیکھنے کے لیے آ نکلا کہ یہاں کیا کچھ ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ شمرداگھرانے کا ایک اور لڑکا تھا۔ فاصلے سے بھی یہ اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ اس لڑکے میں کوئی عجیب بات تھی۔ ہمارے قریب آنے پر وہ بے ہنگم آوازیں نکالنے لگا اور اپنی انگلیاں دکھانے کے لیے اس نے اپنے ہاتھ ہمارے سامنے کر دیئے جو پہلے جوڑ تک کسی بطخ کے پنجے کی طرح جھلی دار تھیں۔ جب اس نے مجھے پیچھے ہٹتے دیکھا تو خوشی سے غوں غوں کرنے لگا۔ اس کی ماں نے غضب آلود نگاہوں سے اسے گھورا اور سختی سے کہا 'ماریک!' پھر وہ خانہ بدوشوں کی زبان میں کریجک سے تیزی کے ساتھ کچھ کہنے لگی۔

'مسز برڈن، یہ مجھے آپ کو یہ بتانے کے لیے کہہ رہی ہے کہ یہ لڑکا کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہ تو پیدا ہی اسی طرح ہوا تھا۔ دوسرے بچے بہت ہوشیار ہیں۔ ابروش اچھا کسان

ہے۔' کریجک نے مسز شمردا کی ترجمانی کرتے ہوئے ہمیں بتایا۔ ساتھ ہی اس نے امبروش کی پیٹھ ٹھونک دی جس پر وہ مسکرا دیا۔

اسی لمحے باپ کنارے میں واقع کھولی سے برآمد ہوا۔ اس نے کوئی ہیٹ نہ پہن رکھا تھا اور اس کے خاکستری بال ماتھے سے پیچھے کی طرف کنگھی کئے گئے تھے۔ ماتھا اس قدر لمبا تھا کہ بال کانوں کے پیچھے سے شروع ہوتے تھے۔ اس بات نے مجھے وہ قدیم پورٹریٹ یاد دلا دیئے جو میں نے ورجینیا میں دیکھے تھے۔ باپ دراز اندام اور نازک اندام تھا اور اس کے پتلے کندھے ڈھلوانی تھے۔ افہام کی نظروں سے ہمیں دیکھتے ہوئے اس نے دادی اماں کا ہاتھ پکڑا اور اس پر جھک گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے اپنے ہاتھ کس قدر سفید اور موزوں صورت تھے۔ وہ پرسکون اور مہارت مند نظر آتے تھے۔ آنکھیں اس کی افسردہ اور اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ کھردرا تھا.....اور راکھ کی مانند دکھائی دیتا تھا، جیسے کوئی ایسی شے ہو جس سے تمام جوش و خروش اور روشنی نکل چکی ہو۔ اس بوڑھے سے متعلقہ ہر بات اس کے باوقار انداز سے میل رکھتی تھی۔ اس نے صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے۔ کوٹ کے نیچے خاکستری رنگ کی واسکٹ زیب تن تھی اور کالر کی جگہ سبز رنگ کا ریشمی سکارف لگا رکھا تھا۔ کریجک جب مسٹر شمردا کی باتوں کا ترجمہ کر رہا تھا تو انطونیا میرے پاس آئی اور ناز سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ایک ہی لمحہ میں ہم دونوں ڈھلوان کے رخ پر بھاگنے لگے۔ یولکا لڑکھڑاتی ہوئی ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔

جب ہم ہموار سطح پر پہنچ گئے اور درختوں کی سنہری چوٹیاں دکھائی دینے لگیں تو میں نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ انطونیا ہنس دی اور یوں میرا ہاتھ دبایا جیسے وہ جتلانا چاہتی ہو کہ میرے آنے سے اسے کس قدر مسرت ہوئی ہے۔ ہم مل کر سکوا کریک کی طرف بھاگنے لگے اور رکے اسی وقت جب میدان ختم ہو گیا۔ اس قدر گہرائی تھی آگے کہ ہم ایک قدم بھی اٹھاتے تو وہ درختوں کی چوٹی پر پڑتا۔ ندی کے کنارے ہم ہانپ رہے تھے اور ان درختوں اور جھاڑیوں کو بھی دیکھتے جاتے تھے جو نیچے کھائی میں اگی تھیں۔ ہوا اس قدر تیز تھی کہ مجھے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھنا پڑتا تھا۔ لڑکیوں کی سکرٹیں ہوا میں پھڑ پھڑا رہی تھیں۔ لگتا تھا کہ انطونیا اس سارے منظر سے لطف اٹھا رہی تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی بہن کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور ایک ایسی زبان میں اس کے ساتھ باتیں کر رہی تھی جو مجھے اپنی زبان کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے بولی جانے والی محسوس ہوتی تھی۔ اس نے مجھ پر نگاہ ڈالی۔ آنکھوں میں اس کی ان ساری باتوں کے الاؤ روشن

تھے جو کہی نہیں جاسکتیں۔

'نام؟ نام کیا؟' اس نے پوچھا اور میرے کندھے کو چھوا بھی۔ میں نے نام بتایا تو اس نے دہرایا اور یولکا سے بھی کہلوایا۔ سنہری پودے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، جس کے پیچھے وہ کھڑی تھی، اس نے دہرایا 'نام کیا؟'۔

ہم بیٹھ گئے اور لمبی سرخ گھاس سے گھونسلہ بنایا یولکا چھوٹے سے خرگوش کی طرح اٹھکیلیاں کر رہی تھی اور ایک ٹڈے کے ساتھ کھیلنے لگی۔ انطونیا نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ سے پوچھا۔ میں نے اسے لفظ بتایا، لیکن وہ مطمئن نہ ہوئی اور میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بتایا اور اس نے لفظ دہرایا۔ آسمان کی طرف اس نے اشارہ کیا، پھر میری آنکھوں کی طرف اور پھر دوبارہ آسمان کی طرف۔ یہ ساری حرکت اس کی اس قدر تیز اور بے چین تھی کہ اس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ پتہ کچھ نہ چل رہا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ گھٹنوں کے بل اٹھتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ مروڑے، اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور سر ہلایا اور پھر سے، زور سے سر ہلاتے ہوئے، آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

'اچھا، اب سمجھا' میں چلایا 'نیلا، نیلا آسمان'۔

تالی بجاتے ہوئے وہ گنگناتی 'نیلا آسمان، نیلی آنکھیں'..... گویا اس بات نے اسے محفوظ کیا ہو۔ گھس کر جب ہم وہاں ہوا سے باہر بیٹھ گئے تو اس نے بہت سے الفاظ سیکھے۔ گھاس میں اتنے گہرے ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمیں سوائے اپنے سر پر نیلے آسمان اور اپنے روبرو سنہری درخت کے اور کچھ دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔ بے حد خوشگوار کیفیت تھی۔ بار بار جب انطونیا نے نئے لفظوں کو دہرا لیا تو اس نے مجھے انگوٹھی دینا چاہی جو اس نے درمیانی انگلی پر پہن رکھی تھی۔ وہ اصرار کرتی رہی، لیکن میں نے انگوٹھی لینے سے سختی سے انکار کر دیا۔ انگوٹھی اس کی مجھے نہ چاہیے تھی۔ یہ بات مجھے لاپرواہی اور بے احتیاطی کی بھی لگی کہ وہ ایک ایسے لڑکے کو انگوٹھی دینا چاہ رہی تھی جس سے پہلے وہ کبھی ملی نہ تھی۔ ان لوگوں کا چلن اگر ایسا ہی تھا تو پھر حیرت کی کیا بات ہے کہ کریجک نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔

انگوٹھی کے بارے میں ہم جھگڑ ہی رہے تھے کہ مجھے ایک غمگین سی آواز 'انطونیا، انطونیا' پکارتی ہوئی سنائی دی۔ خرگوش کی مانند وہ اچھلی 'تاتینک! تاتینک!' وہ چلائی اور ہم اس بوڑھے آدمی کی طرف بھاگنے لگے جو ہماری جانب آ رہا تھا۔ انطونیا پہلے اس کے پاس پہنچ گئی

اور اس کا ہاتھ پکڑ کر چومنے لگی۔ جب اس کے قریب پہنچا تو اس نے میرا کندھا چھوا اور متلاشی نظروں سے کئی لمحوں تک میرے چہرے کو دیکھتا رہا۔ میں کسی قدر گھبرا سا گیا کہ میرے بزرگوں نے کبھی مجھے یوں نہ دیکھا تھا۔

مسٹر شمردا کے ساتھ ہم لوگ واپس کھولی میں چلے گئے جہاں دادی اماں میری منتظر تھیں۔ چھکڑے میں میرے بیٹھنے سے پہلے اس نے اپنی جیب سے ایک کتاب نکالی اور کھول کر اس کا ایک صفحہ دکھایا جس پ دو حروف تہجی تھے..... ایک انگریزی اور دوسرا بوہیمین میں۔ کتاب اس نے دادی اماں کے ہاتھوں پر رکھ دی اور دلچسپی سے انہیں دیکھتے ہوئے ایسی آرزو مندی سے بولنے لگا جس کو میں کبھی فراموش نہ کرسکوں گا' میری انطونیا کو پڑھاؤ، پڑھاؤ!'

(4)

اسی اتوار کی سہ پہر کو، اوٹو کی نگرانی میں، میں نے اپنے ٹٹو پر پہلی سیر کی۔ اس کے چند ہفتے میں دو بار میں اپنے ٹٹو، ڈیوید، پر مشرق کی سمت چھ میل دور واقع ڈاک خانے جاتا۔ اس طرح میں نے ڈاک خانے کے لوگوں کو ہمارے ہمسایوں تک پیغام پہنچانے کے لیے آمدورفت سے بچا لیا۔ جب ہم نے کوئی شے مستعار لینی ہوتی یا یہ پیغام دینا ہوتا کہ مقامی سکول میں وعظ ہوگا تو پیغام بری کا کام میں ہی سرانجام دیتا۔ قبل ازیں کام کاج سے فارغ ہوکر فشے یہ فرض ادا کیا کرتا تھا۔

اتنے برس بیت گئے ہیں لیکن اس پہلی شاندار خزاں کی یادیں ابھی تک دھندلی نہیں ہوئیں۔ نیا گاؤں میرے سامنے کھلا پڑا تھا۔ ان ایام میں جنگلے نہیں ہوا کرتے تھے۔ گھاس میں سے اپنا راستہ میں خود منتخب کرسکتا تھا اور گھر واپسی کے لیے اپنے ٹٹو پھر بھروسہ کرسکتا تھا۔ کبھی کبھی میں سورج مکھی سے لدی راہ اپنا لیتا۔ فشے نے مجھے بتایا تھا کہ اس علاقے میں مورمون فرقے سے سورج مکھی کو متعارف کروایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ایذا رسانی کے ایم میں جب اس فرقے کے لوگوں نے مسوری کو خیر باد کہا اور جنگلوں، ویرانوں میں ایسی جگہ کی تلاش میں مرے مارے پھر رہے تھے جہاں وہ اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرسکیں، تو ان کی اولین جماعت یہاں سے گزری اور راہ میں سورج مکھی کے بیج بکھیرتی گئی۔ آئندہ موسم گرما میں جب عورتوں اور بچوں سے لدے پھندے چھکڑوں کے طویل قافلے آئے تو وہ سورج مکھی کے سلسلے کے ساتھ ساتھ چلتے

گئے۔ میرے خیال میں نباتات کے ماہرین فشے کا اس قصے میں یقین نہیں رکھتے۔ وہ اصرار کرتے ہیں کہ سورج مکھی ان میدانوں کا مقامی پھول ہے۔ پھر بھی یہ روایت میرے ذہن سے محو نہیں ہو سکی۔ سورج مکھی سے لدی سڑکیں مجھے ہمیشہ آزادی کی شاہرائیں محسوس ہوتی ہیں۔

پیلے اور زرد مکئی کے کھیتوں کے گرد آوارہ گردی مجھے بہت پسند ہوا کرتی تھی۔ کبھی کبھار میں جرمن ہمسایوں کی طرف نکل جاتا، ان کے کیلپا درختوں کے کنج کی تعریف کرتا یا ایلم کے اس درخت کو دیکھنے لگتا جو زمین میں ایک گہرے شگاف میں سے اگا تھا اور جس کی شاخوں میں شکرے نے گھونسلہ بنا رکھا تھا۔ اس علاقے میں درخت بہت ہی کم تھے اور انہیں اگانے کے لیے مشقت بھی بہت کرنا پڑتی تھی، اس لیے ہم ان کے بارے میں فکرمند رہا کرتے تھے اور انہیں دیکھنے کے لیے یوں جاتے تھے جیسے وہ درخت نہ ہوں ہم جیسے انسان ہوں۔ اس قصباتی منظرنامے میں تفصیل و کیفیت کی کمی ہی تھی جس نے اس تفصیل و کیفیت کو اس قدر گراں قدر بنا دیا تھا۔

کبھی کبھی میں شام کے دھندلکے میں ارضی الوؤں کو اپنے ٹھکانوں کی طرف واپسی کی پرواز کرتے اور کتوں کے ساتھ زیرزمین اپنے گھونسلوں کی طرف جاتا دیکھنے کی غرض سے شمال میں بڑے مرغزاری ڈاگ ٹاؤن کی طرف اپنے ٹٹو پر سوار ہو کر جایا کرتا تھا۔ انطونیا شمردا کو میرے ساتھ وہاں جانا اچھا لگتا تھا اور ہم زمین دوز روش کے ان پرندوں پر بہت سا تعجب کیا کرتے تھے۔ وہاں ہمیں بہت چوکس بھی رہنا پڑتا تھا کیونکہ کھڑکھڑانے والے سانپ ہر وقت گھات میں رہتے تھے۔ کتوں اور الوؤں میں سے ان سانپوں کو اپنی خوراک آسانی سے حاصل ہو جاتی تھی۔ سانپوں کے مقابلے میں وہ اصل میں بہت ہی بے بس تھے۔ سانپ ان کے آرام دہ گھروندوں کے آگے پھن پھیلا کر بیٹھ جاتے، اور ان کے انڈے اور بچے ہضم کر جاتے۔ الوؤں پر ہمیں بہت ترس آیا۔ یہ منظر ہمیشہ ہی المناک ہوتا کہ وہ بیچارے شام کے وقت اڑتے ہوئے اپنے گھونسلوں کو واپس آتے اور زمین کے نیچے غائب ہو جاتے۔ خیر ہم نے سوچا کہ پروں والی جو مخلوق اس قسم کی زندگی بسر کر رہی ہو، وہ گھٹیا قسم کی مخلوق ہی ہوگی۔ ڈاگ ٹاؤن کسی جوہڑ یا کھائی سے کافی فاصلے پر واقع تھا۔ اوٹوفش کا کہنا تھا کہ اس نے صحرا میں ایسے گنجان ڈاگ ٹاؤن بھی دیکھے ہیں جہاں پچاس پچاس میل تک زمین پر پانی دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ زور دے کر کہتا کہ بعض سوراخ زیرزمین پانی تک جاتے ہوں گے.....تقریباً دو سو فٹ نیچے

تک۔ انطونیا کا کہنا تھا کہ وہ اس بات کو نہیں مانتی۔ اس کے خیال میں خرگوشوں کی طرح کتے بھی غالباً صبح سویرے پیاس بجھانے کے لیے شبنم چاٹ لیتے تھے۔

لگ بھگ ہر شے کے بارے میں انطونیا نے اپنی رائے قائم کر رکھی تھی اور جلد ہی وہ ہمیں اپنی آراء سے آگاہ کرنے کے قابل بھی ہوگئی۔ میرے ساتھ اپنا سبق پڑھنے کی خاطر وہ تقریباً روز ہی مرغزار سے بھاگی ہوئی آتی۔ مسز شمردا کو یہ بات اچھی تو نہ لگتی تھی، لیکن پھر بھی وہ سمجھتی تھی کہ خاندان کے کسی ایک فرد کو انگریزی زبان ضرور سیکھنی چاہیے۔ سبق ختم ہونے پر ہم باغ کے پچھواڑے تربوزوں کے قطعہ کی طرف جایا کرتے تھے۔ ایک پرانے چاقو کے ساتھ میں تربوز کاٹتا اور ہم دونوں اس عالم میں گودا کھانے لگتے کہ تربوز کا رس میری انگلیوں سے ٹپک رہا ہوتا تھا۔ سفید کرسمس خربوزوں کو ہم نے کبھی نہ چھوا۔ ہاں تجسس سے انہیں دیکھا ضرور کرتے تھے۔ ان کو چننے والے دن ابھی آنے والے تھے اور پھر سردیوں میں استعمال کے لیے انہیں رکھ دیا جاتا تھا۔ سمندر پر کئی ہفتے گزارنے کے بعد شمردا گھرانہ پھلوں کے لیے بڑا ندیدہ ہوا جا رہا تھا۔ دونوں لڑکیاں زمینی رس بھریوں کی تلاش میں میلوں تک کھیتوں کے کنارے گھومتی رہتی تھیں۔

باورچی خانے کے کام کاج میں دادی اماں کا ہاتھ بٹانا، کھانا پکانا اور گھرداری کے امور سیکھنا انطونیا کو بہت اچھا لگتا تھا۔ دادی اماں کے ساتھ کھڑے ہو کر وہ ان کی تمام حرکات کا مشاہدہ کرتی رہتی تھی۔ ہم لوگ یہ بات ماننے کو تیار تھے کہ مسز شمردا اپنے علاقے میں ایک اچھی خانہ دار خاتون تھیں۔ البتہ یہاں، نئے حالات میں وہ زیادہ کامیاب ثابت نہ ہوئیں۔ خیر، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حالات تھے ہی بہت خراب۔

مجھے یاد ہے کہ ایک روز مسز شمردا نے اپنے گھر والوں کو سیاہی مائل کھٹی روٹی کھانے کو دی اور یہ دیکھ کر ہمیں شدید دھچکا سا لگا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ اپنا گندھا ہوا آٹا ٹین کے پرانے کنستر میں رکھتی تھیں جو کے کریجک باڑے میں استعمال کیا کرتا تھا۔ پھر جب وہ روٹی پکانے کے لیے آٹا نکالتیں تو اس کنستر کو چولہے کے پیچھے الماری میں رکھ دیتیں۔

ان ابتدائی مہینوں کے دوران میں شمردا گھرانے کے لوگ کبھی قصبے کی طرف نہ گئے۔ کریجک نے یہ سوچنے میں ان کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ بلیک ہاک میں کسی نہ کسی پراسرار طریقے سے وہ اپنی پونجی سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ اس کمبخت کریجک سے انہیں نفرت تھی، لیکن لاچار تھے۔ بس وہی ایک ایسا شخص تھا جس کے ساتھ وہ گفتگو کر سکتے تھے یا جس سے وہ

معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ وہ بوڑھے آدمی کے ساتھ سوتا تھا، جب کہ دونوں لڑکے بیلوں کے ساتھ باڑے میں سوتے تھی۔ وہ اسی طرح کریجک کو اپنی کوٹھری میں رکھتے اور کھلاتے پلاتے تھے جس طرح مرغزاری کتے اور بھورے الوکھڑ کھڑانے والے سانپوں کو پاس رکھتے تھے.....انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ اس سے نجات کیونکر حاصل کی جائے۔

(5)

ہمیں معلوم تھا کہ ہمارے خانہ بدوش ہمسایوں کی زندگی بڑی کھٹن ہے۔ لیکن دونوں لڑکیاں بڑی خوش دل تھیں اور شکایت کا کوئی لفظ کبھی ان کی زبان پر نہ آیا تھا۔ گھر کے دکھوں کو بھول کر وہ ہمیشہ خرگوشوں کو ڈرانے یا بیٹروں کے غول اڑانے کے لیے میرے ساتھ مرغزار میں بھاگنے پر تیار رہتی تھیں۔

انطونیا کا جوش وخروش مجھے خوب یاد ہے کہ کیسے وہ ایک سہ پہر کو باورچی خانے میں آئی اور چلانے لگی کہ 'میرے ابو کو شمال کی طرف روسی لوگوں میں دوست مل گئے ہیں۔ کل رات وہ انہیں دکھانے کے لیے مجھے لے گئے تھے۔ میں ان کی بہت سی باتیں سمجھ سکتی ہوں۔ مسز برڈن، وہ اچھے لوگ ہیں۔ ان میں سے ایک موٹا تازہ ہے اور ہر وقت ہنستا رہتا ہے۔ وہ سب ہی ہنستے ہیں۔ پہلی بار میں نے اپنے ابو کو وہاں ہنستے ہوئے دیکھا ہے۔ آہا، کیا ہی اچھی بات ہے!'

میں نے اس سے پوچھا کہ آیا اس کی مراد ان دو روسیوں سے ہے جو بڑک ڈاگ ٹاؤن کے پاس رہتے تھے۔ جب کبھی میں اپنے ٹٹو پر سوار اس جانب کو جایا کرتا تھا تو ان دونوں سے ملنے کو جی چاہتا تھا۔ لیکن ان میں سے ایک بالکل وحشی سا لگتا تھا اور سچی بات ہے کہ مجھے اس سے ڈر سا لگتا تھا۔ روس مجھے بہت ہی دور دراز ملک لگتا تھا، جو چین سے بھی پرے ہو اور کم از کم قطب شمالی جتنا دور ہو۔ اولین آبادکاروں میں جتنے بھی عجیب وغریب اور بے خانماں لوگ شامل تھے، ان میں سے یہ دو افراد سب سے زیادہ عجیب وغریب اور سب سے زیادہ الگ تھلگ رہنے والے تھے۔ ان کے آخری نام ناقابل ادائیگی تھے۔ لہذا انہیں پاول اور پیٹر پکارا جاتا تھا۔

شمردا گھرانے کی آمد سے پہلے ان کو کوئی دوست نہ تھا۔ کریجک کسی حد تک ان کی باتیں سمجھ تو سکتا تھا، لیکن ایک کاروباری معاملے میں وہ انہیں دھوکہ دے چکا تھا۔ اس لیے وہ

MashalBooks.com

اس سے دور ہی رہتے تھے۔ پاول طویل القامت تھا اور اسے انارکسسٹ خیال کیا جاتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اپنی رائے کے اظہار کا اس کے پاس کوئی وسیلہ نہ تھا۔ یوں وہ کھردرے انداز میں اشاروں سے باتیں کرتا اور اس کے طور طریقوں میں باغیانہ اور کرخت انداز پایا جاتا تھا۔ کسی زمانے میں وہ لازماً بہت مضبوط آدمی رہا ہوگا لیکن اب اس کے بڑے حشے پر شکستگی کے آثار نمایاں تھے۔ سخت طریقے سے سانس لیتا اور ہر وقت کھانستا رہتا تھا۔

پیٹر اس کا ساتھی بالکل مختلف قسم کا شخص تھا۔ چھوٹا قد۔۔۔ اور موٹا تازہ۔ راہ میں جب بھی لوگوں کے ساتھ سامنا ہوتا وہ خوش دکھائی دیتا۔ مسکراتے ہوئے وہ اپنا ہیٹ ہر شخص کے لئے اتارتا۔ عورتوں اور مردوں سب کے لئے۔ فاصلے سے اپنے چھکڑے پر بیٹھا ہوا وہ سن رسیدہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کے سر کے بال اور داڑھی کا رنگ یوں زرد سا تھا کہ دھوپ میں سفید نظر آتا۔ دھنکی ہوئی اون کی طرح یہ بال گھنگھریالے اور گھنے تھے عام طور پر اسے 'گھنگھریالہ پیٹر' یا 'روشین پیٹر' پکارا جاتا تھا۔

دونوں روسی بڑے اچھے کھیت مزدور تھے اور گرمی میں دونوں مل کر کام کرتے تھے۔ میں نے اپنے ہمسایوں کو یہ کہہ کر ہنستے ہوئے دیکھا تھا کہ کیسے اپنی گائے کا دودھ دوہنے کیلئے پیٹر کو رات کو ہمیشہ گھر جانا پڑتا تھا۔ دوسرے کنارے کے مزارے کینڈ دودھ استعمال کرتے تھے تاکہ اس قسم کی تکلیف سے بچا جا سکے۔ پیٹر کبھی کبھار مقامی سکول کی عمارت میں چرچ آیا کرتا تھا اور پہلے پہل میں نے اسے وہیں دیکھا تھا۔ وہ دروازے کے پاس نیچی بینچ پر بیٹھا تھا۔ اس کی مخملی ٹوپی ہاتھوں میں تھی اور ننگے پاؤں معذرت خواہانہ انداز میں نشست کے نیچے سکڑے ہوئے تھے۔

ان روسیوں سے جب مسٹر شمراد کا ملاپ ہوا تو اس کے بعد کم وبیش ہر شام کو وہ ان سے ملنے جانے لگا۔ کبھی کبھی وہ انطونیا کو بھی ساتھ لے جاتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ لوگ روس کے ایک ایسے علاقے سے آئے تھے جہاں کی زبان بوہمین زبان سے زیادہ مختلف نہ تھی اور یہ کہ اگر میں ان سے ملنے کے لئے جاؤں تو وہ ان کے سامنے میری ترجمانی کر سکتی ہے۔ ایک سہ پہر کو' بھاری اوس پڑنے سے پہلے' میرے ٹٹو پر ہم دونوں وہاں پہنچ گئے۔

روسیوں کا گھر گھاس والی ڈھلوان پر لکڑی سے بنا ہوا اور صاف ستھرا تھا۔ دروازے کے ساتھ بوجھ اٹھانے والی کل کا کنواں تھا۔ وہاں ہمیں خربوزوں کا ایک بڑا قطعہ اور

ایک باغیچہ بھی دکھائی دیا جس میں کدو اور زرد کھیرے ادھر ادھر نظر آ رہے تھے۔ پیٹر کو ہم نے باورچی خانے کے عقب میں کپڑے دھونے والے ٹب کے اوپر جھکے ہوئے پایا۔ کام میں وہ اس قدر محو تھا کہ ہمارے آمد کی اسے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ کپڑے رگڑتے ہوئے اس کا سارا جسم اوپر نیچے کو حرکت کر رہا تھا اور پیچھے سے دیکھنے پر یہ سارا منظر بہت ہی مضحکہ خیز دکھائی دیتا تھا۔ ہمارے استقبال کے لئے جب وہ سیدھا ہوا تو پسینے کے قطرے اس کے موٹے ناک سے گھنگریالی داڑھی تک بہہ رہے تھے۔ پیٹر نے اپنے ہاتھ خشک کئے۔ لگتا تھا کہ کپڑے دھونے سے نجات پر وہ خوش تھا۔ وہ ہمیں اپنے مرغ اور گائے دکھانے کے لئے لے گیا جو پہاڑی کی اطراف میں چر رہی تھی۔ انطونیا کو اس نے بتایا کہ اس کے وطن میں صرف امیر لوگوں کے پاس گائیں ہوتی ہیں' لیکن یہاں جو کوئی ان کی دیکھ بھال کر سکے' وہ انہیں رکھ سکتا ہے۔ پاول کے لئے دودھ بہت اچھا تھا جو اکثر اوقات بیمار رہتا تھا۔ کھٹی بالائی کو چوبی چمچے کے ذریعے پھینٹ کر وہ مکھن بھی تیار کر سکتا تھا۔ پیٹر اپنی گائے کو بہت چاہتا تھا۔ گائے کی پسلیوں پر تھپکی دیتے ہوئے اس نے پھندا پکڑ کر اسے نئی جگہ بٹھایا اور اس دوران روسی زبان میں اس کے ساتھ بولتا بھی گیا۔

باغ دکھانے کے بعد پیٹر تربوزوں سے لدے ہوئے چھکڑے کو پہاڑی کی طرف لڑھکا کر لے گیا۔ پاول گھر میں نہ تھا۔ وہ کسی جگہ کنویں کی کھدائی میں ہاتھ بٹانے گیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کا گھر دو افراد کے لئے بہت آرام دہ تھا۔ باورچی خانے کے علاوہ اس میں رہائشی کمرہ بھی تھا اور دیوار کے ساتھ ایک چوڑا دوہرا پلنگ بنا ہوا تھا۔ اسے مناسب طور پر نیلے سوت کی چادروں اور تکیوں سے سجا تا گیا تھا۔ گھر میں ایک چھوٹا سا سٹور روم بمعہ کھڑکی بھی تھا جس میں انہوں نے بندوقیں' کاٹھیاں دروازے' پرانے کوٹ اور جوتے رکھے ہوئے تھے۔ اس روز فرش باغیچے کی اشیا سے ڈھکا ہوا تھا جو سرما کے لئے خشک کی جا رہی تھیں۔ ان میں مکئی پھلیاں اور موٹے پیلے کھیرے شامل تھے۔ گھر میں کوئی چلمن یا کھڑکیوں کے پردے نہ تھے اور تمام کے تمام دروازے اور کھڑکیں چوپٹ کھلی تھیں۔ مکھیاں اور دھوپ ان سے ایک ساتھ اندر آ رہی تھیں۔

پیٹر نے خربوزوں کو موم جامے سے ڈھکی میز کے اوپر ایک قطار میں رکھا اور سامنے کھڑا ہو کر قصائی والا چاقو ہلانے لگا۔ چاقو کا پھل اچھی طرح سے ان کو لگنے سے پہلے ہی وہ خوب پکے ہونے کی وجہ سے ایک نازک سی آواز کے ساتھ ٹوٹنے لگے۔ تب اس نے ہمیں چاقو

MashalBooks.com

تو دیئے لیکن کھانے کے لئے کوئی تھالی نہ دی۔ جلد ہی میز کی سطح جوس اور بیجوں سے لبریز ہوگئی۔ میں نے کبھی کسی کو اتنے خربوزے کھاتے نہ دیکھا تھا جتنے کے پیٹر نے کھائے۔ وہ ہمیں یقین دلاتا رہا کہ خربوزے بڑی اچھی چیز ہے۔۔۔دوا سے بھی اچھے ہیں اور یہ کہ اس کے اپنے وطن میں سال کے اس حصے میں لوگ ان ہی پر گزارہ کرتے ہیں۔ وہ بڑا خوش مزاج اور مہمان نواز تھا۔ ایک موقع پر اس نے انطونیا کو دیکھتے ہوئے آہ بھری اور ہمیں بتانے لگا کہ اگر وہ اپنے وطن روس ہی میں رہا ہوتا تو شاید اب وہ ایک خوبصورت بیٹی کا باپ ہوتا جو اس کے لئے کھانا پکاتی اور گھر کا کام کاج کرتی اس نے یہ بھی بتایا کہ ایک 'بڑی مصیبت' کے سبب اسے اپنا وطن چھوڑنا پڑا تھا۔

واپسی کے لئے جب ہم تیار ہوئے تو فکر مندی کے ساتھ پیٹر کوئی ایسی شے تلاش کرنے لگا جو ہمیں خوش کر سکے جلدی سے وہ سٹور روم میں گیا اور ایک بھڑکیلا منقش باجا اٹھا لایا۔ تب وہ اپنی موٹی ٹانگوں کو پھیلا کر ایک پورے بینڈ کی طرح اسے بجانے لگا۔ دھنیں یا تو بہت زیادہ چنچل یا پھر بہت زیادہ غمگین تھیں۔ بعض دھنوں کے ساتھ اس نے الفاظ بھی گائے۔

جب ہم جانے لگے تو پیٹر نے مسز شمراد کے لئے پکے ہوئے کھیروں کی ایک بوری دی اور انہیں پکانے کے لئے بہت سا دودھ بھی ہمیں دیا۔ کھیروں کو پکانے کا ذکر میں نے کبھی نہ سنا تھا۔ تاہم انطونیا نے مجھے بتایا کہ وہ بہت اچھے تھے۔ دودھ کو گرنے سے بچانے کی خاطر ہمیں ٹٹو کو گھر تک پیدل لانا پڑا۔

(6)

ایک سہ پہر کو ہم اس گرم پرگیاں کنارے پر اپنا سبق پڑھ رہے تھے جہاں پر بجور ہتا تھا۔ وہ ایک غیر دھوپ والا دن تھا۔ اور جب ہم باغ میں سے گزر رہے تھے تو سرخ پیپلیوں والی سفید موصلی زمین پر پڑی دکھائی دی تھی۔

ٹونی ننگے پاؤں تھی۔ سوتی کپڑوں میں وہ کانپنے لگی۔ لیکن جب ہم پوری دھوپ میں پکی زمین پر آ گئے تو وہ آسودگی محسوس کرنے لگی۔ اس وقت تک میرے ساتھ کم وبیش ہر موضوع پر گفتگو کرنے کے قابل ہو چکی تھی۔ اس سہ پہر کو وہ مجھے بتا رہی تھی کہ اس کے اپنے وطن میں بجو کو کس قدر عزیز رکھا جاتا ہے۔ اور کس طرح لوگ اس کے شکار کے لئے بہت چھوٹی ٹانگوں والے خاص قسم کے کتے رکھتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ کتے بجو کے پیچھے اس کی کھوہ میں

MashalBooks.com

داخل ہو جاتے ہیں اور زیر زمین خوفناک کشمکش کے بعد اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔ اس دوران باہر خوفناک چیخیں سنائی دیتی ہیں۔ اس کے بعد زخمی حالت میں کتا باہر آ جاتا ہے۔ مالک اسے تھپکی دیتا ہے اور صلہ بھی۔ وہ ایک ایسے کتے کو بھی جانتی تھی جس کی گردن پر اس قدر ستارے بنے ہوئے تھے جس قدر بجو اس نے ہلاک کئے تھے۔

اس سہ پہر خرگوش کچھ زیادہ ہی پھرتیلے تھے۔ ہمارے گرد و پیش وہ یوں مچلتے بھاگ رہے تھے جیسے کوئی کھیل رچا رہے ہوں۔ البتہ گھاس میں رہنے والے تمام چھوٹے بھونڈے۔۔ایک کے سوا۔۔۔سب کے سب مرے پڑے تھے۔ جب ہم اس گرم کنارے پر لیٹے ہوئے تھے تو ایک بے حد پیلا زرد، ناتواں ٹڈا بڑی مشکل کے ساتھ گھاس میں سے برآمد ہوا اور اس نے ایک ننھی سی شاخ پر چھلانگ کی کوشش کی۔ ناکام ہونے پر وہ گر گیا اور اپنی لمبی ٹانگوں میں سر دیئے بیٹھا رہا۔ گویا منتظر ہو کہ کوئی شے آئے اور اس اذیت زدہ زندگی سے اسے نجات دلا دے۔ ٹونی نے اپنے ہاتھوں میں اس کے لئے ایک گرم گھونسلہ بنایا اور بوہیمین زبان میں اس کے ساتھ خوش دلی اور ناز برداری کے انداز میں باتیں کرنے لگی۔۔۔اور وہ بھی ہمارے لئے گانے لگا۔ انطونیا اسے اپنے کان کے پاس لے گئی اور ہنسنے لگی۔ لیکن ایک ہی لمحے کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وطن میں ان کا جو گاؤں تھا وہاں ایک بوڑھی فقیرنی رہتی تھی جو جنگل سے جڑی بوٹیاں لا کر بیچا کرتی تھی۔ اگر اسے کوئی گھر لے جاتا اور آگ کے پاس گرم جگہ بٹھا دیتا تو وہ اس ٹڈے کی طرح شکستہ آواز میں بچوں کو پرانے گیت سنایا کرتی تھی۔ بوڑی ہاتا اس کو پکارا جاتا تھا۔ بچے اس کو آتے دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے اور وہ اس کی خاطر اپنی مٹھائیاں اور کیک بھی بچا رکھتے تھے۔

سائے جب طویل ہونے لگے تو ہم نے جانا کہ اب گھر کی طرف واپسی کا وقت ہو گیا ہے سورج ذرا نیچے ہوا تو فوراً ہی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور انطونیا کا لباس مہین تھا۔ اچھا تو اب ہم اس ننھی سی نازک مخلوق کا کیا کرتے جس کو ہم نے مصنوعی طریقوں سے دوبارہ زندگی بخشی تھی؟ اس ٹڈے کے لئے میں نے اپنی جیب کی پیشکش کی۔ لیکن ٹونی نے سر ہلایا اور بڑی احتیاط سے اسے اپنے بالوں میں رکھ لیا اور بالوں کے خم پر اپنا بڑا سا رومال ہولے سے باندھ دیا۔ میں نے اسے بتایا کہ سکوڈا کھائی تک میں اس کے ساتھ جاؤں گا اور پھر موڑ کاٹتے ہوئے گھر کو بھاگ جاؤں گا۔ آخر شام کو سحر کار روشنی میں ہم خوشی سے جھومتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنی

راہ پر ہو لئے۔

خزاں کی وہ تمام شامیں ایک جیسی تھیں' لیکن میں کبھی ان کا عادی نہ ہوا۔ تا حد نگاہ سرخ گھاس ایسی دھوپ تلے آئی ہوئی تھی جو دن کے کسی اور وقت کے مقابلے میں زیادہ تیز تھی۔ بھورے مکئی کے کھیت سنہرے ہوئے جا رہے تھے۔ گھاس کے ڈھیر گلابی دکھائی دے رہے تھے اور ان کے سائے طویل ہو چکے تھے۔۔ پورا مرغزار ایک ایسی شاخ کی مانند دکھائی دے رہا تھا جو آگ سے جل رہی ہو' لیکن راکھ میں نہ ڈھل رہی ہو۔ یہ وقت ہمیشہ ہی کامیابی کی مسرت کا حامل ہوتا' بامراد خاتمے کی طرح۔۔۔ جیسے کسی ہیرو کی موت' ہیرو جو نوجوانی میں شان وشوکت کے ساتھ موت سے ہمکنار ہوا ہو۔ یہ ایک اچانک کایا پلٹ تھی۔۔۔ ان کی کایا کلپ جس نے اسے مسرت انگیز بنا دیا تھا۔

کتنی ہی شامیں انطونیا اور میں نے اس کروفر کے ساتھ مرغزار کی چہل قدمی میں بسر کی ہیں! ہمیشہ دور و سیاہ سائے۔۔۔ گلابی گھاس پر دو کالے دھبے۔۔۔ ہمارے آگے پیچھے ہوتے۔

بہت سا وقت ہم خاموش رہتے شام ہونے لگی تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ تب ہم نے دور سے کسی شخص کو آتے دیکھا۔ اس کے کاندھے پر بندوق تھی۔ وہ یوں اپنے قدم آہستہ آہستہ اٹھا رہا تھا جیسے یونہی بلا مقصد چل رہا ہو۔ اس سے ملنے کے لئے ہم نے بھاگنا شروع کر دیا۔

'میرا باپ ہمیشہ ہی بیمار رہتا ہے' ٹونی نے بھاگتے ہوئے اطلاع دی' وہ ٹھیک نہیں لگتا' جم۔

جب ہم مسٹر شمراد کے قریب پہنچے تو ٹونی اسے پکارنے لگی اور اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ٹونی بھاگ کر اس کے پاس گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے رخسار دبانے لگی۔ گھر میں صرف وہی تھی جو مسٹر شمراد کو افسردگی و بے حسی کے اس عالم سے باہر نکال سکتی تھی جس میں وہ زندگی بسر کرتا دکھائی دیتا تھا۔ اس نے اپنی پیٹی سے تھیلا نکال کر وہ تین خرگوش دکھائے جو اس نے مارے تھے۔ مسکراتی آنکھوں سے انطونیا کو دیکھتے ہوئے وہ اس سے باتیں کرنے لگا۔ ٹونی نے میری طرف دیکھا 'بابا نے میرے لئے کھالوں کا چھوٹا سا ہیٹ بنانا ہے۔۔۔ سردیوں کے لئے چھوٹا سا ہیٹ'۔ وہ خوشی سے کہنے لگی۔ 'گوشت کھانے کے لئے اور کھال ہیٹ کے لئے' اس نے ان فوائد کو انگلیوں سے بیان کیا۔

MashalBooks.com

باپ نے اپنا ہاتھ اس کے بالوں پر رکھا' مگر اس نے باپ کی کلائی پکڑ کر آہستہ سے اسے پرے کر دیا۔ تیزی سے وہ باتیں بھی کئے جا رہی تھیں۔ مجھے بوڑھی ھاتا کا نام سنائی دیا اس نے رومال کھولا اپنی انگلیوں سے بیٹی کے بال الگ کئے اور ہرے کیڑے کو دیکھنے لگا۔ ہولے سے جب اس نے چوں چوں کی تو وہ اسے یوں سننے لگا جیسے کوئی دلکش آواز ہو۔

میں نے بندوق اٹھالی جو اس نے نیچے گرادی تھی۔ پرائے علاقے کی یہ عجیب و غریب چھوٹی سی لیکن بھاری شے تھی۔ اس کے گھوڑے پر بارہ سنگھے کا سر بنا ہوا تھا۔ بندوق کا جائزہ لیتے ہوئے جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے اپنی دور جھانکنے والی نظروں کے ساتھ میری طرف رخ کیا۔ یہ نظریں ہمیشہ مجھے یہ احساس دلاتی تھیں کہ جیسے میں کسی کنویں کی تہ میں پڑا ہوں۔ شفقت اور سنجیدگی کے ساتھ اس نے بات کی۔ انطونیا ترجمہ کرتی جا رہی تھی۔

'میرا بابا کہتا کہ جب تم بڑے لڑکے ہو جاؤ گے تو وہ اپنی بندوق تمہیں دے دے گا۔ بڑی اچھی ہے۔ بوہیمیا کی ہے۔ یہ ایک بڑے آدمی کی تھی۔ وہ بڑا امیر تھا۔ یہاں اس جیسا کوئی بھی نہیں۔ اس کے کئی کھیت تھے۔ کئی جنگل تھے اور کئی گھر تھے۔ میرے بابا نے اس کی شادی پر کھیل رچایا تھا اور اس نے میرے بابا کو اپنی عمدہ بندوق دے دی۔ بابا اب بندوق تمہیں دے دے گا'۔

مجھے خوشی ہوئی کہ اس منصوبے کا تعلق مستقبل سے تھا۔ شمردا گھرانے جیسے لوگ تو کہیں نہ تھے جو اپنی ہر شے لٹانے پر تیار رہتے تھے۔ یہاں تک کہ مسز شمردا بھی ہر وقت کوئی نہ کوئی شے مجھے پیش کرتی رہتی تھیں۔ ویسے مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ بدلے میں وہ معقول تحفوں کو توقع رکھتی تھیں۔ ہم دوستانہ خاموشی میں کھڑے رہے۔ مسٹر شمردا کی نظر اپنی بیٹی کے بالوں میں اٹکے کیڑے پر پڑی تو وہ مسکرا دیا۔ اس بوڑھے آدمی کی مسکراہٹ میں اس قدر اداسی اور دوسروں کے لئے رحم کا اس قدر شدید احساس تھا کہ میں اسے کبھی بھلا نہیں سکا۔ سورج جب غروب ہوا تو اچانک سردی محسوس ہونے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں دھرتی اور خشک ہونے والی گھاس کی باس بھی رچی بسی تھی۔

(7)

انطونیا کو میں بہت چاہتا تھا' لیکن اس کا وہ بزرگانہ انداز مجھے ایک آنکھ نہ بھاتا جو

کبھی کبھی وہ اختیار کر لیتی تھی۔ بلاشبہ وہ مجھ سے چار برس بڑی تھی اور اس نے مجھ سے زیادہ دنیا دیکھی تھی۔ لیکن میں لڑکا تھا اور وہ لڑکی۔ مجھے اس کا محافظانہ انداز بھی پسند نہ تھا۔ خزاں کے ختم ہونے سے پہلے وہ میرے ساتھ زیادہ برابری کا سلوک کرنے اور سبق پڑھنے کے علاوہ دوسری باتوں میں بھی میرے ساتھ دلیل بازی کرنے لگی۔ یہ تبدیلی اصل میں ہمارے ایک مشترکہ معرکے کا نتیجہ تھی۔

ایک روز جب میں سوار ہو کر شمردار گھرانے پہنچا تو دیکھا کہ انطونیا روسی پیٹر کے گھر کی طرف پیدل جا رہی تھی تا کہ وہ بیلچہ مانگ کر لا سکے جس کی امبروش کو ضرورت تھی۔ میں نے اپنے ٹٹو پر لے جانے کی پیشکش کی اور وہ میرے پیچھے بیٹھ گئی۔ گزشتہ رات ایک اور سیاہ پالا پڑا تھا۔ ہوا صاف اور شراب کی مانند بدمست تھی۔ ایک ہی ہفتے میں پھولوں سے لدی راہیں غارت ہو گئی تھیں اور سینکڑوں میلوں میں پھیلے ہوئے سورج مکھی کے پیلے پھول بھورے کھکھڑانے ڈنٹھل بن کر رہ گئے۔

جب ہم پہنچے تو روسی پیٹر زمین سے کھود کر آلو نکال رہا تھا۔ اندر باورچی خانے کے چولہے کے پاس بیٹھ کر گرم ہو کر اور پیٹر کے کدو اور کرسمس خربوزے دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی جو اس نے سردیوں کے لئے سٹور روم میں ڈھیر کر رکھے تھے۔ بیلچہ لئے جب ہم واپسی کے لئے ٹٹو پر سوار ہوئے تو انطونیا نے تجویز پیش کی کہ ہم مرغزاری ڈاگ ٹاؤن میں رکیں اور کسی کھوہ میں کھدائی کریں۔ تا کہ پتہ چل سکے کہ آیا اس قسم کی کھودیں سیدھی نیچے کی طرف جاتی ہیں یا چھچھوندر کی کھوہ کی طرح غیر عمودی ہوتی ہیں۔ کیا ان کے درمیان زیر زمین رابطے ہوتے ہیں۔ آیا الو وہاں نیچے پروں سے گھونسلے بناتے ہیں۔ یہ بھی ہے کہ اس طرح ہمیں کچھ ملے' یا الوؤں کے انڈے یا سانپوں کی کھالیں بھی مل سکتی ہیں۔

ڈاگ ٹاؤن شاید دس ایکٹر سے بھی زیادہ علاقے پر پھیلا ہوا تھا۔ گھاس کو کاٹ کو چھوٹا اور ہموار کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ گردوپیش کے علاقے کی طرح بے ترتیب اور سرخ ہونے کے بجائے خاکستری اور نرم روئیں دار تھی۔ بل ایک دوسرے سے کئی گز کے فاصلے پر ہے اور ان میں ایک قسم کی باقاعدگی محسوس ہوتی تھی۔ جیسے کسی نے ٹاؤن کو گلیوں اور راستوں میں تقسیم کیا ہو۔ ہمیشہ یہی احساس ہوتا تھا کہ وہاں منظم اور معاشرتی قسم کی زندگی جاری وساری تھی۔ ٹٹو کو میں نے ایک کونے میں چھوڑا اور ہم ایسی کھوہ تلاش کرنے لگے جس کو کھودنا سہل ہو۔ کتے

حسب معمول درجنوں کی تعداد میں باہر نکلے ہوئے تھے اور اپنے گھروں کے دروازوں پر پچھلی ٹانگوں کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ہم نزدیک پہنچے تو انہوں نے دمیں ہلائیں' بھونکے اور زیر زمین گھس گئے۔ کھوؤں کے منہ کے پاس ریت اور بجری کے چھوٹے چھوٹے ڈھیرے لگے تھے۔ ہمارے خیال میں اس ریت اور بجری کو زمین کے نیچے سے نکالا گیا تھا۔ ٹاؤن میں کہیں کہیں کسی کھوہ سے کئی گز کے فاصلے پر بجری کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی دکھائی دیئے۔ اچھا اگر کتوں ہی نے ریت وغیرہ کھود کر نکالی تھی تو سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ اسے اتنی دور کیسے لے گئے؟ بجری کے ایک ایسے ہی قطعے پر میں نے اپنے کارنامے سے دوچار ہوا۔

ہم دو راستوں والی ایک بڑی کھوہ کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہ بل ایک دھیمے زاویے پر زمین کے اندر گھستی چلی گئی تھی۔ لہٰذا ہم یہ دیکھ سکتے تھے کہ دونوں راہیں کہاں جا کر آپس میں مل جاتی ہیں۔ کھوہ کا فرش استعمال کی وجہ سے گرد آلودہ تھا۔۔۔ اس شاہراہ کی طرح جس پر آمدورفت زیادہ ہوتی ہے۔ میں جھکے ہوئے انداز میں واپس پلٹ ہی رہا تھا کہ انطونیا کی چیخ سنائی دی۔ وہ میری مخالف سمت میں کھڑی تھی اور میری پشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خانہ بدوشوں کی زبان میں چلا چلا کر کچھ کہہ رہی تھی۔ میں فوراً مڑا اور وہاں خشک۔۔۔ بجری کے بڑے قطعے پر اتنا بڑا سانپ دکھائی دیا کہ جتنا میں نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ سرد رات کے بعد وہ دھوپ میں لیٹ کر اپنے آپ کر حرارت پہنچا رہا تھا۔ جب انطونیا چیخی تو اس وقت وہ ضرور سو ہی رہا ہوگا۔ جب میں مڑا تو اس وقت وہ انگریزی حرف (W) کی صورت میں آرام سے پڑا ہوا تھا۔ اب اس میں قدرے حرکت پیدا ہوئی۔ وہ صرف بڑا ہی نہیں بلکہ عجیب الخلقت بھی تھا۔ اس کی نفرت انگیز ہیت' اس کی کریہہ المنظر رواں حرکت نے متنفر سا کر دیا۔ اس کی موٹائی میری ٹانگ جتنی تھی اور لگتا تھا کہ اس کی نفرت انگیز قوت کو کچلنا ممکن نہیں۔ اس نے اپنا مہیب چھوٹا سا سر اٹھایا اور پھنکارنے لگا۔ میں بھاگا نہیں کیونکہ اس کا مجھے خیال ہی نہیں آیا۔۔۔ اگر میری پشت پتھر کی کسی دیوار کی طرف ہوتی تو بھی مجھے اس سے زیادہ پھنس جانے کا احساس نہ ہوتا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے کنڈل سخت ہو گئے۔ اب وہ اچھلے گا' اپنی طوالت جتنا تو ضرور اچھلے گا۔ میں بھاگا اور اپنا بیلچہ اس کے سر پر دے مارا۔ بیلچہ کافی زور سے اس کی گردن پر لگا اور ایک ہی لمحے میں وہ عفریت میرے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ نفرت اور غصے کے ساتھ میں اسے اور زیادہ مارنے لگا۔ انطونیا ننگے پاؤں تھی' بھاگ کر میرے پیچھے آ گئی۔ اس کے مکروہ سر کو اگرچہ میں نے

بری طرح کچل دیا تھا' لیکن اس کے جسم میں حرکت اب بھی تھی۔ پرے ہٹ کر میں نے منہ پھیر لیا۔ مجھے متلی کا احساس ہو رہا تھا۔

چلاتے ہوئے انطونیا میرے پیچھے آئی۔ 'ارے جمی' کمبخت نے تمہیں کاٹا تو نہیں؟ پکی بات ہے ناں؟ جب میں نے کہا تھا تو تم بھاگے کیوں نہیں؟

''یہ تم اپنی زبان میں کیا بکواس کر رہی تھیں؟ سیدھی طرح نہ کہہ سکتی تھیں کہ میرے پیچھے سانپ تھا'' میں نے جھنجلاہٹ میں گستاخی سے کہا۔

''ہاں میں جانتی ہوں جم' میں سہم گئی تھی۔ اتنا ڈر گئی تھی''۔ میری جیب سے رومال نکال کر اس نے میرا منہ صاف کرنے کی کوشش کی۔ لیکن رومال میں نے چھین لیا۔ میرا خیال ہے کہ میں اتنا ہی ناراض دکھائی دے رہا تھا جتنا کہ محسوس کر رہا تھا۔

''مجھے تو پتہ ہی نہ تھا جمی تم اتنے بہادر ہو'' اس نے سکون بخش انداز میں کہنا شروع کیا۔ ''تم تو بالکل بڑے آدمیوں کی طرح ہو۔ تم اس کے سر اٹھانے تک انتظار کرتے رہے اور پھر اس پر حملہ کیا۔ ڈر نہیں لگا تھا تمہیں؟ اب اس سانپ کو ہم گھر لے جائیں گے اور سب کو دکھائیں گے۔ کسی نے یہاں اتنا بڑا سانپ نہ دیکھا ہوگا جتنا بڑا تم نے مار دیا ہے''۔

وہ بولتی گئی یہاں تک کہ میں سوچنے لگا کہ مجھے ایسے ہی موقع کی آرزو تھی اور خوشی کے ساتھ میں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ دھیرے سے ہم سانپ کے پاس گئے' اس کی دم میں ابھی تک حرکت تھی۔ ہلکی سی بدبو اس کے جسم سے آ رہی تھی اور اس کے کچلے ہوئے سر سے سبزی مائل مائع کی تار سی بہہ رہی تھی۔ ''دیکھو ٹونی یہ ہے اس کا زہر'' میں نے کہا۔

جیب سے میں نے ڈوری کا ایک لمبا ٹکڑا نکالا۔ ٹونی نے بیلچے کے ذریعے سانپ کو اوپر اٹھایا اور میں نے ڈوری سے اسے باندھ دیا۔ اب ہم اس کو کھینچنے لگے۔ جب ہم نے اس کا ماپ لیا تو وہ تقریباً ساڑھے پانچ فٹ لمبا نکلا۔ اس کے بارہ کھڑکھڑے تھے۔ میں نے یوں حساب لگایا کہ اس کی عمر چوبیس برس ہوگی۔ گویا وہ اس علاقے میں کسی سفید فام شخص کی آمد سے پہلے ہی یہاں رہتا تھا۔ جب میں نے اس کا رخ بدلا تو مجھے اس پر فخر محسوس ہونے لگا' اس کے حجم اور عمر کے حوالے سے ایک قسم کا احترام بھی پیدا ہو گیا۔ وہ قدیم اور بڑے شیر کی مانند دکھائی دیتا تھا۔ بلاشبہ یہ وہ نوع ہے جس نے زندگی میں ہولناک لاشعوری یادیں چھوڑی ہیں۔ جب ہم اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لائے تو میرا ٹٹو اسے دیکھ کر اچھلنے کودنے لگا۔ وہ ڈر کے مارے ہمیں

اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دے رہا تھا۔

فیصلہ ہم نے کیا کہ انطونیا سوار ہو کر گھر جائے اور میں پیدل جاؤں گا۔ جب وہ سوار ہو کر آہستہ آہستہ جا رہی تھی تو اس کی ننگی ٹانگیں ٹٹو کے دونوں طرف جھول رہی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چلا لا کر یہ بھی بتاتی جا رہی تھی کہ سب لوگ اس سانپ کو دیکھ کر کس قدر حیران ہوں گے۔ بیلچہ کندھے پر رکھے اور اپنے سانپ کو گھسیٹتے ہوئے میں پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس کی شادمانی میری طرف منتقل ہونے لگی تھی۔ یہ عظیم علاقہ مجھے کبھی کبھی اس قدر وسیع و عریض اور آزاد محسوس نہ ہوا تھا۔ یہ سرخ گھاس اگر کھڑ کھڑانے والے سانپوں سے اٹی ہوئی تھی، تو میں بھی ان سب کے مقابلے کا تھا۔ پھر بھی چوری چھپے میں پیچھے دیکھتا آ رہا تھا کہ انتقام کی آگ میں جلتا ہوا اس سانپ کا کوئی اس سے بھی بڑا اور موٹا ساتھی تو پیچھا نہیں کر رہا۔

جب ہم اپنے باغ تک پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ اوٹو فشے سے سامنا سب سے پہلے ہوا۔ وہ مویشیوں کے جوہڑ کے کنارے بیٹھا تھا اور شام کے کھانے سے پہلے خاموشی سے پائپ پی رہا تھا۔ انطونیا نے اسے آنے اور دیکھنے کو پکارا۔ ایک پل کے لئے وہ خاموش رہا، سر کھجایا اور اپنے جوتے سے سانپ کو پلٹ دیا۔

''اس حسینہ کو کہاں سے پکڑ کر لائے ہو جم؟''

''وہاں، ڈاگ ٹاؤن سے'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''خود ہی مارا؟ ہتھیار کہاں سے تمہارے پاس آیا؟''

''اصل میں روسی پیٹیر کے گھر گئے تھے امبروش کے لئے بیلچہ مانگنے''۔

اوٹو نے پائپ سے راکھ جھاڑی اور نیچے بیٹھ کر سانپ کا معائنہ کرنے لگا۔ ''بس قسمت اچھی تھی کہ تمہارے پاس ہتھیار تھا'' اس نے احتیاط سے کہا۔ قسم سے میں ہوتا تو کبھی اس موذی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرتا۔ تمہارے دادی اماں کی سانپوں والی چھڑی سے تو اسے بس گدگدایا ہی جا سکتا ہے۔ یہ تو کھڑا ہو کر تمہارے ساتھ بول بھی سکتا تھا۔ اچھا تو اس نے مقابلہ خوب کیا؟''

اوٹو نے مجھے آنکھ ماری۔ انطونیا جب آگے نکل گئی تو کہنے لگا ''سر پر ہی پہلا وار کیا تھا نا؟ بس یہی تھی اصل بات''۔

سانپ کو میں نے پون چکی پر لٹکا یا دیا۔ باورچی خانے میں جب پہنچا تو انطونیا کو

وسط میں کھڑا پایا۔ مبالغہ آرائیوں کے ساتھ وہ سارا قصہ سنا رہی تھی۔

کھڑکھڑانے والے سانپوں کے ساتھ بعد میں جو واقعات پیش آئے' ان سے میں نے یہ سیکھا کہ میری پہلی مڈبھیڑ میں خوش بختی نے ساتھ دیا تھا۔ میرا وہ پہلا سانپ سال خوردہ تھا اور اس نے تن آسانی کی زندگی گزاری تھی۔ اس میں لڑنے کی زیادہ سکت نہ تھی۔ غالباً ایک عرصے سے وہ اس علاقے میں رہتا تھا۔ جب کبھی اسے ضرورت ہوتی وہ مرغزاری کتا دبوچ لیتا۔ وہ بھول گیا تھا کہ دنیا کھڑکھڑانے والے سانپوں کی محسن نہیں ہے۔ اگر وہ مقابلے کے لئے تیار ہوتا تو اس کا سامنا کرنا دشوار تھا۔ لیکن مقابلہ اس نے کیا میں نے نہیں۔ یوں ایک لحاظ سے میرا کارنامہ جعلی تھا۔ یہ کھیل میرے لئے محض اتفاق ہی تھا۔ روسی پیٹیر سے مجھے ہتھیار مل چکا تھا جب کہ سانپ بوڑھا اور سست تھا۔ سب سے بڑی بات ہے کہ تعریف و توصیف کرنے کے لئے انطونیا میرے ساتھ تھی۔

کئی روز تک سانپ جنگلے پر لٹکتا رہا۔ بعض ہمسائے اسے دیکھنے کے لئے آئے۔ وہ اس بات پر متفق تھے کہ ان علاقوں میں اس سے بڑا سانپ پہلے کبھی نہ ہلاک کیا گیا تھا۔ انطونیا کے لئے یہی کافی تھا۔ تب سے وہ مجھے پہلے سے بھی زیادہ اچھا سمجھنے لگی اور پھر کبھی اس نے میرے ساتھ متکبرانہ رویہ اختیار نہ کیا۔ میں نے ایک بڑا سانپ مارا تھا۔۔۔ اور اب میں ایک بڑا آدمی تھا۔

(8)

گھاس اور اناج کے کھتیوں پر خزاں کا رنگ پیلا پڑ رہا تھا' تو ہمارے روسی دوستوں کے حالات کچھ اچھے نہ رہے تھے۔ پیٹیر نے اپنے مصائب سے مسٹر شمراد کو آگاہ کیا۔ وہ ایک ہنڈی ادا نہ کر سکا تھا جس کی تاریخ یکم نومبر تھی اور اس کی تجدید پر اسے زیادہ رقم ادا کرنا پڑی تھی۔ اس سلسلے میں اسے اپنے سور' گھوڑے اور یہاں تک کہ دودھ دینے والی گائے بھی رہن رکھنی پڑی تھی۔ وک کٹر۔۔۔ بلیک ہاک کا بے رحم ساہوکار۔۔۔ اس کا قرض خواہ تھا۔ پورے علاقے میں وہ بدنام تھا۔ بعد میں اس کے بارے میں مزید میں کچھ کہوں گا۔ پیٹیر کو اس کے ساتھ اپنے حساب کتاب کو کوئی واضح فہم نہ تھا۔ اسے بس یہ معلوم تھا کہ پہلے اس نے وک کٹر سے دو سو ڈالر قرض لئے تھے' پھر ایک سو اور بعد میں پچاس ڈالر۔۔۔ اور یہ کہ قرض ہر اس فصل

سے زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا جو وہ بوتا تھا۔ اب ہر شے رہن کی نظر ہو رہی تھی۔

پیٹر نے اپنے نوٹ کی تجدید کروائی ہی تھی کہ ایک زیر تعمیر باڑے کے لئے لکڑیاں اٹھائے ہوئے پاول بری طرح گر پڑا۔ اس کے پھیپھڑوں سے اس قدر خون بہا کہ اس کے ساتھی مزدور یہ سمجھے کہ وہ موقع پر ہی ختم ہو جائے گا۔ اٹھا کر وہ اسے گھر لے آئے اور وہ سخت علالت کے عالم میں وہیں اپنے بستر پر پڑا رہا۔ لگتا تھا کہ کسی شیطانی پرندے کی طرح بدقسمتی نے اسکے چوبی گھر کی چھت پر ٹھکانہ بنا لیا ہے اس نے اپنے پر پھیلا دیئے ہیں اور انسانوں کو دور رہنے کا انتباہ کیا ہے۔ روسی اس قدر بد بخت تھے کہ لوگ ان سے خائف رہتے تھے اور انہیں ذہن سے دور رکھنے کو ہی بہتر سمجھتے تھے۔

ایک سہ پہر کو انطونیا اور اس کا باپ لسی لینے کے لئے ہمارے گھر آئے اور حسب معمول سورج ڈوبنے تک بیٹھے رہے۔ جب وہ واپس جانے ہی والے تھے تو روسی پیٹر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے بتایا کہ پاول کی حالت بہت خراب تھی اور وہ مسٹر شمردا اور اس کی بیٹی سے کوئی بات کرنا چاہتا تھا اور یہ کہ خود پیٹر اس سلسلے میں انہیں لینے آیا تھا۔ انطونیا اور اس کا باپ چھکڑے میں بیٹھ گئے تو میں نے دادی اماں سے ان کے ساتھ جانے کی اجازت مانگی میں خوشی سے شام کھانے کے بغیر گزارہ کرلوں گا۔ شمردا گھرانے کے باڑے میں پڑ کر سو رہوں گا اور دوسری صبح گھر کی راہ لوں گا۔ دادی اماں کو میرا یہ منصوبہ احمقانہ لگا ہوگا' لیکن دوسروں کی خواہشوں کی تکمیل میں ایک لمحہ رکنے کو کہا۔ باورچی خانے سے جب وہ واپس آئیں تو ہمارے کھانے کے لئے ان کے ہاتھوں میں سینڈوچز کا ایک تھیلا تھا۔

مسٹر شمردا اور پیٹر اگلی نشست پر براجمان تھے۔ ان کی پشت پر میں اور انطونیا بھوسے پر بیٹھے تھے اور چھکڑے کے دھچکوں کے ساتھ ساتھ اپنا لنچ کھاتے جا رہے تھے۔ سورج غروب ہونے کے بعد ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور مرغزار کو اس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ موسم میں یہ تبدیلی اگر ذرا پہلے ہو جاتی تو میں باہر نہ نکل سکتا تھا۔ میں اور انطونیا دونوں بھوسے میں گھس گئے اور ایک دوسرے کے قریب تر ہو گئے۔ کھلے اور صاف آسمان میں ستارے چمکنے لگے تھے۔ پیٹر آہیں بھرتا اور آہ و زاری کرتا جا رہا تھا۔ ٹونی نے سرگوشی میں مجھے بتایا کہ پیٹر کو یہ ڈر ہے کہ پاول اب کبھی صحت یاب نہ ہوگا۔ ہم خاموش لیٹے تھے اور کوئی بات نہ کر رہے تھے۔ اوپر آسمان میں ذرے اب زیادہ شان و شوکت کے ساتھ چمکنے لگے تھے۔ ہم دونوں کا تعلق اگرچہ دنیا کے

بہت ہی مختلف حصوں سے تھا' لیکن ہم میں یہ دھندلا سا وہم موجود تھا کہ یہ روشن ستارے انسان کے مقدر پر اثر انداز ہوا کرتے ہیں۔ روسی پیٹر غالباً ہم سب سے زیادہ دور دراز علاقے سے آیا تھا' لیکن وہ بھی اپنے وطن سے اس قسم کا کوئی نہ کوئی عقیدہ لایا تھا۔

پہاڑی کی طرف کا چھوٹا سا گھر رات کے رنگ سے اس قدر ہم آہنگ تھا کہ قریب پہنچنے پر بھی ہمیں دکھائی نہ دے سکا۔ گلابی کھڑکیوں نے ہماری رہنمائی کی۔۔۔ باورچی خانے کے چولہے کی روشنی نے' کیونکہ وہاں کوئی چراغ روشن نہ تھا۔

آہستگی سے ہم اندر گئے۔ چوڑے پلنگ پر لیٹا ہوا شخص سویا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ٹونی اور میں دیوار کے ساتھ لگے ہوئے بینچ پر بیٹھ گئے اور سامنے رکھی ہوئی میز پر اپنے بازو جھکا دیئے۔ سانس لیتے ہوئے پاول ناگوار آوازیں نکال رہا تھا اور کراہتا بھی جا رہا تھا۔ ہم انتظار کر رہے تھے۔ کھڑکیاں اور دروازے ہوا میں بے صبری کے ساتھ ہل رہے تھے۔ پھر چند لمحوں کے لئے خاموشی طاری ہو جاتی۔ اس کے بعد تیز ہوا کا شور پھر سے ہمیں آلیتا۔ اس بات نے مجھے ایسا پسپا ہوتی ہوئی شکست خوردہ فوجوں یا پناہ کے لئے سر مارتے ہوئے بھوتوں کا خیال دلایا جو ناکامی پر آہ وزاری کر رہے ہوں۔ یہ ایک بار پھر خاموشی کا لمحہ تھا کہ جب بستر پر دراز پاول نے ایک طویل شکایتی چیخ ماری۔۔ جیسے وہ کوئی برے برے خواب دیکھ رہا ہو یا کسی پرانی بدقسمتی نے اسے جگا دیا ہو۔ پیٹر نے چیخ سنی' لیکن اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ باورچی خانے کے چولہے کے پاس وہ فرش پر بیٹھا تھا۔ پاول نے کوئی چیز مانگی اور کہنی کے سہارے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

''یہ بھیڑیوں سے ڈر رہا ہے'' انطونیا نے سرگوشی کی۔'' اس علاقے میں ان کی بہتات ہے اور وہ عورتوں اور مردوں کو کھا جاتے ہیں''۔ بینچ پر ہم قریب تر ہو گئے۔

بستر پر دراز آدمی سے میں اپنی نظریں نہ ہٹا سکتا تھا۔ اس کی قمیض کھلی لٹک رہی تھی او اس کی نحیف چھاتی' پیلے بالوں سے ڈھکی ہوئی' زور زور سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ وہ کھانسنے لگا۔ پیٹر اٹھا' چائے دانی اٹھائی اور اسے کچھ گرم پانی اور وہسکی ملا کر دی۔ وہسکی کی تیز بو سارے کمرے میں پھیل گئی۔

پاول نے پیالہ چھین کر ہونٹوں کو لگا لیا۔ تب اس نے پیٹر سے بوتل حاصل کی اور اسے اپنے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ اس دوران وہ کھسیانی ہنسی بھی ہنسا' گویا اس نے کسی کو پچھاڑ دیا ہو۔ حقارت انگیز اور غیر دوستانہ نظروں کے ساتھ اس کی آنکھیں کمرے میں پیٹر کا پیچھا کر رہی

تھیں۔ مجھے لگا کہ جیسے وہ پیٹر کے اس قدر سادہ لوح اور فرمانبردار ہونے پر اسے حقیر جانتا ہو۔

پاول اب مسٹر شمراد سے باتیں کرنے لگا تھا۔ یوں سمجھے کہ سرگوشیاں کر رہا تھا۔ اس نے ایک لمبا قصہ شروع کر دیا تھا۔ اس دوران انطونیا نے میز کے نیچے میرا ہاتھ پکڑا اور اسے دبانے لگی۔ پاول کا جوش بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ اپنے بستر کے گرد اشارے کئے جا رہا تھا جیسے وہاں ایسی چیزیں ہوں جو وہ مسٹر شمرد اکو دکھانا چاہتا تھا۔

''بھیڑیوں کا قصہ سنا رہا ہے' جمی'' انطونیا نے سرگوشی کی ''جو کچھ وہ کہہ رہا ہے' وہ بہت ہی خوفناک ہے''۔

بیمار آدمی طیش میں آ کر مکا ہلانے لگا۔ وہ ان لوگوں پر لعن طعن کرتا دکھائی دیتا تھا جنہوں نے اس کو نقصان پہنچایا تھا۔ مسٹر شمرد انے اس کے کندھے سے پکڑ رکھا تھا اور بڑی مشکل سے اسے بستر پر قابو کئے ہوئے تھا۔ آخر کار کھانسی کے دورے نے اسے نڈھال کر دیا۔ تکیے کے نیچے سے ایک کپڑا نکال کر اس نے منہ کے آگے رکھ لیا۔ کپڑا جلد ہی چمکدار سرخ دبوں سے لبریز ہو گیا۔۔۔ میرا خیال ہے کہ اس قدر چمک دار خون میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب وہ دراز ہوا اور دیوار کی طرف منہ کر لیا تو اس کا سارا غصہ غائب ہو چکا تھا۔ سانس لینے کی کشمکش میں وہ کھانسی زدہ بچے کی طرح صبر کے ساتھ لیٹا رہا۔ انطونیا کے باپ نے اس کی ایک سوکھی سڑی ٹانگ سے کپڑا ہٹایا اور تواتر کے ساتھ اس کی مالش کرنے لگا۔ اپنے بینچ پر بیٹھے ہم دیکھ سکتے تھے کہ پاول محض ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا۔ اس کی ریڑھ اور شانے کی ہڈیاں ویسے ہی نمایاں ہو رہی تھیں جیسے کھیت میں پڑے ہوئے کسی مردہ بچھڑے کی کھال کے نیچے سے اس کی ہڈیاں دکھائی دیتی ہیں۔ لیٹنے کے دوران میں اس کی باہر کو نکلی ہوئی ریڑھ کی ہڈی ضرور تکلیف دیتی ہو گی۔

بتدریج ہم سب سکون محسوس کرنے لگے۔ لگتا تھا کہ بدترین لمحہ بیت گیا۔ مسٹر شمرد ا نے اشارے سے ہمیں بتایا کہ پاول سو گیا ہے۔ کچھ کہے بغیر پیٹر اٹھا اور اس نے لالٹین جلا دی وہ ہمیں گھر پہنچانے کے لئے اپنا چھکڑا لینے باہر جا رہا تھا۔ مسٹر شمرد ا بھی اس کے ساتھ چلا گیا۔ ہم نیلی چادر کے نیچے پڑی لمبی اور جھکی ہوئی پشت دیکھتے رہے۔

دھچکے کھاتے ہوئے لڑکھڑاتے چھکڑے میں ہم دونوں بھوسے پر پڑے گھر کی طرف رواں دواں تھے۔ اس دوران انطونیا نے جس حد تک ممکن تھا' یہ سارا قصہ مجھے سنا دیا جو

اس وقت نہ کہہ سکی' وہ اس نے بعد میں بتا دیا۔ بعد کے کئی دنوں تک ہم صرف اس واقعہ کا ذکر کرتے رہے۔

پاول اور پیٹر جب جوان تھے اور اپنے وطن روس میں رہتے تھے تو ایک دوست نے انہیں اپنا شہ بالا بننے کو کہا تھا۔ وہ دوست ایک اور گاؤں کی ایک دوشیزہ سے شادی کرنے والا تھا۔ کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی اور بارات بند چھکڑوں میں دلہن کے گاؤں روانہ ہوئی تھی۔ پاول اور پیٹر دولہا والے چھکڑے میں بیٹھے تھے جب کہ اس کے پیچھے چھ اور بند چھکڑے آ رہے تھے جن میں دولہا کے عزیز و اقارب اور دوست احباب بیٹھے تھے۔

گرجا کی تقریب کے خاتمے پر بارات دلہن کے والدین کی طرف سے دیئے جانے والے ڈنر کی طرف روانہ ہوئی۔ ساری سہ پہر ڈنر جاری رہا' پھر وہ شام کے کھانے میں تبدیل ہو گیا۔ اور رات گئے تک چہل پہل جاری رہی۔ رقص ہو رہا تھا اور شراب اڑائی جا رہی تھی۔ آدھی رات کو دلہن کے والدین نے اسے خدا حافظ کہا اور دعائیں دیں دلہا نے اس کا ہاتھ پکڑا' اپنے چھکڑے کی طرف لے گیا اور کمبلوں کے نیچے ڈال دیا۔ پھر وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پاول اور پیٹر (ہمارے پاول اور پیٹر!) نے اگلی نشست سنبھالی۔ چھکڑا چلا رہا تھا۔ ہنستے گاتے' جھومتے لہراتے بارات واپس ہوئی۔ دولہا کا چھکڑا سب سے آگے تھا۔ سب کے سب گاڑی بان جھوم رہے تھے دولہا اپنی دولہن میں کھویا ہوا تھا۔

سردیوں کے اس موسم میں بھیڑیے بہت خطرناک ہو رہے تھے اور سب کو اس کی خبر بھی نہ تھی۔ اس کے باوجود جب انہوں نے بھیڑیے کی پہلی آواز سنی' تو کسی نے خاص توجہ نہ دی۔ ان کے جسموں میں بہت سا اچھا کھانا اور شراب موجود تھی اور وہ اپنی دھن میں مست تھے۔ پہلی آواز کے بعد بھیڑیوں کی مزید آوازیں آنے لگیں۔ بھیڑیے مل کر آ رہے تھے۔ اس رات چاند تو نہ نکلا تھا' لیکن برف پر ستاروں کی روشنی کافی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بارات کو بھیڑیوں نے گھیر لیا۔ وہ کتوں سے بڑے دکھائی نہ دیتے تھے۔۔۔ لیکن ان کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔

سب سے پچھلے چھکڑے کے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا۔ گاڑی بان کو اس پر قابو نہ رہا۔۔۔ وہ غالباً شراب کے نشے میں زیادہ دھت تھا۔۔۔ گھوڑے سڑک سے نیچے لڑھک گئے اور چھکڑا درختوں کے کنج میں پھنس کر الٹ گیا۔ اس میں بیٹھے ہوئے لوگ برف پر جا گرے۔

MashalBooks.com

بھیڑیوں نے انہیں جا لیا۔ اس پر جو چیخ و پکار ہوئی' اس پر سب کے دل خون ہونے لگے۔ گاڑی بان اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھوڑوں پر چابک برسانے لگے۔ بہترین گھوڑے دولہا کے چھکڑے میں جتے تھے اور اس چھکڑے پر بوجھ بھی سب سے کم تھا۔ دوسرے تمام چھکڑوں پر چھ سے ایک درجن تک افراد سوار تھے۔

ایک اور گاڑی بان بے بس ہو گیا۔ گھوڑوں کی چیخیں عورتوں اور مردوں کی چیخوں سے بھی اندوہناک تھیں۔ بھیڑیوں کو روکنے والی کوئی شے دکھائی نہ دیتی تھی۔ کچھ نہ کہا جا سکتا تھا کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے۔ پیچھے رہ جانے والوں کی بس چیخیں ہی سنائی دے رہی تھیں۔

نئی نویلی دولہن نے اپنا چہرہ دولہا کے کندھے پر دے رکھا تھا اور سسکیاں بھر رہی تھی۔ ساکت کھڑا پاول اپنے گھوڑوں کو تکے جا رہا تھا۔ سڑک صاف اور سفید تھی اور دولہا کے تینوں گھوڑے ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ ضروری تھا کہ پرسکون رہ کے احتیاط کے ساتھ ان کی رہنمائی کی جائے۔

آخر کار' جب وہ ایک طویل پہاڑی کے پاس پہنچے تو احتیاط سے کھڑے ہو کر پیٹر نے پیچھے کو دیکھا۔ ''صرف تین چھکڑے باقی بچے ہیں'' اس نے سرگوشی کی۔

''اور بھڑیے؟'' پاول نے پوچھا۔

''کافی ہیں۔ ہم سب کے لئے تو کافی ہیں''۔

پاول پہاڑی چوٹی تک پہنچ گیا' تاہم دوسری طرف اترائی میں صرف دو چھکڑے اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ پہاڑی کی چوٹی پر اس لمحے انہوں نے اپنے پیچھے برف پر چکراتے ہوئے سیاہ گروپ کو دیکھا۔ دولہا فوراً چلانے لگا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے باپ کا چھکڑا الٹ گیا تھا۔ وہ یوں اچھلا جیسے چھلانگ لگانا چاہتا ہو' لیکن لڑکی نے چیختے چلاتے ہوئے اسے پکڑے رکھا۔ ویسے بھی اب دیر ہو چکی تھی۔ بھیڑیوں نے الٹنے والوں کو گھیر لیا تھا۔ تاہم دولہا کی حرکت نے پاول کو ایک خیال دے دیا تھا۔

اب ان کا گاؤں صرف چند میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ ایک چھکڑا تو ابھی تک پیچھے پیچھے آ رہا تھا' ان سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ پاول کا درمیانی گھوڑا اچھی طرح ساتھ نہ دے رہا تھا۔ ایک جمے ہوئے جوہڑ کے پاس دوسرے چھکڑے کے ساتھ بھی کچھ ہو گیا۔ پیٹر نے صاف طور پر اسے دیکھا تین بڑے بھیڑیوں نے گھوڑوں کو جا لیا اور گھوڑے خوف سے پاگل ہوئے جا

رہے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے پر چھلانگیں لگانے کی کوشش کی۔ زین میں الجھ کر انہوں نے چھکڑا الٹا دیا۔

'چیخ وہ پکار کی نئی آوازیں جب دور ہو گئیں تو پاول کو احساس ہوا کہ جانی پہچانی سڑک پر وہ اکیلا ہی رہ گیا تھا۔

''کیا وہ ابھی پیچھا کر رہے ہیں'' اس نے پیٹر سے سوال کیا۔

''ہاں''

''کتنے ہیں؟''

''بیس' تیس۔۔۔۔کافی ہیں''۔

اب اس کا درمیانی گھوڑا بالکل ہی ہانپ چکا تھا اور باقی دو گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ باگیں پاول نے پیٹر کے حوالے کیں اور احتیاط سے چھکڑے کے پچھلے حصے کی طرف چلنے لگا۔ دولہا کو پکار کر اس نے کہا کہ ان دونوں کو نیچے کود جانا چاہیے۔۔ ساتھ ہی اس نے دولہن کی طرف اشارہ بھی کیا۔ دولہا اسے ملامت کرنے لگا اور اپنی دولہن کو اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

پاول نے اسے پرے دھکیلنے کی کوشش کی۔ اس کشمکش میں دولہا اٹھ کھڑا ہوا۔ پاول نے دھکا دے کر اسے چھکڑے سے باہر پھینک دیا۔۔ اور پھر دولہن کو بھی اس کے پیچھے گرا دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے کچھ یاد نہیں کہ یہ سارا کچھ اس نے کس طرح کیا اور اس کے بعد کیا کچھ ہوا۔ آگے بیٹھے ہوئے پیٹر کو کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا کے پیچھے کیا ہوا ہے دونوں کو جس پہلی بات نے متوجہ کیا وہ خاموش فضا میں ابھرنے والی نئی چیخیں تھیں۔۔ پہلی چیخوں سے بھی زیادہ اندوہناک۔۔۔ یہ ان کے اپنے گاؤں کی خانقاہ کی گھنٹیوں کی آواز تھی' جو صبح کی عبادت کی دعوت دے رہی تھیں۔

پاول اور پیٹر اکیلے گاؤں میں داخل ہوئے اور تب سے وہ اکیلے ہی تھے۔ یہاں تک کہ پاول کی اپنی ماں بھی اسے ایک نظر دیکھنے پر تیار نہ تھی۔ گاؤں سے انہیں نکال دیا گیا۔ وہ اجنبی شہروں میں گھومتے رہے' لیکن جب ان شہروں کے اجنبی لوگوں کہ پتہ چلتا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں تو وہ ہمیشہ ان سے ان دو آدمیوں کے بارے میں ضرور پوچھتے جنہوں نے دولہن کو بھیڑیوں کے آگے پھینک دیا تھا۔ جہاں کہیں وہ جاتے' یہ کہانی ان کا پیچھا کرتی۔ یہاں تک کہ وہ پانچ سالوں تک پیسے جوڑتے رہے تا کہ اپنے وطن سے دور امریکہ چلے جائیں۔ امریکہ

MashalBooks.com

میں وہ شکاگو، ڈیس مونس اور فورٹ وین میں کام کرتے رہے تھے، لیکن بدقسمتی ہر جگہ ان کے ساتھ رہی تھی۔ جب پاول کی صحت جواب دینے لگی تو انہوں نے کاشت کاری میں مقدر آزمانے کا فیصلہ کیا۔

مسٹر شمرد اکو اپنی داستان سنانے کے چند روز بعد پاول کا انتقال ہو گیا۔ اسے ناروی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ پیٹر نے ہر شے فروخت کر دی اور اس علاقے سے چلا گیا۔۔۔ اب اس نے ریلوے کے تعمیراتی کیمپ میں باورچی کا کام کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس کیمپ میں روسیوں کے بہت سے گروہ ملازم تھے۔

پیٹ جب چیزیں فروخت کر رہا تھا تو ہم نے اس سے ایک ٹھیلہ اور گھوڑا گاڑی کے چند ساز خرید لئے۔ نیلامی کے دوران اس نے اپنا سر مسلسل جھکائے رکھا تھا اور ایک بار بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ ہر شے سے بے نیاز سا ہو گیا ہے۔ بلیک ہاک کا وہ ساہوکار بھی اس موقع پر موجود تھا۔ جس کے پاس پیٹر نے اپنے مویشی رہن رکھے ہوئے تھے اور اس نے ایک ڈالر پر پچاس سینٹ کے حساب سے ہنڈیاں خرید لیں۔ ہر کوئی یہ کہتا تھا کہ پیٹر کی گائے کا نیا مالک جب اسے لے کر جانے لگا تو پیٹر نے اپنی گائے کو چوما تھا۔ خیر، میں نے اسے چومتے دیکھا نہ تھا۔ تاہم مجھے ضرور معلوم ہے کہ جب خریدار اس کا سارا فرنیچر چولہا، برتن اور دوسرا سامان لے گئے اور جب اس کا گھر بالکل خالی پڑا تھا تو وہ چاقو لے کر فرش پر بیٹھ گیا اور وہ سارے خربوزے کھا گیا جو اس نے سردیوں کے لئے بچا رکھے ہوئے تھے۔ پیٹر کو جب ریلوے سٹیشن تک پہنچانے کے لئے جب مسٹر شمرد ااور کریجک اپنا چھکڑا لے کر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی داڑھی بھیگی ہوئی ہے اور اس کے گرد خربوزے کے چھلکوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔

دو دوستوں سے محروم ہونے پر مسٹر شمرد اپر یاس انگیز اثر پڑا۔ جب وہ شکار پر نکلتا تو ویران چوبی گھر میں جا بیٹھتا۔ یہ کٹیا سرما کی آمد تک اس کا ٹھکانہ بنی رہی۔ آخر کار برف نے اسے اپنی کوٹھری میں بند ہونے پر مجبور کر دیا۔ انطونیا اور میرے لئے بارات والا قصہ کبھی ختم نہ ہوا تھا۔ پاول کے بھید کا ہم نے کسی سے ذکر نہ کیا، بلکہ اس کی یوں حفاظت کرتے رہے جیسے عرصہ دراز پہلے یوکرائن کے بھیڑیے اس بدقسمت رات کو بارات پر اس لئے حملہ آور ہوئے تھے کہ ہمیں المناک اور انوکھی مسرت مہیا کریں۔ رات کو سونے سے پہلے، میں اکثر اپنے آپ کو برفانی گاڑی میں محسوس کرتا جسے تین گھوڑے کھینچ رہے ہوں اور وہ اس علاقے سے گزر رہی ہو

جو کسی قدر نہیر اسکا اور کسی قدر رورجینیا جیسا دکھائی دیتا تھا۔

(۹)

پہلی برف باری دسمبر کے اوائل میں ہوئی۔ میں وہ منظر فراموش نہیں کر سکا کہ اس صبح کو جب میں چولہے کے پیچھے کھڑا ہو کر کپڑے تبدیل کر رہا تھا تو ہمارے دیوان خانے کی کھڑکی سے دنیا کیسی دکھائی دے رہی تھی۔ جھکا ہوا آسمان دھات کی چادر جیسا لگ رہا تھا۔ دور غلے کے سنہری کھیت دھندلا گئے تھے اور چھوٹا سا تلاب جم کر برف بن گیا تھا۔ برف کے سفید کے بڑے گولے ہر شے پر لڑھکتے اور آخر کار سرخ گھاس میں غائب ہو جاتے تھے۔

تالاب سے پرے، غلے کے کھیتوں تک جانے والی ڈھلوان پر اگی ہوئی گھاس پر ایک بڑے سے دائرے کے نشانات ابھی تک ہلکے ہلکے سے دکھائی دیتے تھے۔ انڈینز اس جگہ سواری کیا کرتے تھے۔ جیک اور اوٹو کو یقین تھا کہ اس دائرے کے گرد سرپٹ دوڑتے ہوئے انڈلنیز مرکز میں کھونٹے سے بندھے ہوئے قیدیوں کو مارا پیٹا کرتے تھے دادا جان کا خیال البتہ یہ تھا کہ انڈینز کسی کو اذیت دینے کے بجائے یہاں صرف گھوڑوں کو دوڑاتے اور ان کی تربیت کرتے تھے۔ غروب ہوتے ہوئے سورج کے پس منظر میں جب کوئی دیکھتا تو یہ دائرہ گھاس کے سانچے کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اس صبح، جب کہ پہلی ہلکی برف باری ہوئی، یہ دائرہ تعجب انگیز وضاحت کے ساتھ نمایاں ہو گیا تھا۔ اس پرانے دائرے نے مجھے ایک نیا ولولہ دیا اور یہ آنے والا سرما کے لئے ایک اچھا شگون لگا۔

برف جونہی سخت ہوئی میں ایک بے ڈول برف گاڑی میں ادھر ادھر کی سیر کو نکل گیا۔ اوٹوفش نے بے ہنگم لکڑیاں جوڑ کر میرے لئے یہ گاڑی تیار کی تھی۔ اپنے وطن میں فش ایک بڑھئی کے پاس کام سیکھتا رہا تھا اور اوزاروں کے استعمال سے بخوبی آگاہ تھا۔ اگر میں جلدی نہ کرتا تو شاید وہ میرے لئے بہتر برف گاڑی بنا سکتا تھا۔ خیر، پہلے میں نے ڈاک خانے کا رخ کیا۔ دوسرے روز میں برف گاڑی میں سیر کروانے کے لئے یولکا اور انطونیا کو لینے چلا گیا۔

یہ ایک روشن ٹھنڈا دن تھا۔ گھاس پھونس اور چارہ میں نے ایک صندوق میں ڈالا اور پرانے کمبل میں دو گرم اینٹیں لپیٹ لیں۔ شمردالوگوں کے ہاں پہنچنے پر میں اتر کر گھر کی طرف جانے کے بجائے اپنی برف گاڑی میں بیٹھا رہا اور وہیں سے آواز دی۔ انطونیا اور یولکا

بھاگی ہوئی آئیں۔ انہوں نے خرگوش کی کھال والے وہ چھوٹے ہیٹ پہن رکھے تھے جو باپ نے ان کے لئے بنائے تھے۔ امبروش سے انہوں نے میری برف گاڑی کا ذکر سن رکھا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ میں کیوں آیا ہوں۔ وہ آ کر میرے ساتھ بیٹھ گئیں اور ہم ایک ٹوٹی پھوٹی سڑک کے ذریعے شمال کی طرف روانہ ہوئے۔

آسمان چمکیلا اور نیلگوں تھا۔ مرغزار دھوپ میں چمک رہا تھا۔ جیسا کہ انطونیا نے کہا' برف نے ساری نے ساری دنیا بدل کر رکھ دی تھی۔ ہم جانی پہچانی زمینی نشانیاں بے سود ہی ڈھونڈتے رہے۔ برف نے واقعی سب کچھ بدل دیا تھا۔ درختوں کی چوٹیاں جو سارے موسم خزاں میں سنہری دکھائی دے رہی تھیں' اب ایسی جھکی ہوئی اور مردار سی دکھائی دے رہی تھیں جیسے اب کبھی ان میں زندگی واپس نہ آئے گی۔ دیوار کے چند چھوٹے درخت جو پہلے مٹی سے اٹے ہوئے مردار سے دکھائی دیتے تھے' اب مضبوط اور سرسبز نظر آ رہے تھے۔ ہواؤں میں تازہ برف کی چبھتی ہوئی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ سردی ڈس رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اچھی بھی لگ رہی تھی۔ میرے گھوڑے کا سانس بھاپ جیسا ہو رہا تھا اور جب کبھی ہم رکتے وہ چاروں طرف دھواں ہی دھواں کر دیتا۔ چمکیلی روشنی میں غلے کے کھیتوں نے اپنا کچھ رنگ روپ واپس لے لیا تھا۔ دھوپ اور برف میں وہ پیلے پیلے سے دکھائی دے رہے تھے۔ چاروں طرف برف کی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔

لڑکیوں نے اپنے سوتی کپڑوں پر چادریں اوڑھ لیں تھیں۔ سردی سے کانپتے ہوئے وہ گرمائش کے لئے ایک دوسرے سے چپکے جا رہی تھیں۔ لیکن اپنی گندی کٹیا اور ماں کی ڈانٹ ڈپٹ سے دور آنے پر وہ اس قدر خوش تھیں کہ انہوں نے مجھ سے روسی پیٹر کے گھر تک دور جانے کی التجا کی۔ اندرون خانہ کی ذہن مخل کرنے والی گرمی کے بعد باہر کی کھلی تازہ فضا سے ان پر مستی سی چھا رہی تھی۔ وہ ہنس کھیل رہی تھیں اور شور مچا رہی تھیں۔ کہتی تھیں کہ اب کبھی وہ گھر نہ جانا چاہیں گی۔ کیا ہم لوگ روسی پیٹر کے گھر میں نہیں رہ سکتے' یوسکا نے پوچھا اور کہا میں شہر جا کر گھر بار چلانے کے لئے چیزیں خرید کر نہیں لا سکتا؟

روسی پیٹر کے گھر کی طرف جاتے ہوئے سارے راستے ہم بے حد خوش رہے۔ لیکن جب ہم نے واپس رخ کیا۔۔۔ سہ پہر کے چار تو ضرور بج چکے ہوں گے۔۔۔ تو مشرقی ہوا زیادہ تیز ہو گئی تھی اور شور مچانے لگی تھی۔ سورج اپنی حرارت پہنچانے والی قوت سے محروم ہو گیا

تھا۔ آسمان خاکستری اور تیرہ وتار ہو رہا تھا۔ میں نے اپنا لمبا اونی گلوبند نکال کر یوسکا کے گلے کے گرد لپیٹ دیا۔ سردی اسے اس قدر لگ رہی تھی کہ ہم نے اس کا سر بھینس والے غلاف میں دبا دیا۔ انطونیا اور میں تن کے بیٹھے تھے' تاہم باگیں میں نے بے ڈھنگے انداز میں تھام رکھی تھیں۔ واپسی کی راہ پر زیادہ وقت تک ہوا نے میری آنکھوں کو متاثر کئے رکھا۔ جب ہم لڑکیوں کے گھر پہنچے تو اندھیرا ہو رہا تھا۔ تاہم میں نے ان کے ساتھ اندر جانے اور گرم ہونے سے انکار کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں آگ کے پاس گیا تو میرے ہاتھوں میں شدید درد ہوگا۔ یوسکا مجھے گلوبند لوٹانا بھول گئی۔ یوں مجھے ہوا کا براہ راست سامنا کرتے ہوئے گھر کی راہ لینی پڑی۔ دوسرے روز میں بیمار ہو گیا اور لگ بھگ دو ہفتوں تک گھر میں پڑا رہا۔

سرما کے سمندر میں جیسے چھوٹی سی بند کشتی محفوظ اور گرم ہوتی ہے' ویسی ہی ان ایام میں ہمارے تہ خانے کے باورچی خانے کی حالت تھی۔ مرد سارا دن کھیتوں میں غلہ صاف کرتے تھے۔ دوپہر کو جب وہ واپس آتے تو انہوں نے اپنی لمبی ٹوپیوں کے ذریعے اپنے کان بھی لپیٹے ہوتے تھے اور ان کے پاؤں سرخ دھاری والے لمبے جوتوں میں چھپے ہوتے تھے۔ مجھے یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ قطب شمالی کی مہم جو دکھائی دیتے۔ سہ پہروں کو جب دادی اماں اوپر والی منزل پر بیٹھ کر کپڑے رفو کرتیں یا بھوسہ صاف کرنے والے دستانے بنا رہی ہوتیں تو میں اونچی آواز میں انہیں کتاب ''دی سوئس فیملی رابنسن'' پڑھ کر سناتا اور مجھے یوں محسوس ہوتا کہ مہم جوئی کی زندگی کے حوالے سے سوئس فیملی کو ہم لوگوں پر کوئی برتری حاصل نہ تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سردی انسان کی مضبوط ترین دشمن ہے۔ میں اس خوش دلانہ جذبے کی قدر کرتا تھا جس کے حوالے سے دادی اماں ہمیں گرم رکھنے' آرام و آسائش مہیا کرنے اور اچھی خوراک فراہم کرنے کی تگ و دو کرتی تھیں۔ بھوکے لوگوں کی کھیتوں سے واپسی سے متعلق انتظامات کرتے ہوئے وہ اکثر اوقات مجھے یاد دلاتی تھیں کہ یہ علاقہ ورجینیا جیسا نہیں ہے اور یہاں ان کے بقول ایک باورچی کم ہی کام آتا ہے۔ اتوار کے روز وہ ہمیں اس قدر مرغ کھانے کو دیتیں جس قدر ہم کھا سکتے تھے' جب کہ دوسرے دنوں میں سور کی پشت' ران' نمکین گوشت یا مصالحہ دار قیمہ کھانے کو ملتا تھا۔ ہر روز وہ ہمارے لئے کباب یا کیک بھی تیار کرتی تھیں۔ البتہ کبھی کبھار' معمول میں تبدیلی کی خاطر' وہ میری پسندیدہ پڈنگ بھی تیار کرتی تھیں۔

گرمائش حاصل کرنے کے بعد کھانے پینے کے امور ہی سب سے زیادہ دلچسپ

معاملات تھے جن کے بارے میں ہم سوچ سکتے تھے' ہماری زندگیاں گرمائش' خوراک اور رات کو مردوں کی واپسی کے گرد گھومتی تھیں۔ مجھے عموماً تعجب ہوتا کہ راتوں کو جب یہ لوگ تھکے ہارے کھیتوں سے واپس آتے ہیں' ان کے پاؤں ٹھٹھرے ہوتے ہیں اور ہاتھوں میں سوجن ہوتی ہے تو پھر یہ سارے کام اس قدر احساس ذمہ داری کے ساتھ کیونکر کر لیتے ہیں۔۔۔۔ وہ گھوڑوں کو پانی اور چارہ دیتے ہیں دودھ دوہتے ہیں اور سوروں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ شام کے کھانے کے بعد انہیں اپنے جسم سے سردی کا اثر ختم کرنے کے لئے خاصا وقت درکار ہوتا تھا۔ دادی اماں اور میں جب برتن صاف کر رہے ہوتے تھے اور دادا جان اوپر والی منزل میں اپنا اخبار پڑھنے میں مصروف ہوتے تو جیک اور اوٹو چولہے کے پیچھے لمبی بنچ پر بیٹھ کر اپنے جسم کو حرارت پہنچانے میں لگے رہتے تھے۔

ہر ہفتے کی رات کو ہم پوپ کارن تیار کرتے یا ٹافی بناتے اور اوٹو فش گیت ''چونکہ میں کاؤ بوائے ہوں اور جانتا ہوں کہ میں نے گناہ کیا ہے'' یا ''مجھے تنہائی زدہ مرغزار میں دفن نہ کرنا'' گایا کرتا تھا۔ اس نے اچھی آواز پائی تھی اور جب کبھی ہم مقامی سکول کے گرجے میں عبادت کے لے جایا کرتے تو گانے کی رہنمائی ہمیشہ وہ کرتا تھا۔

اب بھی میں ان دو آدمیوں کو بنچ پر بیٹھا ہوا محسوس کر سکتا ہوں۔ سفیدی شدہ دیوار کے پس منظر میں ان کندھوں کے خم دیکھ سکتا ہوں۔ کیا اچھے لوگ تھے وہ' کس قدر وہ جانتے تھے اور کتنی چیزوں میں انہیں ایمان تھا۔

فش کاؤ بوائے رہ چکا تھا۔ اس نے ڈاک گاڑی کے ڈرائیور' شراب خانے کے ملازم اور کانکن کا کام بھی کیا تھا۔ وہ سارے عظیم مغربی علاقے کی آوارہ گردی کر چکا تھا اور ہر جگہ اسے جان مارنے والا کام کرنا پڑا تھا۔ دادی جان ویسے کہا کرتی تھیں کہ اسے مشقت کا کوئی صلہ نہیں ملا۔ اوٹو کے مقابلے میں جیک کند تھا۔ مشکل ہی سے پڑھ سکتا تھا۔ آسانی سے اپنا نام بھی نہ لکھ سکتا تھا اور تند مزاج تھا جو کبھی کبھی اسے جنونی بنا دیتا تھا۔۔۔۔ وہ بکھر جاتا اور حقیقتاً بیمار پڑ جاتا۔ لیکن وہ نرم دل بھی اس قدر تھا کہ ہر کوئی اس کے سر پر سوار ہو سکتا تھا۔ اگر وہ جیسا کہ وہ خود کہتا تھا اپنے تئیں فراموش کر دیتا اور دادی اماں کے روبرو قسم کھاتا' تو سارا دن یاس اور شرمندگی کے عالم میں ٹھوکریں کھاتا۔ وہ دونوں۔۔۔۔ جیک اور اوٹو۔۔۔۔ سردیوں میں سردی اور گرمیوں میں گرمی کے بارے میں خوش مزاج اور زندہ دل تھے۔ ہر وقت ناگہانی

صورتحال سے نمٹنے اور وقت بہ وقت کام کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ اپنے آپ کو چین نہ دینا ان کے نزدیک بڑے فخر کی بات تھی۔ پھر بھی وہ اس قسم کے لوگوں میں سے تھے جو کبھی آگے نہیں بڑھتے اور ایک دوڈالر کے لئے خون پسینہ ایک کرتے تھے۔

ستاروں کی روشنی والی ان تلخ راتوں میں جب ہم اس پرانے چولہے کے گرد بیٹھتے تھے' جو ہمارے لئے کھانا پکانے' ہمیں حرارت پہنچانے اور ہمیں خوش باش رکھنے کا کام دیتا تھا' تو دور سے مرغزاری بھیڑیوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آتی تھیں۔ ان کی بھوکی اور سردی زدہ چیخیں لڑکوں بالوں کو جانوروں کی حیرت انگیز کہانیوں کی یاد دلایا کرتی تھیں۔۔۔۔ راکیز کے علاقے سے خاکستری بھیڑیوں اور ریچھوں' ورجینیا کے پہاڑوں کی جنگلی بلیوں اور چیتوں کی کہانیاں۔ کبھی کبھی ہم فش کو ان مجرموں اور عجیب وغریب کرداروں کے بارے میں زبان کھولنے پر آمادہ کر لیتے تھے جن کو وہ جانتا تھا۔ اپنے بارے میں بھی اس نے ایک احمقانہ سی کہانی سنائی تھی جو مجھے اب بھی یاد ہے۔ اس وقت دادی اماں روٹی پکا رہی تھیں۔ کہانی سن کر وہ اس قدر ہنسیں کہ انہیں اپنی آنکھیں ننگے بازوؤں سے صاف کرنا پڑیں۔۔۔۔ ان کے ہاتھ آٹے سے اٹے ہوئے تھے۔ کہانی کچھ یوں تھی:

امریکہ کے لئے اوٹوب اپنے وطن آسٹریا سے روانہ ہونے لگا تو اس کے ایک رشتہ دار نے اسے ایک عورت کا خیال رکھنے کو کہا جو اسی جہاز پر اپنے خاوند کے پاس شکاگو جا رہی تھی۔ سفر جب شروع ہوا تو اس عورت کے ساتھ دو بچے تھے۔ تاہم صاف دکھائی دے رہا تھا کہ سفر کے دوران ہی اس کے بچوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ فش کا کہنا تھا کہ بچوں کے ساتھ اس کی دوستی ہوگئی۔ ان کی ماں بھی اسے اچھی لگتی تھی' حالانکہ اس نے فش کے ساتھ ایک افسوسناک چکر چلایا تھا۔ جب یہ سب لوگ سمندر کے عین بیچ میں تھے تو اس عورت نے ایک کے بجائے اکٹھے تین بچوں کو جنم دیا۔ چونکہ عورت کے ساتھ سفر کر رہا تھا' اس لئے کسی مناسب جواز کے بغیر ہی لوگوں کی اس پر انگشت نمائی کا موقع مل گیا۔ جہاز کی انتظامیہ اس سے برہم رہنے لگی اور ڈاکٹر اسے شک وشبے کی نظروں سے دیکھتا۔ فرسٹ کیبن کے مسافر' جنہوں نے عورت کے لئے چندہ دیا تھا' اوٹو میں پریشان کن دلچسپی لینے لگے جب ان تینوں جڑواں بچوں کو نیویارک کے ساحل پر اتارا گیا تو اوٹو کے بقول اس نے ''ان میں سے بعض'' کو اٹھا رکھا تھا۔ نیویارک سے شکاگو تک کا راستہ سمندری سفر سے بھی زیادہ برا ثابت ہوا۔ ٹرین پر بچوں کے لئے دودھ حاصل

کرنا اور ان بوتلوں کو صاف رکھنا بے حد مشکل تھا۔ ماں کوشش تو بہت کرتی تھی، لیکن کوئی عورت بھی اپنے فطری وسیلے سے تین بچوں کو دودھ نہیں پلا سکتی۔ شکاگو میں اس کا شوہر قلیل اجرت پر ایک فرنیچر فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ سٹیشن پر جب اس نے اپنے خاندان کو دیکھا تو تعداد دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ کسی نہ کسی طور وہ بھی اوٹو کو ہی مورد الزام ٹھہراتا محسوس ہوتا تھا۔ ''مجھے خوشی اس بات کی تھی'' اوٹو نے بات ختم کرتے ہوئے کہا'' کہ اس نے بیچاری عورت کو برا بھلا نہ کہا۔ بس مجھے ہی میلی آنکھ سے دیکھا! اچھا تو مسز برڈن آپ نے کبھی کسی کو اتنی بدقسمتی میں مبتلا دیکھا ہے؟''

دادی اماں نے اسے بتایا کہ انہیں یقین تھا کہ خدا نے اسے ان باتوں کا اجر دیا ہوگا اور اسے کئی مصائب سے نکالا ہوگا جب کہ اسے خود بھی معلوم نہ ہوگا کہ خدا اس کی حفاظت کر رہا تھا۔

(10)

برف گاڑی والے سفر کے بعد کئی ہفتوں تک ہمیں شمرداگھرانے کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوا۔ خراب گلے کیوجہ سے میں گھر میں پڑا رہا۔ دادی اماں کو بھی زکام تھا جس نے گھر کے کام کاج کو ان کے لئے زیادہ مشکل بنا دیا تھا۔ اتوار کا دن آیا تو انہیں آرام کا روز ملنے پر خوشی ہوئی۔ ایک رات کھانے کے موقع پر فش نے بتایا کہ اس نے مسٹر چمرداکو شکار کرتے دیکھا تھا۔

''اپنے لئے اس نے خرگوش کی کھال کی ایک ٹوپی بنائی ہے اور ایک کالر بھی جس کو وہ اپنے کوٹ کے اوپر بٹنوں سے لگا لیتا ہے۔ ان لوگوں کے پاس ایک ہی اوورکوٹ ہے جسے وہ سب باری باری پہنتے ہیں۔ سردی سے وہ بے پناہ خوف کھاتے ہیں اور بجوؤں کی طرح اپنی کھوہ میں بند پڑے رہتے ہیں۔''

''ہاں سبھی پہنتے ہیں سوائے اس پاگل لڑکے کے'' جیک نے لقمہ دیا۔'' وہ کبھی وہ کوٹ نہیں پہنتا۔ کریجک کا کہنا ہے کہ وہ بے حد توانا ہے اور ہر شے برداشت کر سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس بستی میں خرگوش اب سہمے ہوئے ہی رہتے ہوں گے۔ کل میں جس کھیت پر کام کر رہا تھا' وہاں سے امبروش گزرا اور اس نے مجھے تین مرغزاری خرگوش دکھائے جو اس نے شکار کئے تھے۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ آیا یہ کھانے میں اچھے ہوتے ہیں۔ میں تھوکا' منہ چڑایا اور اسے ڈرانے کو کوشش بھی کی' لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا جیسے مجھ سے بڑا سورما ہو۔ پھر اس

نے خرگوش واپس تھیلے میں ڈالے اور اپنی راہ پر ہولیا۔''

حیران ہو کر دادی اماں' دادا جان سے کہنے لگیں۔''تمہارا کیا خیال ہے کہ کریجک ان غریبوں کو مرغزاری کتے کھانے دے گا؟''

وہ سنجیدگی سے بولے''بہتر تو یہ ہے کہ تم کل جاؤ اور ہمارے ان ہمسایوں کی صورت حال خود دیکھو۔''

فش خوش دلی سے کہنے لگا کہ مرغزاری کتے صاف ستھرے جانور ہیں اور انہیں کھانے کے لئے اچھا بھی ہونا چاہئے۔البتہ ان کی نسلی روابط ان کے خلاف ہوتے ہیں۔میں نے پوچھا کہ اس کا مطلب کیا ہے تب وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا کہ ان کتوں کا تعلق چوہوں کے خاندان سے ہے۔

صبح کو جب میں نیچے گیا تو باورچی خانے میں دادی اماں اور جیک کو بید کا ایک ٹوکرا تیار کرتے دیکھا۔

''اچھا تو جیک'' دادی اماں کہہ رہی تھیں''وہ پالتو مرغ اگر تمہیں دوبارہ نظر آئے جس نے اپنی کلغی جمالی تھی' تو اس کی گردن مروڑ دینا اور پھر ہم اسے بھی ساتھ لے جائیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ گزشتہ خزاں میں مسز شمر دانے ہمسایوں سے مرغیاں حاصل کیوں نہ کی تھیں۔اب ان کے پاس مرغی خانہ بن چکا ہوتا۔میرا خیال ہے کہ وہ بھول بھلیوں میں پڑی رہی اور اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ شروع کہاں سے کرنا چاہئے۔میں خود بھی عجیب وغریب علاقے میں آئی تھی' لیکن یہ بات کبھی میں نے فراموش نہ کی تھی کہ چاہے اور کچھ پاس ہو نہ ہو' لیکن مرغیوں کو رکھنا اچھا ہوتا ہے۔

''جیسا آپ کہیں مادام'' جیک کہنے لگا''لیکن مجھے تو اس خیال سے بھی نفرت ہے کہ کریجک اس بوڑھے پالتو مرغے کی ٹانگ کھائے۔'' باہر نکل کر اس نے پیچھے سے بھاری دروازہ بند کر دیا۔

ناشتے کے بعد تیار ہو کر دادی اماں' جیک اور میں چھکڑے کی اگلی ٹھٹھری ہوئی نشست پر بیٹھ گئے۔مردوں کے گھر کے قریب پہنچے پر ہم نے پمپ کی کہر آلودہ دھیمی آواز سنی اور انطونیا کو دیکھا کہ اس کے سر اوپر کو ہے اور اس کے سوتی کپڑے پھڑ پھڑا رہے ہیں اور وہ اپنا سارا وزن اوپر نیچے کو جاتے ہوئے پمپ کے ہینڈل پر ڈالے ہوئے ہے۔اس نے چھکڑے کی

آواز سنی' کندھوں کے اوپر سے پیچھے کی طرف دیکھا اور پانی کی بالٹی اٹھا کر اندر کی طرف بھاگی۔

جیک نے دادی کے نیچے اترنے میں مدد دی اور کہنے لگا کہ گھوڑوں پر کمبل ڈالنے کے بعد وہ چیزیں اندر لے آئے گا۔ برفیلے راستے پر آہستہ سے گزرتے ہوئے ہم دروازے کی طرف بڑھے۔ چولہے کے پائپ سے دھوئیں کے نیلے مرغولے نکل رہے تھے' لیکن ہوا کے جھونکے انہیں اڑا لئے جا رہے تھے۔

دستک دینے سے پہلے ہی مسز شمردا نے دروازہ کھول دیا اور دادی اماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ معمول کے برخلاف اس نے حال چال نہ پوچھا' بلکہ فوراً ہی چلانے لگی' وہ تیزی سے اپنی زبان میں کچھ بول رہی تھی اور ساتھ اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کئے جا رہی تھی جو چھتروں میں بندھے ہوئے تھے اور مشتبہ نظروں سے سب کو دیکھے جا رہی تھی۔

بوڑھا آدمی چولہے کے پیچھے ایک ٹنڈ پر بیٹھا تھا۔ جھکا یوں ہوا تھا جیسے خود کو ہم سے چھپانا چاہتا ہو۔ یوسکا فرش پر کھڑی تھی اور اس کی بلی کا بچہ اس کے گود میں تھا۔ میری طرف جھانک کر وہ مسکرائی لیکن ماں کو دیکھ کر پھر سے ساکت ہوگئی۔ انطونیا ایک اندھیرے گوشے میں برتن مانجھ رہی تھی۔ وہ من موجی لڑکا واحد کھڑکی کے نیچے لیٹا تھا۔ جونہی ہم داخل ہوئے اس نے دروازے کے نیچے والے شگاف میں غلے والا تھیلا پھینکا۔ اس کٹیا میں ہوا سانس روکنے والی تھی اور اندھیرا ابھی بہت تھا۔ چولہے کے اوپر لٹکی ہوئی ایک لالٹین جل رہی تھی جو ہلکی سی زرد روشنی پھیلا رہی تھی۔

مسز شمردا نے دروازے کے پیچھے رکھے ہوئے دو پیپوں کے غلاف کھینچ کر ہٹائے اور ہمیں دکھانے لگیں۔ ان میں سے ایک پیپے میں چند آلو تھے جو جم چکے تھے اور باسی ہو رہے تھے۔ دوسرے میں تھوڑا سا آٹا تھا۔ فکرمندی سے دادی اماں کچھ بڑبڑائیں لیکن بوہیمین عورت طنزیہ انداز میں ہنسنے لگی۔ یہ ایک دردناک ہنسی تھی۔ پھر اس نے الماری سے کافی کا خالی برتن نکالا اور ہمیں ہلا کر دکھایا۔ اس کا انداز انتقامی تھا۔

دادی اماں اپنے نرم رو ورجینیائی انداز میں بولتی چلی گئیں۔ وہ نہ تو ان کی اشد ضرورت کا اقرار کر رہی تھیں اور نہ ہی مسز شمردا کے بے احتیاطی کا ذکر۔ یہاں تک کہ جیک بید کا ٹوکرا لئے اندر آ گیا۔۔۔ گویا کہ وہ مسز شمردا کے گلے شکوؤں کا براہ راست جواب ہو۔ یہ

دیکھتے ہی وہ بے چاری عورت حواس باختہ ہوگئی اور اس من موجی لڑکے کے پاس بیٹھ کر اس نے اپنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا اور دکھ سے رونے لگی۔ دادی اماں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ البتہ انہوں نے انطونیا کو بلایا اور ٹوکرا خالی کرنے میں مدد کرنے کو کہا۔ جھجکتے ہوئے ٹونی اپنے گوشے سے باہر نکلی۔ کبھی میں نے اسے اس قدر یاس زدہ نہ دیکھا تھا۔

''مسز برڈن' میری غریب ماں کی باتوں کا برا نہ منانا۔ وہ بہت دکھی ہے۔'' انطونیا نے اپنے سکرٹ سے گیلے ہاتھ صاف کرتے ہوئے سرگوشی کی۔ پھر وہ دادی اماں کے ہاتھوں سے چیزیں پکڑنے لگی۔

خوراک دیکھ کر من موجی لڑکا ہولے ہولے غرغر کی آوازیں نکالنے اور ساتھ ہی ساتھ پیٹ پر ہاتھ مارنے لگا۔ جیک دوبارہ اندر آیا۔ اب وہ آلوؤں کی بوری لے کر آیا تھا۔ پریشانی کے عالم میں دادی اماں ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

''انطونیا کیا باہر تمہارے پاس اناج رکھنے کی کوئی جگہ نہیں؟ سبزیوں کو یہاں تو نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ تمہارے آلو کیسے جم گئے تھے؟''

''ہم ڈاک خانے والے مسٹر شے سے لیتے ہیں۔۔۔۔ یعنی جن کو وہ باہر پھینک دیتا ہے۔ ہمارے پاس آلو بالکل نہیں تھے' مسز برڈن'' ٹونی نے دکھ بھرے لہجے میں اعتراف کیا۔

جیک جب باہر گیا تو ماریک نے رینگتے ہوئے دروازے کا شگاف پھر سے بند کر دیا۔ پھر' کسی سائے کی مانند' مسز شمرداچولہے کے پیچھے سے خاموشی کے ساتھ نکل آیا۔

وہ اپنے ہموار سفید بالوں پر یوں ہاتھ پھیرے جا رہا تھا جیسے سر کو کہر سے صاف کر رہا ہو۔ ہمیشہ کی طرح وہ صاف ستھرا تھا اور اس نے سبز گلوبند لپیٹ رکھا تھا۔ دادی اماں کا بازو پکڑ کر چولہے کے پیچھے سے ہوتے ہوئے' وہ انہیں کمرے کے پچھلے حصے میں لے گیا۔ پچھلی دیوار میں ایک اور چھوٹی سی غار سی بنی ہوئی تھی جو تیل کے پیپے سے بڑی نہ تھی۔ ایک سٹول پر کھڑے ہو کر جب میں نے اس کے اندر جھانکا تو چند لحاف اور بھوسے کا ایک گٹھا دکھائی دیا۔ بوڑھے آدمی نے لالٹین پکڑ رکھی تھی۔ ''یوسکا'' اس نے ہولے سے یاس زدہ آواز میں کہا۔

''یوسکا' میری انطونیا!''

دادی اماں پیچھے ہٹ گئیں۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ تمہاری بیٹیاں یہاں سوتی ہیں؟'' اس نے سر جھکا دیا۔

MashalBooks.com

ٹونی اس کے بازو کے نیچے کھسک آئی تھی۔ ''فرش پر تو بہت ٹھنڈ ہوتی ہے اور یہ جگہ بجو کی کھوہ کی طرح گرم ہے۔ مجھے یہاں سونا اچھا لگتا ہے۔'' اس نے شوق سے اصرار کیا۔ ''میرے والد کا بستر بہت اچھا ہے اور اس کے تکیے بوہیمیا میں ہماری اپنی قازیں کے ہیں۔ دیکھو گے جم؟'' اس نے دیوار کے ساتھ لگے ہوئے سونے کے تنگ سے تختے کی طرف اشارہ کیا جو نمردوں کی آمد سے پہلے کریجک نے اپنے لئے بنایا تھا۔

دادی اماں نے آہ بھری۔ ''یقیناً'' پیارے تم کہاں سوتے ہو! مجھے شک نہیں کہ وہاں تم گرم رہتے ہو۔ جلد ہی تمہیں بہتر گھر مل جائے گا انطونیا' اور پھر تم مصیبت کے اس زمانے کو بھول جاؤ گی۔''

ایک کرسی پڑی تھی' مسٹر شمرد انے دادی اماں کو اس پر بٹھا دیا اور اپنی بیوی کی ان کے پاس سٹول پر بیٹھنے کا اشارہ دیا۔ اب وہ خود انطونیا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ان کے سامنے کھڑا آہستہ لہجے میں بول رہا تھا۔ انطونیا اس کی باتوں کا ترجمہ کرتی جا رہی تھی۔ وہ ہمیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اپنے وطن میں اس کا خاندان بھیک منگا نہ تھا۔ اس کی خاصی آمدنی تھی اور وطن میں اس کے خاندان کا احترام کیا جاتا تھا۔ جب وہ بوہیمیا سے نکلا تو سفر خرچ کی ادائیگی کے بعد بھی اس کی جیب میں ایک ہزار ڈالر تھے۔ نیویارک کے ایکسچینج میں اس نے رقم کھودی اور نبیراسکا تک کا ریل کا کرایہ بھی ان کی توقعات سے زیادہ تھا۔ جب ان لوگوں نے کریجک کو اراضی کی قیمت ادا کی اور اس کے گھوڑے' بیل اور چند پرانی زرعی آلات خریدے' تو ان کے پاس بہت کم پیسے بچے تھے۔ تاہم وہ دادی اماں کو یہ جتلانا چاہتا تھا کہ اب بھی اس کے پاس کچھ پیسے ہیں۔ اگر وہ بہار کی آمد تک گزارہ کر سکے' تو پھر وہ ایک گائے اور مرغیاں خریدیں گے' ایک باغ اگائیں گے اور یوں اچھی طرح گزر بسر کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ امبروش اور انطونیا دونوں اس قدر بڑے ہو چکے تھے کہ کھیتوں میں بخوبی کام کر سکتے تھے اور وہ یہ کام کرنے پر تیار بھی تھے۔ لیکن برف اور شدید موسم نے ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔

انطونیا نے وضاحت کی کہ اس کا باپ بال بچوں کے لئے بہار میں ایک نیا مکان بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے اور امبروش نے اس سلسلے میں لکڑیاں کاٹنی شروع کر دی تھیں اب یہ لکڑیاں اس کھاڑی کے کنارے برف میں دبی ہوئی تھیں جہاں سے ان کو کاٹا گیا تھا۔

دادی اماں نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور کئی مشورے دیئے۔ اس دوران میں فرش

پریوسکا کے ساتھ بیٹھ گیا جو اپنا بلی کا بچہ دکھا رہی تھی۔ ماریک خاموشی سے ہمارے پاس کھسک آیا اور اپنی جھلی دار انگلیاں دکھانے لگا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھے اپنی عجیب وغریب آوازیں سنانا چاہتا تھا۔۔۔۔ کتے کی طرح بھونک کر یا گھوڑے کی طرح ہنہنا کر۔۔۔ تاہم اپنے بزرگوں کی موجودگی میں اسے اس بات کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔ ماریک بے چارہ ہمیشہ اچھا بننے کی کوشش کرتا تھا۔۔۔۔ گویا اس کے دل میں یہ ہو کہ وہ کسی طور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرے۔

ہماری ملاقات ختم ہونے سے پہلے مسز شمرد ازیادہ پرسکون اور ہوش مند ہوگئی۔ اس نے دو چار باتیں بھی کیں جن کا ترجمہ انطونیا نے کیا۔ وہ کانوں کی بہت تیز تھی اور جب کبھی انگریزی بولتے سنتی تو کئی باتیں سمجھ جاتی تھی۔ روانگی کے لئے جب ہم اٹھے تو اس نے اپنا چوبی صندوق کھولا اور دھاری دار موٹے کپڑے کا ایک تھیلا باہر نکالا جو آٹے کے تھیلے جتنا لمبا لیکن عرض میں اس کے نصف کے لگ بھگ تھا۔ تھیلا کسی شے سے بھرا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی من موجی لڑکا ہونٹ چاٹنے لگا۔ مسز شمرد انے جب تھیلا کھولا تو اس سے نمکین ارضی قسم کی شدید مسالے دار بو آئی۔ اس نے چائے کے ایک کپ کے برابر وہ چیز نکال کر کپڑے میں لپیٹ کر تکلف کے ساتھ دادی اماں کو پیش کی۔

''پکانے کے لئے'' اس نے اطلاع دی۔ ''تھوڑی سی اب' لیکن پکانے کے بعد زیادہ ہو جاتی ہے''۔ مسز شمرد انے یوں ہاتھ پھیلا رکھا تھا جیسے یہ ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ اس کی ایک چٹکی بھی کس قدر اثر آفرین ہے۔ ''بہت خوب یہاں تمہارے ملک میں نہیں ہوتی۔ میرے وطن میں کھانے کی چیزیں بہت اچھی ہوتی ہیں۔''

''ہو سکتا ہے مسز شمردا'' دادی اماں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں کہہ نہیں سکتی' لیکن میں اپنے کھانوں کو تمہارے کھانوں پر ترجیح دیتی ہوں۔''

انطونیا نے وضاحت کرنا چاہی۔ ''مسز برڈن۔ یہ بہت اچھی چیز ہے''۔۔۔۔ اس نے یوں ہاتھ گھمائے جیسے بتا نہ سکتی ہو کہ کس قدر اچھی ہے۔ ''جب اسے پکایا جائے تو بہت زیادہ ہو جاتی ہے' جیسے کہ میری ماں کہہ رہی تھی۔ چاہے تو خرگوش کے ساتھ پکالو اور چاہو تو مرغ کے ساتھ' شوربے میں۔۔۔۔ واہ' کیا ہی اچھی ہے!''

واپسی کے سارے راستے دادی اماں اور جیک اس بارے میں گفتگو کرتے رہے کہ اچھے عیسائی لوگ کس قدر آسانی سے یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں کے رکھوالے ہیں۔

MashalBooks.com

''جیک' میں تو یہ کہوں گی کہ ہمارے بعض بھائیوں اور بہنوں کی دیکھ بھال مشکل ہی ہے۔شروع کہاں سے کی جائے۔۔۔۔ان لوگوں سے؟ وہ تو ہر شے سے محروم ہیں۔کوئی بھی انہیں سب کچھ نہیں دے سکتا۔جمی بھی باڑے کی دیکھ بھال کے اس قدر قابل ہے جس طرح کے وہ لوگ ہیں۔تمہارا کیا خیال ہے وہ لڑکا امبروش اپنے میں کوئی عزم رکھتا ہے؟''

''ٹھیک ہے مادام' وہ کارکن ہے۔لیکن اس دنیا میں گزارہ کرنے لے لئے لوگ کمینگی پر اتر سکتے ہیں اور بہت کمینے بھی ہو سکتے ہیں۔''

اس رات' جب کہ دادی اماں کھانا کھا رہی تھیں' ہم نے مسز شمردا کا دیا ہوا لفافہ کھولا۔وہ قاشوں سے بھرا ہوا تھا جیسے کسی جڑ سے قاشوں کو تراشا گیا ہو۔وہ پروں کی مانند ہلکی تھیں اور ان کے بارے میں سب سے زیادہ قابل ذکر بات ان کی تیز بو تھی۔ہم اندازہ نہ کر سکے کہ قاشیں گوشت وغیرہ کی ہیں یا کسی سبزی کی۔

''جم' یہ کسی عجیب سے جانور کے خشک گوشت کا قاشیں ہو سکتی ہیں۔یہ خشک مچھلی کی تو خیر نہیں ہیں۔وہ کسی بیل یا ڈنٹھل کی بھی نہیں ہیں۔مجھے تو ان سے خوف آ رہا ہے۔ویسے بھی میں کوئی ایسی چیز نہ کھانا چاہوں گی جو کئی مہینوں سے پرانے کپڑوں میں لپٹی پڑی رہی ہو۔''

دادی اماں نے لفافہ چولہے میں پھینک دیا۔لیکن میرے ہاتھ میں جو ایک قاش تھی' میں نے اسے کنارے سے کتر کو یونہی چبانا شروع کیا۔اس کے عجیب ذائقے کو میں کبھی بھلا نہیں سکا۔یہ اور بات ہے کہ یہ واقعہ میرے جاننے سے کئی برس بعد مجھے معلوم ہوا کہ مسز شمردا دور دراز اپنے وطن سے جو شے لے کر آئی تھی اور جس کے بارے میں وہ بڑی محتاط بھی تھی' اصل میں خشک کھمیاں تھیں۔انہیں غالباً کسی گہرے بوہیمین جنگل سے اکٹھا کیا گیا تھا۔

(11)

کرسمس سے پہلے ایک ہفتے کو دوران جیک ہمارے گھر کا اہم ترین فرد بن گیا تھا۔بات یہ تھی کہ وہ شہر جا کر ہمارے لئے کرسمس کے سلسلے کی تمام چیزیں خریدنے والا تھا۔لیکن ہوا یہ کہ اکیس دسمبر سے برف باری شروع ہو گئی۔برف کے گولے اس قدر بھرپور انداز میں گر رہے تھے اپنی نشست گاہ کی کھڑکیوں سے میں پون چکی سے آگے مشکل ہی سے دیکھ سکتا تھا۔پون چکی کا ڈھانچہ بھی دھندلا اور خاکستری نظر آ رہا تھا۔۔۔۔جیسے کوئی سایہ ہو۔سارا دن اور

ساری رات برف پڑتی رہی۔ سردی زیادہ نہ تھی' البتہ طوفان بے آواز اور نا قابل مدافعت تھا۔ لوگ باڑوں اور اناج کے ذخیرے سے آگے نہ جا سکتے تھے۔ دن کا بیشتر حصہ وہ گھر میں بیٹھے یوں بوٹ چمکاتے رہے یا تسموں اور چابکوں کی مرمت کرتے رہے جیسے کہ اتوار کا روزہ ہو۔

بائیس دسمبر کی صبح کو دادا جان نے اعلان کر دیا کہ کرسمس کی خریداری کے لئے بلیک ہاک جانا محال ہوگا۔ جیک کو یقین تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں جا سکتا تھا اور کاٹھی کے تھیلوں میں ہمارے چیزیں لا سکتا تھا۔ تاہم دادا جان نے اسے بتایا کہ راستے بند ہو چکے ہوں گے اور اس علاقے میں نیا آنے والا راہ بھول جائے گا۔ یہ بھی تھا کہ دادا جان اپنے کسی گھوڑے کو اس قسم کی مصیبت میں نہ ڈالنا چاہتے تھے۔

خیر' فیصلہ ہم نے یہ کیا کہ شہر سے کوئی شے حاصل کئے بغیر دیہی انداز میں کرسمس منایا جائے۔ یوسکا اور انطونیا کے لئے میں چند تصویری کتابیں حاصل کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔ اب تو یوسکا بھی تھوڑا بہت پڑھنے کے قابل ہو گئی تھی۔ دادی اماں مجھے آئس کولڈ سٹور روم میں لے گئیں جس میں انہوں نے سوت کے رنگین کپڑے کے چند تھان اور چادریں رکھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سوتی کپڑے کے چند ٹکڑے کاٹے اور ہم نے انہیں بیاض کی صورت میں سی دیا اور پیسٹ بورڈز کے درمیان اس کی جلد بندی کر دی۔ ان بورڈز پر کسی سرکس کے مناظر چھپے ہوئے تھے دو روز تک میں کھانے والے کمرے کی میز پر بیٹھ کر یوسکا کے لئے اس کتاب میں تصویریں چسپاں کرتا رہا۔ ہمارے پاس وہ پرانے فیملی رسالوں کی جلدیں موجود تھیں جو مقبول عام تصاویر کی رنگین لتھو گرافس شائع کیا کرتے تھے۔ مجھے ان سے بعض کو استعمال کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ سرورق کے لئے میں نے وہ تصویر لے لی جس میں نپولین کو جوزفین کو طلاق دینے کا اعلان کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ کورے صفحات پر میں نے وہ سنڈے سکول کارڈز اور اشتہاری کارڈ چسپاں کر دیئے جو میں نے اپنے ''پرانے وطن'' سے خریدے تھے۔ فش نے موم بتی بنانے کے پرانے سانچے نکالے اور چربی والی موم بتیاں بنائیں۔ دادی اماں باروچی خانے میں مصروف ہو گئیں اور انہوں نے مزیدار کھانے بنائے جن کو ہم نے جلی ہوئی چینی اور دارچینی کے قطروں سے سجا دیا۔

کرسمس سے ایک روز پہلے جیک نے وہ تمام چیزیں پیک کیں جو ہم شمر دا گھرانے کو بھیجنے والے تھے اور پھر دادا جان کے خاکستری خصی گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ دروازے

پر جب وہ گھوڑے پر سوار ہوا تھا تو میں نے اس کی پیٹی کے ساتھ ایک کلہاڑی لٹکتی ہوئی دیکھی۔ معنی خیز نظروں سے اس نے دادی اماں کو دیکھا تھا جس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ مجھے کوئی سرپرائس دینے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ اس سہ پہر کو میں نشست گاہ کی کھڑکی سے کافی دیر تک شوق کے ساتھ باہر کا منظر دیکھتا رہا۔ آخر کار میں نے نصف دبے ہوئے غلے کے کھیت کے ساتھ والی مغربی پہاڑی پر ایک سیاہ سائے کو حرکت کرتے دیکھا۔ میں نے ٹوپی پہنی اور جیک سے ملنے کی خاطر باہر کو بھاگا۔ جب میں جوہڑ کے پاس پہنچا تو دکھائی یہ دینے لگا کہ جیک اپنے گھوڑے کی زین کے کمان والے اونچے حصے پر دیودار کا ایک چھوٹا سا درخت لئے چلا آ رہا ہے۔ ورجینیا میں وہ میرے لئے میرے باپ کے ساتھ مل کر کرسمس درخت کاٹا کرتا تھا اور بھولا نہ تھا کہ مجھے درخت کس قدر پسند تھے۔

سرد اور تازہ خوشبو دینے والے چھوٹے سے درخت کو جب ہم نے نشست گاہ کے ایک کونے میں رکھا تو اس وقت تک بڑے دن کی تقریبات شروع ہو گئی تھیں۔ شام کے کھانے سے فارغ ہو کر ہم سب لوگ اسی جگہ اکٹھے ہوئے اور دادا جان بھی' میز پر اپنا اخبار پڑھنے کے دوران' بار بار دوستانہ نظروں سے دیکھتے جا رہے تھے۔ دیودار کا یہ پودا لگ بھگ پانچ فٹ اونچا تھا اور دیکھنے میں بہت بھلا لگ رہا تھا۔ لیکن اس کی شان و شوکت میں حقیقی اضافہ دنیا کی سب سے زیادہ غیر متوقع شے۔۔۔ اوٹو کے کاؤ بوائے صندوق۔۔۔۔ سے ہوا۔ اس صندوق میں پرانے جوتوں، کیلوں اور پستولوں کے سوا میں نے کبھی کچھ نہ دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ اس کے اندر سے چمکیلے رنگوں والی کاغذی صورتیں نکال لایا تھا۔ یہ صورتیں کئی انچ اونچی تھیں اور اس قدر سخت تھیں کہ انہیں خود بخود کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ یہ صورتیں سالا بہ سال اس کی بوڑھی ماں آسٹریا سے بھیجتی رہی تھی۔ کاغذ کے ایک ٹکڑے پر زخمی دل کی تصویر بنی تھی جس کے چاروں طرف کاغذی جھالر کے گچھے تھے۔ پھر تین بادشاہوں کی ایک تصویر تھی جس میں ان کو کونڈے میں دکھایا گیا تھا اور فرشتوں کا ایک گروہ گیت گا رہا تھا۔ ایک میں تین بادشاہوں کے سیاہ فام غلاموں کو اونٹوں اور چیتوں کو پکڑے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ یہ ساری تصویریں ہم نے اپنے درخت پر آویزاں کر دیں۔ اور وہ داستانی درخت کی طرح بولنے والا درخت دکھائی دینے لگا۔ روایتیں اور قصے اس کی شاخوں سے گھونسلوں کی طرح لٹک رہے تھے۔ دادی اماں کہنے لگیں کہ یہ چھوٹا سا درخت انہیں ''علم کے درخت'' کی یاد دلانے لگا تھا۔ برف باری کا منظر دکھانے کا

خاطر ہم نے تھوڑی سی روئی درخت کے نیچے رکھ دی اور جمی ہوئی جھیل کے منظر کا کام جیک کے جیبی آئینے میں لیا۔

آج بھی میں ان لوگوں کو چشم تخیل سے دیکھ سکتا ہوں بالکل ویسے ہی جیسے کہ وہ اس روز دیئے کی روشنی میں میز کے گرد کام کرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ جیک اپنے بوجھل نقوش کے ساتھ اس قدر کھردرا تھا کہ یوں لگتا تھا کہ جیسے اس کا چہرہ نامکمل رہ گیا ہو۔ پھر اوٹو تھا جس کا آدھا کان غائب تھا اور اس کے سفاکانہ زخم نے بالائی ہونٹ کے خم کو مڑی ہوئی مونچھوں میں خوفناک انداز سے چھپا رکھا تھا۔ اب جب کہ میں انہیں یاد کرتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ ان کے چہرے کس قدر غیر محفوظ تھے۔ ان کے کھردرے پن اور کرختگی ہی نے ان کو لاچار بنا دیا تھا۔ ان کے پاس ایسے کوئی آداب نہ تھے جن کے پیچھے وہ پناہ لے سکتے اور لوگوں کو فاصلے پر رکھ سکتے۔ دنیا کو مسمار کرنے کے لئے ان کے پاس صرف اپنے گھونسلے ہی تھے۔ اوٹو پہلے ہی بدنصیب محنت کشوں میں شامل ہو چکا تھا جو نہ کبھی شادی کرتے ہیں اور نہ کبھی اپنے بچوں کے باپ بنتے ہیں۔ پھر بھی بچوں سے اسے بے حد محبت تھی۔

(12)

بڑے دن کی صبح کو جب میں باروچی خانے میں پہنچا تو مرد صبح کے معمول سے فارغ ہو کر ابھی واپس آ رہے تھے۔۔۔۔ گھوڑوں اور سوروں کو ناشتہ ہمیشہ ہم لوگوں سے پہلے مل جایا کرتا تھا۔ جیک اور اوٹو مجھے دیکھ کر ''کرسمس مبارک'' چلائے اور چولہے پر میٹھی روٹیاں پکتے دیکھ کر انہوں نے ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ سنڈے کوٹ اور سفید قمیض میں ملبوس دادا جان بھی وہاں آ گئے۔ وہ پیدائش مسیح سے متعلق سینٹ میتھیو کے ابواب پڑھ رہے تھے۔ انہیں سنتے ہوئے یوں احساس ہو رہا تھا جیسے یہ واقعہ ابھی اور یہیں کہیں آس پاس ہی رونما ہوا ہو۔ اپنی دعاؤں میں انہوں نے کرسمس کے لئے خدا کا شکر ادا کیا اور اس سب کے لئے بھی جو تب سے پوری دنیا کے لئے اس کا مفہوم رہا تھا۔ انہوں نے ہماری خوراک اور آرام و آسائش کے لئے بھی شکر ادا کیا اور بڑے شہروں کے غریبوں اور محتاجوں کے لئے دعا کی جہاں زندگی کی کشمکش ہمارے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ اکثر اوقات دادا جان کی دعائیں

بہت دلچسپ ہوا کرتی تھیں۔ وہ سادہ اور متاثر کن اظہار پر قدرت رکھتے تھے۔ بولتے چونکہ بہت کم تھے' لہٰذا ان کے الفاظ میں ایک خاص قسم کی قوت ہوتی تھی۔۔۔ ان کے الفاظ مسلسل استعمال کی بدولت افسردہ نہ ہوئے تھے۔ ان کی دعائیں ان کے اس لہجے کے سوچ بچار کو منعکس کرتی تھیں اور زیادہ تر ان دعاؤں کے سبب ہی ہم لوگ چیزوں اور حالات کے بارے میں ان کے احساسات اور آرا سے آگاہ ہوا کرتے تھے۔

جب ہم میٹھی روٹیاں اور مسالہ دار آنتیں کھانے کے لئے بیٹھ گئے تو جیک نے یہ قصہ چھیڑ دیا کہ شمردا گھرانہ تحفے حاصل کر کے کس قدر خوش ہوا تھا۔ یہاں تک کہ امبروش بھی نرم پڑ گیا تھا اور کرسمس کا درخت کاٹنے کے لئے جیک کے ساتھ کھاڑی تک گیا تھا۔ یہ ایک نرم خاکستری دن تھا جب کہ آسمان پر کالے بادل اکٹھے ہو رہے تھے۔ وقتاً فوقتاً برف پڑ رہی تھی۔ چھٹی کے دن بھی باڑے سے متعلق کوئی نہ کوئی کام نکل ہی آتا تھا۔ یوں سارے مرد سہ پہر تک مصروف رہے تھے۔ پھر جیک اور میں دومینو کھیلنے لگے اور اوٹو وطن میں اپنی ماں کو طویل خط لکھنے بیٹھ گیا۔ ہر بڑے دن وہ ماں کو ضرور خط لکھا کرتا تھا۔۔۔ اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ وہ خود کہاں تھا اور پچھلا خط لکھے اسے کتنا عرصہ ہوا تھا۔ ساری سہ پہر وہ طعام خانے میں بیٹھا رہا۔ ایک دو پل وہ لکھتا' پھر ساکت ہو کر بیٹھ رہتا' ٹھوڑی اس کی میز پر تھی اور موم جامے کے نمونے پر اس کی نظریں جمی تھیں۔ اپنی زبان وہ کس قدر کم بولتا اور لکھتا تھا کہ اس معاملے میں اب اسے تردد کرنا پڑتا تھا۔ یاد کرنے کی کشمکش نے اسے جذب کر رکھا تھا۔

چار بجے کے قریب ایک ملاقاتی آن پہنچا۔ یہ مسٹر زشمردا تھا جس نے اپنی خرگوش کو کھال والی ٹوپی اور کالر کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی کے بنے ہوئے نئے دستانے بھی پہن رکھے تھے۔ وہ تحفوں اور اپنے اہل خانہ کے لئے دادی اماں کی نوازش کے لئے شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔ تہ خانے سے جیک اور اوٹو بھی آ کر ہمارے ساتھ شریک ہو گئے اور ہم سب لوگ چولہے کے پاس بیٹھ گئے۔۔۔۔ یوں ہم سرما کی سہ پہر کی دھندلی پڑتی ہوئی روشنی اور دادا جان کے گھر میں میسر آنے والی آشائش و حفاظت سے لطف اٹھانے لگے۔ لگتا تھا کہ اس احساس نے مسٹر شمردا کو پوری طرح گرفت میں لے لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اپنی کٹیا کے پر ہجوم غول میں یہ بوڑھا آدمی یقین کرنے لگا تھا کہ اس دنیا سے امن و شانتی یا تو ختم ہی ہو گئے ہیں یا پھر وہ اس

پرانی دنیا میں رہ گئے ہیں جس کو وہ بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ خاموش اور ساکت وہ بیٹھا تھا اور اس کا سر جھولنے والی چوبی کرسی کی پشت پر تھا جب کہ اس کے ہاتھ کرسی کے بازوؤں پر آرام سے دھرے تھے۔ چہرے پر اس کے ماندگی اور خوشی کا تاثر تھا۔۔۔ ان بیماروں کی طرح جو درد سے عارضی آرام محسوس کرنے لگتے ہیں۔ دادی اماں اصرار کر رہی تھیں کہ سردی میں اس قدر لمبے سفر کے بعد اسے ورجینیا کے ایپل برانڈی کا ایک گلاس پی لینا چاہئے۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ بس کبھی کبھی مسکراتا رہا۔ پھر جب وہ کرسی پر آرام کر رہا تھا تو ہم سب کو اس کی مکمل طمانیت کا احساس ہوا۔

اندھیرا بڑھنے لگا تو میں نے لیمپ کے لائے جانے سے پہلے کرسمس درخت کو روشن کرنے کی اجازت طلب کی۔ موم بتیاں جب اپنی دھیمی دھیمی روشنی دینے لگیں تو سبز ڈالیوں کے پس منظر میں آسٹریا سے آنے والی تمام رنگین صورتیں واضح اور بامعنی ہو گئیں۔ مسٹر شمردا نے اٹھ کر سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور خاموشی سے درخت کے آگے جھک گیا۔ سر اس کا آگے کو دھنسا ہوا تھا' جب کہ اس کا لمبا جسم انگریزی حرف ''ایس'' کی شکل بنا رہا تھا۔ میں نے دادی اماں کو فکرمندی سے ساتھ دادا جان پر نگاہ ڈالتے دیکھا۔ مذہبی معاملات میں وہ کسی قدر تنگ نظر واقع ہوئے تھے اور کبھی کبھار وہ لوگوں کے جذبات مجروح بھی کر دیتے تھے۔ پہلے تو یہ بس ایک عام سا درخت تھا' لیکن اب اس کے روبرو سجدہ ریزی سے۔۔۔۔۔ نیز موم بتیوں اور مورتیوں سے ماحول بدل سا گیا۔ دادا جان نے محض یہ کہا کہ اپنی انگلیوں کی نوکیں پیشانی پر رکھیں اور اپنا واجب التعظیم سر جھکا دیا۔ یوں گویا انہوں نے ماحول میں پروٹسٹنٹ انداز شامل کر دیا۔

ہم اپنے مہمان کو شام کے کھانے تک رکنے کے لئے آمادہ کرتے رہے۔ اس کے ساتھ کسی قدر تکرار کرنا پڑی۔ کھانے کی میز پر جب ہم لوگ بیٹھ گئے تو مجھے خیال آیا کہ مہمان کو یہ بات اچھی لگتی تھی کہ وہ ہمیں دیکھے اور یہ کہ ہمارے چہرے اس کے لئے کھلی کتاب کی حیثیت رکھتے تھے۔ جب اس کی گہری نگاہیں مجھ پر مرکوز تھیں تو مجھے یوں لگا جیسے کہ وہ میرے مستقبل پر نظریں گاڑھے ہو۔۔۔ اس راہ کو دیکھ رہا ہو جس پر مجھے چلنا ہوگا۔

رات نو بجے کے قریب مسٹر شمردا نے ہماری ایک لالٹین جلائی۔ اپنا اوور کوٹ اور کھال والا کالر پہنا۔ دہلیز پر وہ کھڑا تھا۔ لالٹین اور کھال والی ٹوپی اس کے بازو کے نیچے تھی اور وہ ہم سب لوگوں کے ساتھ مصافحہ کر رہا تھا۔ دادی اماں کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے وہ حسب

معمول ہاتھ پر جھکا اور آہستہ کہنے لگا۔۔۔۔''اچھی خاتون!'' پھر میرے اوپر صلیب کا نشان بناتے ہوئے اس نے ٹوپی پہنی اور اندھیرے میں رخصت ہو گیا۔نشست گاہ میں جب ہم واپس آئے تو دادا جان نے متجسس نظروں سے مجھے دیکھا۔''سارے اچھے لوگوں کو دعائیں اچھی ہوا کرتی ہیں۔''انہوں نے آہستہ سے کہا۔

(13)

کرسمس کے بعد کے ہفتے میں برف پگھلنے لگی اور نئے سال کا پہلا دن آیا تو ہمارے چاروں طرف پگھلی ہوئی برف کی دلدل پھیلی تھی۔پون چکی اور باڑے کے درمیان پانی بہنے کی ڈھلوان کیچڑ والے پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔سڑک کے کنارے کہیں کہیں نرم کالی زمین دھبوں کی صورت میں دکھائی دے رہی تھی۔اپنا کام کاج میں نے شروع کر دیا تھا۔۔۔۔کوٹلے کے گولے' لکڑیاں اور پانی لے کر آتا' سہ پہریں باڑے میں گزارنا جہاں میں جیک کو دستی اوزار سے غلے سے چھلکا اتارتے دیکھتا رہتا۔

حسین موسم کے اس وقفے کے دوران ایک صبح کو انطونیا اور اس کی ماں جوابی ملاقات کے لئے اپنے بوڑھے روئیں دار گھوڑے پر سوار ہو کر آنکلیں۔مسز شمردا پہلی بار ہمارے ہاں آئی تھی۔چاروں طرف وہ قالینوں پردوں اور فرنیچر کا جائزہ لیتی رہی اور حاسدانہ شکایتی لہجے میں اپنی بیٹی کے ساتھ ان چیزوں پر تبصرہ بھی کرتی رہی۔باورچی خانے میں اس نے چولہے کے پیچھے پڑے ایک آہنی برتن کو اٹھایا اور کہنے لگی۔''آپ کے پاس تو بہت ہیں' ہمارے پاس کوئی نہیں۔''میرے خیال میں یہ دادی اماں کی کمزوری تھی کہ انہوں نے برتن اسے دے دیا۔

کھانے کے بعد جب وہ برتن دھونے میں مدد دے رہی تھی تو سر کو جھٹک کر کہنے لگی' ''پکانے کے لئے آپ کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے' مجھے یہ ساری چیزیں مل جائیں تو میں اس سے کہیں بہتر پکا سکتی ہوں۔''

وہ ایک مغرور اور شیخی باز بوڑھی عورت تھی۔بدقسمتی بھی اسے جھکا نہ سکی تھی۔مجھے اس کے انداز اچھے نہ لگے۔میں اس قدر ناراض تھا کہ جب انطونیا نے بتایا کہ اس کے والد کی طبیعت ٹھیک نہیں' تو بھی میں نے اس کی بات ہمدردی سے نہ سنی۔

MashalBooks.com

''پاپا وطن کے لئے اداس ہے۔ وہ ٹھیک نہیں دکھائی دیتا۔ اب تو اس نے گانا بجانا بھی چھوڑ دیا ہے۔ ادھر وطن میں وہ ہر وقت وائلن ہی بجاتا رہتا تھا۔۔۔۔۔ شادیوں کے لئے اور رقص کے لئے۔ یہاں تو وہ ساز کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ جب کبھی میں اس سے وائلن بجانے کی فرمائش کرتی ہوں تو وہ ''نہ'' میں سر ہلا دیتا ہے۔ کسی کسی روز وہ وائلن نکال کر اس کے تاروں پر انگلیاں پھیرتا ہے' لیکن کوئی سر نہیں نکالتا۔''

''جن کو یہ ملک پسند نہیں' انہیں اپنے وطن میں ہی رہنا چاہئے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہم انہیں یہاں آنے پر مجبور تو نہیں کرتے۔''

''وہ کبھی یہاں آنا نہیں چاہتا تھا۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔'' انطونیا پھٹ پڑی۔ ''میری ماں اسے یہاں لائی ہے۔ ہر وقت وہ دہائی دیتی تھی امریکہ بہت بڑا ملک ہے۔ بڑی دولت ہے وہاں۔ میرے بیٹوں کے لئے بہت سی زمین ہے وہاں اور میری بیٹیوں کے لئے بڑے رشتے ہیں۔'' میرے پاپا کو پرانے دوستوں سے جدائی کا بہت غم تھا جو اس کے ساتھ گایا بجایا کرتے تھے۔ وہ اس آدمی کو بہت چاہتا تھا جو اس طرح لمبا باجہ بجایا کرتا تھا۔''۔۔۔۔ اس نے شہنائی کا اشارہ دیا'' وہ دونوں اکٹھے سکول جایا کرتے تھے اور بچپن کے دوست ہیں۔ لیکن اس ماما کا کیا کروں کہ اس کی خواہش بس یہی ہے کہ امبروش بہت امیر ہو جائے۔ بہت سے ڈھور ڈنگر ہوں اس کے پاس۔''

میں نے غصے سے جواب دیا ''تمہاری ماں تو دوسروں کی چیزوں پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔''

''تمہارا دادا دولت مند ہے'' اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''وہ میرے پاپا کی مدد کیوں نہیں کرتا؟ امبروش بھی جلد ہی مالدار ہو جائے گا اور وہ سب کچھ لوٹا دے گا۔ وہ بڑا سمارٹ لڑکا ہے۔ اس کی خاطر میری ماما یہاں آئی ہیں۔''

امبروش شمرداگھرانے میں اہم فرد خیال کیا جاتا تھا۔ مسز شمرد اور انطونیا اس کا ہمیشہ احترام کرتی تھیں' اگرچہ وہ اکثر ان سے ترش روئی سے پیش آتا تھا اور باپ کا خیال بھی نہ کرتا تھا۔ امبروش اور اس کی ماں کے انوکھے ہی طور طریقے تھے۔ انطونیا البتہ اپنے باپ سے محبت کرتی تھی۔۔۔۔ ہر شے سے زیادہ اور اپنے بڑے بھائی سے خوف زدہ رہتی تھی۔

انطونیا اور اس کی ماں کو اپنے مریل سے گھوڑے پر آہنی برتن لئے پہاڑی کی طرف

جاتا دیکھنے کے بعد میں دادی اماں کے پاس گیا جنہوں نے رفو گری کا کام پھر سے شروع کر دیا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میرے خیال میں اب یہ بڑھیا دوبارہ کبھی ہم سے ملنے نہ آئے گی۔

دادی اماں خاموشی سے ہنسنے لگیں اور اوٹو کی جراب کے آر پار اپنی چمک دار سوئی کرتے ہوئے کہنے لگیں' ''وہ بوڑھی تو ہرگز نہیں ہے جم' ہاں میرے خیال میں تمہیں بوڑھی لگتی ہے۔ نہیں' مجھے اس کے دوبارہ یہاں نہ آنے پر افسوس نہ ہوگا۔ مگر دیکھو ناں' کوئی نہیں جانتا کہ مفلسی کس قسم کے اوصاف پیدا کر دیتی ہے۔ جب کوئی عورت اپنے بچوں کو چیزوں کے لئے ترستے دیکھتی ہے تو وہ حریص بن جاتی ہے۔ خیر چھوڑو' اب تم مجھے ''دی پرنس آف دی ہاؤس آف ڈیوڈ'' سے ایک باب پڑھ کر سناؤ۔ جانے دو خانہ بدوشوں کے معاملے کو۔''

یہ معتدل اور کھلا موسم تین ہفتوں تک جاری رہا۔ ڈھور ڈنگر تقریباً اسی رفتار سے چارہ کھاتے رہے جس رفتار سے آدمی ان کے لئے چارہ کاٹتے تھے۔ توقع ہمیں یہ تھی کہ منڈی کے آغاز ہی میں وہ بکنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ایک صبح کو دو بڑے سانڈوں' کلیڈ سٹون اور برھم ینگ' کے ذہن میں سمایا کہ گویا بہار آ گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے سے جدا کرنے والی خاردار تار کے آر پار خرمستیاں شروع کر دیں۔ کھر مار مار کر انہوں نے زمین کھود ڈالی۔ وہ آنکھیں مٹکاتے اور سر جھٹکتے رہے۔ دونوں اپنے اپنے کونے کی طرف پیچھے ہٹ جاتے اور پھر سرپٹ دوڑتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف بڑھتے۔ ہمیں ان کے سروں کے ٹکرانے کی آوازیں سنائی دیتیں اور باورچی خانے کی الماریوں میں برتن ہلنے لگتے۔ سینگ اگر ان کے نہ کاٹ لئے گئے ہوتے' تو وہ ایک دوسرے کو مار مار کر ریزہ ریزہ کر دیتے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ چنانچہ بچھڑوں نے ان کے دیکھا دیکھی ایک دوسرے کے ساتھ الجھنا شروع کر دیا۔ وقت آ گیا تھا کہ اب اس معاملے کو ٹھپ کیا جائے۔ چنانچہ فش کھانچہ لے کر باڑے میں داخل ہوا اور اس نے سانڈوں کو مار مار کر ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ ہم سب کھڑے شوقیہ نظروں سے تماشا دیکھتے رہے۔

سرما کا بڑا طوفان میری گیارھویں سالگرہ' ۲۰ جنوری کے روز شروع ہوا۔ اس صبح جب میں ناشتے کے لئے نیچے گیا تو جیک اور اوٹو برفانی انسان بنے اندر داخل ہوئے وہ ہاتھ مار رہے تھے اور پاؤں جھاڑ رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اودھم مچانے کے انداز میں ہنسنے لگے۔ انہوں نے کہا ''جم اس بار تو تمہیں سالگرہ کا تحفہ مل ہی گیا ہے۔ تمہارے لئے برف کے ایک

بھاری طوفان کا آرڈر دیا گیا تھا۔''

طوفان سارا دن جاری رہا۔ اس بار برف گر نہ رہی تھی' وہ آسمان سے یوں لڑھکتی آ رہی تھی جیسے پروں والے ہزاروں بستر خالی کئے جا رہے ہوں۔ اس سہ پہر کو باروچی خانہ بڑھئی کی دوکان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اپنے اوزار لا کر آدمیوں نے لمبے موٹھ والے دو چوبی پھاوڑے بنا لئے۔ دادی اماں اور میں دونوں ہی طوفان میں باہر قدم نہ نکال سکتے تھے۔ اس لئے جیک نے مرغیوں کو دانہ ڈالا اور تھوڑے سے انڈے بھی اٹھا لایا۔

دوسرے روز باڑے تک پہنچے کی خاطر ہمارے آدمیوں کو دوپہر تک پھاوڑے چلانے پڑے۔۔۔ اور برف باری ابھی تک جاری تھی۔ میرے دادا کو نیبرا سکا میں رہتے ہوئے دس برس ہو گئے تھے اور اس دوران کبھی ایسا شدید طوفان نہ آیا تھا۔ ڈنر پر انہوں نے کہا کہ ہم مویشیوں تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں گے۔۔۔۔ وہ اس قدر توانا تھے کہ چارے کے بغیر ایک دو روز گزار سکتے تھے۔ البتہ کل ہمیں ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا ہوگا۔ ہمارے غضب ناک سانڈ اس وقت تک رام ہو چکے تھے اور شاید اب وہ ایک دوسرے کی پشت پر حرارت پہنچا رہے تھے۔ فش نے ہنستے ہوئے کہا کہ ''اس طرح ان کا سارا غصہ نکل جائے گا۔؟

اس روز دوپہر تک مرغیوں کی کوئی آواز نہ آئی۔ کھانے کے بعد جیک اور اوٹو' جن کے گیلے کپڑے جسم کے ساتھ لگے رہنے سے اب سوکھ چکے تھے' اپنے اکڑے ہوئے بازو پھیلائے پھر سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے مرغی خانے تک جانے والی برف میں سے سرنگ بنائی جس کی دیواریں اس قدر مضبوط تھیں کہ دادی اماں اور میں اس میں آسانی سے چل پھر سکتے تھے۔ مرغی خانے میں چوزے سوئے پڑے تھے۔ انہوں نے غالباً یہ سمجھا تھا کہ رات ہو گئی ہے۔ ایک بوڑھا پالتو مرغ البتہ ادھر ادھر منہ مارتا پھرتا تھا۔ مرغیوں کی آنکھوں میں جب لالٹین کی روشنی پڑی تو انہوں نے شور مچاتے ہوئے بے ہنگم طریقے سے ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ پر ان کے نیچے بکھرتے جا رہے تھے۔ چھوٹے سر والی دھبے دار گنیا مرغیاں قید و بند کو ہمیشہ ناپسند کرتی تھیں۔ وہ سرنگ کی طرف بھاگ گئیں اور اپنے گندے رنگ دار منہ کو برف کی دیواروں میں گھسیٹنے کو کوشش کرنے لگیں۔ پانچ بجے تک یہ سارا کام ختم ہو گیا۔۔۔ اور یہی وقت تھا کام کاج کو دوبارہ شروع کرنے کا یہ ایک عجیب و غریب اور غیر فطری قسم کا دن تھا۔

MashalBooks.com

(14)

بائیس کی صبح میں کسی قدر حیرانگی کے ساتھ بیدار ہوا۔ آنکھیں کھولنے سے پہلے یہ مجھے احساس سا ہو گیا تھا کہ کوئی بات ہو گئی ہے۔ باروچی خانے سے مجھے جوشیلی سی آوازیں آ رہی تھیں۔۔۔۔ دادی اماں زور زور سے بول رہی تھیں۔ کسی قدر مسرت کے ساتھ میں کسی نئی بحران کا انتظار کرنے لگا۔ جلدی سے کپڑے تبدیل کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ آخر کون سی بات ہو سکتی ہے۔ باڑے کو شاید آگ لگ گئی ہو' یا ڈھور ڈنگر سردی سے مر گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ہمسایہ طوفان میں گھر گیا ہو۔

دادا جان پشت پر ہاتھ باندھے باورچی خانے میں چولہے کے آگے کھڑے تھے۔ جیک اور اوٹو جوتے اتار چکے تھے اور اب اپنی اونی جرابوں پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ ان کے کپڑوں اور جوتوں سے بخارات اٹھ رہے تھے اور وہ دونوں درماندہ سے دکھائی دے رہے تھے۔ دادی اماں نے مجھے کھانے کے کمرے کی طرف جانے کا اشارہ دیا۔ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ میں نے ان کی بات مان لی اور انہیں کھانے کے برتن لاتے لے جاتے دیکھتا رہا۔ ان کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور وہ اپنے آپ کے ساتھ سرگوشیاں کرتی جا رہی تھیں۔ ''اوہ' پیارے نجات دہندہ' اوہ خدا تو ہی سب کچھ جانتا ہے۔''

دادا جان کمرے میں داخل ہوئے اور مجھ سے کہنے لگے ''جم' آج ہم دعائیں مانگیں گے کیونکہ اور بہت سے کام کرنے ہیں۔ بوڑھا مسٹر شمر دافوت ہو گیا ہے اور اس کے گھر والے بڑے پریشان ہیں۔ امبروش یہ خبر دینے کے لئے آدھی رات کو آیا تھا۔ جیک اور اوٹو اس کے ساتھ چلے گئے تھے۔ ان لوگوں نے مشکل بھری رات گزاری ہے اب تم انہیں اپنے سوالوں سے تنگ نہ کرنا۔ اس بنچ پر امبروش سو رہا ہے۔ لڑکو' آؤ ناشتہ کر لو۔''

جیک اور اوٹو جب کافی کا پہلا کپ پی چکے تو انہوں نے دادی اماں کی متنبہ کرنے والی نگاہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جوش و خروش کے ساتھ باتیں شروع کر دیں۔ زبان میں نے بند رکھی' لیکن پوری توجہ سے ان کی باتیں سنتا رہا۔

''نہیں جناب' غش نے دادا جان کے ایک سوال کے جواب میں کہا۔ ''کسی نے گولی چلنے کی آواز نہ سنی تھی۔ امبروش بیلوں کی جوڑی کے ساتھ گھر سے باہر تھا اور ایک راستہ

MashalBooks.com

بنانے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ عورتیں اپنی کوٹھری میں دبکی ہوئی تھیں۔ امبروش جب پلٹا تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ اسے کچھ بھی سجھائی نہ دیا۔ البتہ بیلوں کا رویہ عجیب سا تھا۔ ایک بیل اردگرد چکر چکر لگانے لگا اور اس سے رسی چھڑا کر اصطبل سے باہر بھاگ گیا۔ رسی کے کھینچے جانے سے امبروش کے ہاتھ پر چھالا بن گیا۔ اس نے لالٹین لی اور واپس جا کر کیا دیکھتا ہے کہ بڈھا وہاں پڑا ہے۔۔۔۔ ویسے ہی جیسے ہم نے اسے دیکھا۔''

''ہائے بدنصیب' بدنصیب'' دادی اماں آہ زاری کرنے لگیں۔ ''مجھے نہیں لگتا کہ اس نے ایسا کیا ہو۔ وہ تو ہمیشہ سب کا خیال رکھتا تھا۔ کسی کو دکھ نہ دیتا تھا۔ پھر وہ خود کو کیسے بھول سکتا تھا اور ہمیں یہ دکھ دے سکتا تھا۔''

''میں نہیں سمجھتا مسز برڈن کے ایک لمحے کے لئے بھی اس نے ہوش وحواش کھوئے ہوں' فش کہنے لگا۔ ''اس کا عمل فطری ہے۔ وہ ہمیشہ سے شش وپنج میں تھا اور آخر تک یونہی رہا۔ کھانے کے بعد اس نے شیو کی اور جب لڑکیاں برتن دھو چکیں تو وہ نہایا۔ انطونیا نے اس کے لئے پانی گرم کیا تھا۔ نہانے سے فارغ ہو کر اس نے صاف ستھری قمیض اور موزے پہنے۔ پھر انطونیا اور چھوٹی بچی کو پیار کیا' اپنی بندوق اٹھائی اور کہنے لگا کہ وہ خرگوشوں کا شکار کرنے کے لئے جا رہا ہے۔ ضرور وہ باڑے تک گیا ہوگا اور وہیں اس نے یہ کام کیا ہوگا۔ بیلوں کے تھان کے پاس' دیوار سے لگے سونے کے تختے کے اوپر وہ لیٹ گیا' جہاں وہ ہمیشہ سویا کرتا تھا۔ اب ہم نے اسے دیکھا تو ہر شے ٹھیک ٹھاک تھی سوائے''۔۔۔۔ فش کی پیشانی پر بل آئے اور تھوڑی دیر کے لئے وہ ہچکچایا۔۔۔۔ ''وہاں سوائے اس کے جس کی وہ پیش بینی نہ کر سکتا تھا۔ اس کا کوٹ کیل پر لٹک رہا تھا اور جوتے بستر کے نیچے تھے۔ وہ ریشمی گلوبند بھی اس نے اتار دیا تھا جس کو وہ ہمیشہ اوڑھے رکھتا تھا۔ آرام سے اسے تہہ کر کے اور پن لگا کے اسے رکھ دیا تھا۔ گردن پر سے اس نے قمیض پیچھے کی طرف کی ہوئی تھی اور آستین چڑھائی ہوئی تھیں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا وہ یہ کیسے کر سکتا تھا۔'' دادی اماں پوچھے جا رہی تھیں۔ اوٹو کو ان کی بات سمجھ نہ آئی۔ ''مادام' سیدھی سی بات ہے۔ پاؤں کے انگوٹھے سے اس نے بندوق کی لبلبی دبائی۔ پہلو کے رخ وہ لیٹا تھا اور بندوق کی نالی کا سرا اس کے نہ میں تھا۔ پھر اس نے پاؤں کھینچ کر لبلبی تلاش کی جو اسے مل گئی۔ بس اتنی سی بات ہے!''

''کیا مطلب تمہارا جیک؟'' دادی اماں نے فوراً پوچھا۔

MashalBooks.com

''مادام بات یہ ہے کہ میں نے جانوروں کے کونڈے کے نیچے کریجک کی کلہاڑی پڑی دیکھی تھی۔ میں اسے اٹھا کر لاش کے قریب لایا اور خدا کی قسم وہ اتنی ہی چوڑی تھی جتنی اس بڈھے کے منہ پر لگا ہوا زخم۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہاں کریجک پیلا زرد پڑا تھا اور ہونٹوں پر اس کے مہر لگی تھی۔ جب اس نے مجھے کلہاڑی کا جائزہ لیتے دیکھا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ روں روں کرنے لگا۔ ''خدا کے لئے یوں نہ کرو۔'' پھر وہ ہاتھ ملتے ہوئے چوہے کی طرح میری جاسوسی کرنے لگا۔ وہ مجھے پھانسی چڑھا دیں گے' وہ کہنے لگا' ''خدایا' وہ مجھے ضرور پھانسی چڑھا دیں گے۔''

بے صبری سے فش کہنے لگا' ''کریجک تو پاگل ہو گیا جیک' اور تمہارا دماغ بھی چل گیا ہے۔ اس بڈھے نے یہ ساری تیاریاں اس لئے نہ کی تھیں کہ کریجک کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔ یہ بات بنتی نہیں۔ امبروش نے جب اسے دیکھا تو بندوق اس کے پاس پڑی تھی۔''

''خیر' کریجک دوبارہ اسے وہاں رکھ سکتا تھا۔ کیا نہیں؟'' جیک نے پوچھا لیا۔

دادی اماں نے فوراً دخل اندازی کی۔ ''دیکھو' جیک مارپول' کیا تم خودکشی پر قتل کا اضافہ نہیں کر رہے؟ پہلے ہی ہم خاصی مصیبت میں ہیں۔ یہ اوٹو تمہیں جاسوسی کی کہانیاں زیادہ ہی سنانے لگا ہے۔''

خیر' اس معاملے کا فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔'' دادا جان نے سکون سے کہا۔ ''اگر اس نے اپنے تئیں ویسے ہی ہلاک کیا ہے جیسا کہ وہ سوچتے ہیں تو پھر کاری زخم اندر سے باہر کی طرف ہوگا۔''

''بالکل ایسا ہی ہے برڈن صاحب'' اوٹو نے تصدیق کی۔ ''میں نے بالوں کے گچھوں اور دوسری چیزوں کو فرش پر ادھر ادھر بکھرے دیکھا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ وہ گولی کے دھماکے سے بکھرے تھے۔''

دادی اماں نے دادا جان سے کہا وہ ان کے ساتھ شمردوں کے گھر جانا چاہتی تھیں۔

''لیکن وہاں تمہارے کرنے کو کچھ بھی نہیں ہے'' دادا جان نے شک بھرے لہجے میں کہا۔ ''جب تک موت کے سبب کی تفتیش کرنے والا افسر بلیک ہاک سے وہاں نہیں جاتا' لاش وہیں پڑی رہے گی۔۔۔۔ اور اس کے جانے میں کئی دن لگ جائیں گے۔ یہ موسم تم دیکھ ہی رہی ہو

ناں۔''

''چلئے' میں نے ان کے لئے کھانے پینے کا تھوڑا سا سامان ہی لے جاؤں گی اور ان بدنصیب لڑکیوں سے ہمدردی کے دو بول کہہ لوں گی۔ سب سے بڑی سے تو اسے بے حد پیار تھا اور وہ بھی اس کی مددگار تھی۔ شاید اسے بیٹی کا خیال آیا ہو۔ بے رحم دنیا میں وہ اسے اکیلا چھوڑ گیا ہے۔'' دادی اماں نے یہ کہتے ہوئے بے اعتمادی کی نظروں سے امبروش کو دیکھا جو باروچی خانے کی میز پر اب ناشتہ کر رہا تھا۔

سردی میں کم وبیش ساری رات فش بھاگ دوڑ کرتا رہا تھا' تاہم اب وہ پادری اور موت کے سبب کی تفتیش کرنے والے طبی افسر کو لینے سوار ہو کر بلیک ہاک کی طرف جا رہا تھا۔ بھورے رنگ کے خصی گھوڑے پر' جو ہمارا بہترین جانور تھا' اس نے ایک ایسے علاقے میں اپنا راستہ تلاش کرنا تھا جس میں اس کی رہنمائی کرنے والی کوئی سڑک نہ تھی۔

''آپ میری فکر نہ کریں مسز برڈن'' موزوں کا دوسرا جوڑا پہنتے ہوئے اس نے خوش دلی سے کہا۔ ''مجھے سمتوں کا خوب احساس ہے اور رہی نیند تو مجھے کبھی اس کی زیادہ ضرورت نہیں رہی۔ مجھے تو گھوڑے کی فکر ہے۔ ہر ممکن اس کا خیال رکھوں گا' لیکن وہ نڈھال ضرور ہو جائے گا۔''

''جانوروں پر زیادہ مہربانی کا یہ وقت نہیں اوٹو۔ تم اپنا خیال زیادہ رکھنا۔ کھانے لئے بیوہ سٹیونز کے ہاں رک جانا' اچھی عورت ہے وہ۔ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گی۔''

فش کے جانے کے بعد میں امبروش کے پاس اکیلا رہ گیا۔ اس کے بارے میں مجھے اب ایک ایسی بات معلوم ہوئی جو پہلے معلوم نہ تھی۔ وہ بے حد دیندار تھا۔ ساری صبح اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ بس تسبیح لئے بیٹھا رہا جسے کبھی وہ خاموشی سے اور کبھی اونچی آواز میں پڑھتا تھا۔ نظریں اس کے دانتوں پر جمی رہیں اور ہاتھ اٹھے بھی تو صرف صلیب کا نشان بنانے کے لئے۔ کئی بار اسے نیند کا جھونکا آیا۔ لیکن وہ فوراً آنکھیں کھولتا اور پھر سے تسبیح شروع کر دیتا۔

برف کو صاف کئے بغیر کوئی چھکڑا شمردوں کے گھر تک نہ جا سکتا تھا اور اس کام کے لئے ایک دن درکار تھا۔ ہمارے ایک بڑے سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر دادا جان باڑے سے آئے اور جیک نے دادی اماں کو اٹھا کر ان کے پیچھے سوار کرا دیا۔ دادی اماں نے اپنا سیاہ گاؤن پہن رکھا تھا اور وہ چادروں میں لپٹی ہوئی تھیں۔ دادا جان نے اپنی سفید داڑھی اوور کوٹ کے

اندر کی۔ روانگی کے وقت مجھے یونہی خیال آیا کہ وہ دونوں بائبل کے کوئی کردار لگ رہے تھے۔ دوسرے سیاہ گھوڑے اور میرے چھوٹے گھوڑے پر جیک اور امبروش ان کے پیچھے جا رہے تھے۔ انہوں نے کپڑوں کے بنڈل بھی ساتھ رکھے ہوئے تھے جو ہم نے مسز شمردا کے لئے حاصل کئے تھے۔ میں انہیں جوہڑ کے پار پہاڑی کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ تب پہلی بار مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ میں گھر میں اکیلا رہ گیا ہوں۔

قوت و اختیار میں نمایاں اضافہ کے احساس کے ساتھ مجھے فکر تھی کہ اپنا فرض عمدگی سے ادا کروں۔ لمبے گودام سے لکڑیاں اور کوئلے نکال کر میں نے دونوں چولہے بھر دیئے۔ مجھے یاد آیا کہ صبح کی بھاگ دوڑ اور جوش و خروش میں کسی کو مرغیوں کا خیال ہی نہ آیا تھا اور انڈے بھی ابھی تک وہیں پڑے تھے۔ سرنگ میں سے گزرتے ہوئے میں گیا' مرغیوں کو دانہ ڈالا' ان کے پانی کے برتن میں سے برف نکالی اور اسے تازہ پانی سے بھرا۔ بلی بھی جب اپنا دودھ پی چکی تو میرے کرنے کو کچھ نہ رہا۔ خاموشی مسرت افروز تھی اور کلاک کی ٹک ٹک سب سے زیادہ پر لطف ساتھی میں سے ایک۔ کتاب ''رابن سن کروسو'' نکال کر میں نے اسے پڑھنے کی کوشش کی' لیکن جزیرے پر اس کی زندگی ہمارے اپنی زندگیوں کے مقابلے میں بے لطف اور پھیکی محسوس ہوئی۔ اب جب کہ میں اطمینان کے ساتھ اپنی آرام دہ نشست کا جائزہ لے رہا تھا تو یونہی میرے دل میں خیال آیا کہ اگر مسٹر شمردا کی روح دنیا ہی میں بھٹک رہی ہو تو وہ یہیں ہمارے گھر میں ہو گی کیونکہ گردونواح کے علاقے میں اسے یہ گھر سب سے زیادہ پسند تھا۔ مجھے اس کا شانت چہرہ یاد آیا جب کہ وہ بڑے دن کے موقع پر ہمارے ساتھ تھا۔ اگر وہ ہمارے پاس ہی ٹھہر جاتا تو یہ خوفناک واقعہ رونما نہ ہوتا۔

مجھے معلوم تھا کہ گھر بار کی یاد نے مسٹر شمردا کی جان لی ہے۔ یونہی مجھے خیال آیا کہ آیا جسم سے نجات پا کر اس کی روح اب بالآخر اپنے وطن کی راہ نہ لے گی۔ میں سوچنے لگا کہ یہ شکاگو کس قدر دور ہے' پھر وہاں سے ورجینیا' بالٹی مور۔۔۔۔ اور پھر وہ سرمائی سمندر نہیں نہیں۔ روح ایک دم اس قدر طویل سفر پر روانہ نہ ہو گی۔ اس کی تھکی ماندی اور دکھی روح ضرور اس پر سکون گھر میں آرام کر رہی ہو گی۔

خوف مجھے محسوس ہوا' لیکن میں نے کوئی آواز نہ نکالی۔ روح کے آرام میں' میں کوئی خلل نہ ڈالنا چاہتا تھا۔ خاموشی سے میں نیچے باورچی خانے کی طرف چلا گیا جو ہمیشہ ہی گھر کا

MashalBooks.com

دل اور اس کا مرکز محسوس ہوتا تھا۔ وہاں' چولہے کے پیچھے بنچ پر' میں مسلسل مسٹر شمردا کے بارے میں سوچتا رہا۔ باہر سے مجھ' سینکڑوں میل کے علاقے پر پھیلی ہوئی برف سے ہوا کی اٹھکھیلیوں کی آواز آ رہی تھی یہ گویا یوں تھا۔ کہ میں نے اس بوڑھے آدمی کو عذاب ناک سردی سے اندر بلا لیا ہو اور اب اس کے ساتھ وہاں بیٹھا ہوں۔ خیالوں ہی خیالوں میں' میں ان تمام باتوں کو دہرانے لگا جو اس ملک میں آنے سے پہلے کی اس کی زندگی کے بارے میں انطونیا نے مجھے بتائی شادی بیاہ اور ناچ گانوں کی تقریبات میں وہ کیسے سارنگی بجاتا تھا۔ میں نے ان دوستوں کے بارے میں سوچا جن سے جدائی اس پر گراں گزری تھی۔۔۔۔ وہ شہنائی بجانے والا۔۔۔۔ شکار سے بھرا ہوا جنگل جو انطونیا کے بقول ''امراء'' کی ملکیت تھا' جہاں سے انطونیا اور اس کی ماں چاندنی راتوں میں لکڑیاں چرایا کرتی تھیں۔ انطونیا نے یہ بھی بتایا کہ اس جنگل میں ایک سفید غزال رہتا تھا۔ اگر اسے کوئی نشانہ بناتا تو تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا۔ میرے ذہن میں ایسے واضح خاکے آئے کہ جو مسٹر شمردا کی یادیں ہو سکتے تھے۔۔۔۔ یادیں کہ جن کے رنگ اس فضا سے ابھی نہ اڑے تھے جس میں وہ اس کا پیچھا کرتی رہی تھی۔

گھر والے جب لوٹے تو رات کی سیاہی پھیلنے لگی تھی۔ دادی اماں اس قدر تھکی ہوئی تھیں کہ فوراً ہی انہوں نے بستر کا رخ کیا۔ جیک اور میں نے کھانا کھایا۔ جب ہم برتن صاف کر رہے تھے تو اونچی سرگوشیوں میں اس نے مجھے شمردوں کے معاملے سے آگاہ کیا۔ طبی افسر کے آنے تک کسی کو لاش کو چھونے کی اجازت نہ تھی۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو بظاہر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ لاش ٹھنڈ سے اکڑی پڑی تھی۔۔۔۔ ''ویسے ہی جیسے کسی فیل مرغ کو جمنے کے لئے لٹکا دیا جاتا ہے'' جیک نے یہ بھی بتایا کہ گھوڑے اور بیل اس وقت تک باڑے میں جانے پر تیار نہ تھے جب تک مسٹر شمردا کا مردہ جسم جم کر اس قدر سخت نہ ہو جائے کہ خون کی بوآنی بند ہو جائے۔ اب انہیں لاش کے پاس اس لئے باندھا گیا تھا کہ اس کے علاوہ انہیں رکھنے کی کوئی اور جگہ ہی نہ تھی۔ مسٹر شمردا کے سر کے اوپر ایک روشن لالٹین لٹکا دی گئی تھی۔ انطونیا' امبروش اور ان کی ماں لاش کے قریب دعا کی خاطر باری باری جا رہے تھے۔ من موجی لڑکا بھی ان کے ساتھ جاتا تھا کیونکہ اسے سردی نہ لگتی تھی۔ میرے خیال میں اسے دوسروں جتنی ہی سردی لگتی تھی۔ البتہ اسے یہ بات پسند تھی کہ اسے سردی سے بے حس سمجھا جائے۔ ہر وقت وہ انوکھا بننے کی جستجو کرتا تھا۔۔۔۔ غریب ماریک۔

MashalBooks.com

جیک کا کہنا تھا کہ امبروش اس سے زیادہ انسانی احساس ظاہر کر رہا تھا جس قدر کا اہل وہ اسے خیال کرتا تھا۔ تاہم اسے زیادہ فکر پادری کو حاصل کرنے اور اپنے باپ کی روح کے بارے میں لاحق تھی جس کے متعلق اس کا یقین یہ تھا کہ جب تک اہل خانہ اور پادری اس کے لئے بہت زیادہ دعائیں نہیں مانگتے' وہ عذاب کی کیفیت سے دوچار رہے گی۔ جیک نے نتیجہ یہ نکالا تھا کہ امبروش کے نزدیک مسٹر شمردا کی روح کو مقام کفارہ سے نکالنے کے لئے کئی برس کی دعائیں درکار ہوں گی اور اس وقت تو وہ عذاب کی کیفیت میں ہے۔''

''مجھے اس پر یقین نہیں'' میں نے جرات مندی سے کہا۔ ''مجھے تقریباً معلوم ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ بلاشبہ میں نے یہ نہ بتایا تھا کہ میرے خیال میں مسٹر شمردا کی روح اپنے وطن واپس جاتے ہوئے ساری سہ پہر اسی باورچی خانے میں رہی تھی۔ پھر بھی جب میں اپنے بستر پر لیٹ گیا تو سزا اور مقام کفارہ کا یہ تصور پھر سے مجھ پر حاوی ہو گیا۔ عذاب میں مبتلا ڈائیوز کے معاملے کا خیال مجھے آیا۔ لیکن مسٹر شمردا نہ تو امیر تھا اور نہ ہی خود غرض' بس یہ تھا کہ وہ اس قدر رنجیدہ تھا کہ اب مزید زندہ نہ رہ سکتا تھا۔

(15)

اوٹوفش دوسرے روز دوپہر کے وقت بلیک ہاک سے واپس پہنچا۔ اطلاع اس نے یہ دی کہ موت کے سبب کی تفتیش کرنے والا اسی روز سہ پہر کو کسی وقت شمردوں کے گھر پہنچے گا۔ البتہ مشنری پادری اپنے کلیسائی حلقے کے دوسرے کونے میں' یعنی سو میل دور گیا ہوا تھا اور ریل گاڑیاں نہ چل رہی تھیں۔ فش نے خود تو راستے میں نوکروں کے باڑے میں چند گھنٹوں کی نیند لے لی تھی البتہ اسے خدشہ تھا کہ بھورا خصی گھوڑا بہت تھک گیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ بعد میں اس کی حالت کبھی پہلے جیسی نہ ہو سکی۔ گہری برف میں اس طویل سفر نے اس کی ساری قوت برداشت کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔

فش ایک اجنبی نوجوان بوہمین کو بھی ساتھ لے آیا تھا۔ اس اجنبی نے بلیک ہاک کے قریب ایک باڑہ خرید رکھا تھا۔ فش کے ساتھ وہ محض اس لئے آیا تھا کہ مصیبت کی گھڑی میں اپنے ہم وطنوں کی مدد کر سکے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جب میں نے انطون جیلی ٹک کو دیکھا۔ وہ ایک بیس بائیس سال کا لمبا تڑنگا خوبرو' جوشیلا اور زندگی سے بھرپور نوجوان تھا۔ اس سارے

غمناک معاملے کے درمیان وہ ایک معجزے کے مانند ہم لوگوں تک آ پہنچا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ کس طرح وہ اپنے مندے کے جوتوں اور بھیڑیئے کی کھال کے لمبے کوٹ میں' ٹھنڈ سے دمکنے والے رخساروں اور آنکھوں کے ساتھ ہمارے باورچی خانے میں داخل ہوا تھا۔ دادی اماں کو دیکھتے ہی اس نے تعظیماً اپنی سموری ٹوپی اتاری اور اپنی گرجدار آواز میں' جو اس سے بھی زیادہ سرد محسوس ہوتی تھی' دادی اماں کو سلام کیا تھا۔

''مسز برڈن' میں آپ کا بہت سا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ میرے ملک سے آنے والے غریب پردیسیوں کا اس قدر خیال رکھتی ہیں۔''

کسان لڑکوں کی طرح شرمانے کے بجائے وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کر رہا تھا۔ اس کی ہر بات میں جذبہ اور بے ساختگی تھی۔ اس نے بتایا کہ پہلے بھی اس نے شمردوں سے ملنے کا سوچا تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ خزاں کے سارے موسم میں وہ بھاڑے پر کٹائی کے کام میں جتا رہا۔ جب سردی کے دن شروع ہوئے تو اس نے چھوٹے بچوں کے ساتھ انگریزی پڑھنے کی خاطر' سکول جانا شروع کر دیا۔ مجھے اس نے بتایا کہ اس کی بہت اچھی لیڈی ٹیچر ہے اور یہ کہ سکول جانا اسے پسند ہے۔

کھانے کے موقع پر دادا جان نے جیلی نک کے ساتھ اتنی باتیں کیں کہ جتنی وہ عام طور پر اجنبیوں سے نہ کیا کرتے تھے۔

''اچھا تو کیا وہ اس بات سے بہت مایوس ہوں گے کہ ہم پادری کو نہیں لا سکے؟'' انہوں نے پوچھا

جیلی نک سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

''ہاں جناب' ان کے لئے یہ بہت بری بات ہوگی۔ ان کے باپ نے ایک بڑا گناہ کیا ہے''۔۔۔ وہ دادا جان کو سیدھا دیکھے جا رہا تھا۔۔۔ ''ہمارے خداوند کا کہنا ہے۔''

لگتا تھا کہ دادا جان کو اس کی یہ بے تکلفی اچھی لگ رہی تھی۔

''جیلی نک' ہمارا ایمان بھی یہی ہے۔ تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ پادری کے بغیر بھی مسٹر شمرد کی روح اپنے خالق کے حضور پہنچ جائے گی۔''

اجنبی نوجوان نے سر ہلایا۔ ''میں آپ کی بات سمجھتا ہوں۔ سکول میں میری استانی نے اس کی وضاحت کی تھی۔ لیکن میں نے بہت کچھ دیکھا ہے اور میں مردوں کے لئے دعا میں

ایمان رکھتا ہوں۔۔۔۔ہاں میں نے بہت کچھ دیکھا ہے۔''

ہم نے اس بات کا مطلب پوچھا۔

اس نے میز کے گرد و پیش دیکھا۔''آپ کا خیال ہے کہ میں آپ کو بتا دوں؟ جب میں چھوٹا سا لڑکا تھا تو میں نے نیاز گاہ پر پادری کی مدد شروع کر دی تھی۔ چھوٹی عمر میں میں نے رفاقت شروع کر دی تھی۔ چرچ جس بات کی تعلیم دیتا' مجھے وہ بالکل دوست دکھائی دیتی۔ پھر جنگ کے دن آ گئے جب کہ پروشین لوگوں نے ہمارے ساتھ جنگ شروع کر دی تھی۔ میرے گاؤں کے قریب کیمپ میں بہت سپاہی تھے اور وہاں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ مکھیوں کی طرح انسان مرنے لگے۔ پادری سارا دن مرنے والوں کو برکت دینے کے لئے وہاں جاتا اور میں بھی یادگاری توشہ اٹھائے ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ جو کوئی بھی کیمپ کے پاس جاتا' اس وبا کی نذر ہو جاتا تھا۔ بس میں اور پادری اس سے محفوظ تھے۔'' ہمیں کوئی خوف بھی نہ تھا کہ ہم مسیح کی برکتیں ساتھ لئے پھرتے تھے۔ دادا جان پر نگاہ ڈالتے ہوئے وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا۔''ہاں مسٹر برڈن۔ یہ میری ہڈ بیتی اس لئے میں اسے جانتا ہوں۔ سارے سپاہیوں کو بھی اس کی خبر ہے۔ جب ہم میں اور پادری' سڑک سے گزرتے ہیں تو سارے راستے سپاہیوں سے ہماری مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ وہ مارچ کر رہے ہوتے ہیں اور افسر گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ ان سب افسروں کو جب یہ پتہ چلتا ہے کہ کپڑے کے اندر میں کیا لئے جا رہا ہوں تو وہ گھوڑوں کو کھینچتے ہیں اور جب تک ہم گزر نہیں جاتے وہ سڑک پر سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں۔ بس یہی وجہ ہے کہ مجھے اپنے ہم وطن پر افسوس ہو رہا ہے جو نہ صرف برکت کے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوا ہے بلکہ ایک ایسے طریقے سے مرا ہے جو اس کی روح کے لئے اچھا نہیں۔ میں اس کے گھر والوں کے لئے بھی رنجیدہ ہوں۔''

یہ باتیں ہم نے توجہ کے ساتھ سنیں۔ اس کے صاف گو اور جرات مندانہ ایمان کی تعریف نہ کرنا محال تھا۔

دادا جان کہنے لگے''مجھے ایسے نوجوان سے مل کر ہمیشہ خوشی ہوتی ہے جو ان چیزوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچتا ہے اور ان لوگوں میں کبھی شامل نہ ہوں گا جو یہ کہتے ہیں کہ جب تم سپاہیوں کی خدمت کر رہے تھے تو اس وقت تم خدا کی حفاظت میں نہ تھے۔''

کھانے کے بعد طے یہ بھی ہوا کہ جیلی نک برف کھرچنے والے آلے کو ہمارے دو

MashalBooks.com

مضبوط سیاہ فارمی گھوڑوں سے باندھ کر شمردوں کے گھر تک راستہ صاف کرے گا تا کہ ضرورت پڑنے پر چھکڑا وہاں تک پہنچ سکے۔فش نے کفن سازی کا کام شروع کر دیا۔گرد و پیش کے علاقے میں کوئی اور شخص یہ کام کرنے والا نہ تھا۔

جیلی نک نے اپنا بھیڑیئے کی کھال والا کوٹ پہنا۔ہم نے اسے سراہا تو کہنے لگا کہ بھیڑیوں کا شکار اس نے خود کیا تھا اور کھال بھی خود ہی اتاری تھی۔پھر اس کے ایک ساتھی جان بوسکانے' جو وی آنا میں کھال کا کام کرتا رہا تھا' یہ کوٹ تیار کر دیا تھا۔پون چکی سے میں نے جیلی نک کو باڑے سے دو سیاہ گھوڑوں کے ساتھ آتے اور پھر کھیتوں کی طرف پہاڑی کی طرف سے اپنا کام کرتے دیکھا۔کبھی کبھی اس کے چاروں طرف اس قدر برف اٹھتی کہ وہ مکمل طور پر اس میں چھپ جاتا۔پھر وہ اور گھوڑے چمکتے ہوئے اس میں سے ظاہر ہوتے۔

ہمارے بڑھئی والے بھاری بنچ کو باڑے سے لانے اور نیچے باورچی خانے میں لے جانا پڑا۔فش نے تختوں کے ڈھیر میں سے بورڈ منتخب کئے۔یہ تختے دادا جان گزشتہ موسم خزاں میں جئی کے گودام کا نیا فرش تیار کرنے کے لئے لائے تھے۔کاٹھ کباڑ اور اوزار جب اکٹھے کر لئے گئے' دروازے دوبارہ بند ہو گئے اور یخ بستہ ہواؤں کی راہ رک گئی تو دادا جان گھوڑے پر سوار ہو کر' طبی افسر سے ملنے کی خاطر' شمردوں کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔فش نے کوٹ اتارا اور کام میں جت گیا۔اس کی کام کرنے والی میز پر بیٹھ کر میں جائزہ لینے لگا۔پہلے تو اس نے اوزاروں سے کام لینے کے بجائے کافی عرصے تک کاغذ پر خاکے بنائے۔پھر تختوں کا ماپ لیا اور ان پر نشان لگائے۔کام کے دوران وہ ہولے ہولے سیٹی بجاتا یا پھر دل لگی سے اپنے آدھے کان کو کھینچتا رہا۔دادی اماں یوں خاموشی سے حرکت کر رہی تھیں کہ کہیں اس کے کام میں رکاوٹ نہ پڑے آخر کار اس نے اپنا مسطر لپیٹا اور مسرور چہرے کے ساتھ ہمیں دیکھنے لگا۔

''میرے کام کا مشکل ترین حصہ تو ہو گیا ہے'' اس نے اعلان کیا۔سر والے حصے میں مجھے مشکل پیش آتی ہے اور خاص طور پر اس وقت جب مجھے پریکٹس نہ رہی ہو۔'' چھینی کو ٹٹولتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی' ''مسز برڈن آخری بار کفن میں سلور ٹن' کو لور یڈو میں بلیک ٹا گرمائن کے مقام پر ایک شخص کے لئے بنایا تھا۔اس کان کا منہ پہاڑی کے رخ تک چلا گیا تھا۔چنانچہ وہ لوگ ہمیں ایک ڈولچی میں رکھ کر ٹرالی کر ذریعے کان کے راستے پر ڈال دیتے

تھے۔ایک بار دو سویڈنی باشندے اس ڈولچی میں سے گر بھی گئے تھے۔لیکن تعجب کی بات ہے کہ دوسرے ہی روز وہ دوبارہ کام پر آ گئے سچ ہے کہ سویڈنی کو پچھاڑا نہیں جا سکتا۔تاہم میرے زمانے میں ایک الطالوی نے اونچی ڈبکی لگانا چاہی اور اس کے معاملے میں نتیجہ مختلف نکلا۔اب کی طرح تب بھی ہم برف میں گھرے ہوئے تھے اور کیمپ میں صرف میں ایسا شخص تھا جو کفن تیار کر سکتا تھا۔ یہ کام اس شخص کے لئے مشکل نہیں جس نے میری طرح در در کی ٹھوکریں کھائی ہوں۔''

''اوٹو اگر تمہیں یہ کام نہ آتا تو ہم اس وقت بڑی مشکل میں ہوتے'' دادی اماں کہنے لگیں۔

''ہاں مادام۔یہ تو ہے۔'فش نے قدرے گھمنڈ کے ساتھ کہا۔''صرف چند لوگوں کو ہی اچھے کفن تیار کرنے کا فن آتا ہے۔کبھی کبھی مجھے خیال آتا ہے کہ آیا میرا کفن تیار کرنے والا کوئی ہوگا۔خیر' مجھے اس کی زیادہ فکر نہیں۔''

ساری سہ پہر گھر سے کفن سازی کی آوازیں آتی رہیں۔ یہ ایسی خوش گوار آوازیں تھیں جو زندہ لوگوں کو نئی امیدوں سے ہمکنار کر رہی تھیں۔ ہاں' یہ بات تاسف کی تھی کہ پائن کے یہ تازہ تختے اس قدر جلد مٹی کے نیچے دبائے جانے والے تھے۔میں یہ سوچ رہا تھا کہ آخر فش نے چوکھٹے بنانے کا کام ہی اختیار کیوں نہ کر لیا تھا۔اوزاروں سے وہ یوں کام لے رہا تھا جیسے انہیں چھو کر خوشی حاصل کر رہا ہو۔رندہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ تختے پر یوں آگے پیچھے حرکت کر رہے تھے جیسے وہ تختوں کو برکت دے رہا ہو۔کبھی کبھی وہ جرمن حمدیں گانے لگتا۔۔۔۔گویا یہ کام اس کے لئے ایام گزشتہ کی تجدید کا سبب بنا ہو۔

چار بجے پوسٹ ماسٹر' مسٹر بشی ایک ہمسائے کے ساتھ جو کہ ہمارے مشرقی سمت میں رہتا تھا' گرم ہونے کے لئے اندر چلے آئے۔ وہ دونوں شمردوں کی طرف جا رہے تھے۔ برف نے اگرچہ راستے بند کئے ہوئے تھے' پھر بھی مسٹر شمردا کی وفات کے خبر علاقے میں پھیل چکی تھی۔مہمانوں کی تواضع دادی اماں نے شوگر کیک اور گرم کافی سے کی۔ان کے جانے سے پہلے بیوہ سٹیونز کا بھائی' جو کہ بلیک ہاک کی سڑک پر رہتا تھا' ہمارے ہاں آ نکلا۔اس کے پیچھے پیچھے جرمن گھرانے کا باپ بھی پہنچ گیا۔ یہ گھرانہ جنوب کی سمت ہمارا قریب ترین ہمسایہ تھا۔ یہ سب لوگ ڈرائنگ روم میں ہمارے ساتھ اکٹھے ہو گئے اور سب کے سب خودکشی کے بارے

میں کوئی بات جاننے کے مشتاق تھے۔انہیں یہ فکر بھی لاحق تھی کہ مسٹر شمردا کو دفن کہاں کیا جائے گا۔قریب ترین کیتھولک قبرستان بلیک ہاک میں تھا اور کئی ہفتوں تک چھکڑے وہاں جا نہ سکتے تھے۔پھر یہ بھی ہے کہ مسٹر بشی اور دادی اماں دونوں کو پکا یقین تھا کہ جس شخص نے اپنی جان خود لی ہو' اسے کیتھولک قبرستان میں دفن نہیں کیا جا سکتا۔ناروی گرجے کے پاس بھی ایک قبرستان تھا۔شاید ناروی لوگ مسٹر شمردا کو قبول کر لیں۔

مہمانوں کے جانے کے بعد ہم لوگ باورچی خانے میں اٹھ آئے۔چاکلیٹ کیک تیار کرنے کے لئے دادی اماں شکر کہ تہہ بنانے لگیں گھر میں اوٹو کے رندے کی آواز پھر سے آنے لگی۔اس وقت کے بارے میں ایک خوش گوار بات یہ تھی کہ اس شام ہر کوئی معمول سے زیادہ بول رہا تھا۔اس سہ پہر سے پہلے میں نے پوسٹ ماسٹر کی زبان سے ''یہ چٹھی آپ کے لئے'' یا'' آج تو میں آپ کے لئے ڈھیر ساری ڈاک لایا ہوں'' کے علاوہ کبھی کچھ نہ سنا تھا۔اور رہیں دادی اماں تو ان کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ اپنے آپ سے باتیں کرتی تھیں یا اپنے خدا سے۔۔۔۔گویا گھر میں کوئی ان کی بات سننے والا نہ ہو۔دادا جان ویسے ہی فطرتاً کم گو تھے اور جیک اور اوٹو شام کے کھانے کے بعد عموماً تھکے ہارے ہوتے تھے۔مجھے لگتا یوں تھا جیسے میرے چاروں طرف خاموشی کی دیواریں ہوں۔۔۔۔اور اب ہر کوئی بول رہا تھا۔اس سہ پہر کو فش نے مجھے پے در پے کئی کہانیاں سنا ڈالیں۔۔۔۔بلیک ٹائیگر مائن کے بارے میں' تشدد اموات اور بے نیازانہ کفن دفن کے بارے میں اور مرنے والے لوگوں کے عجیب وغریب وہموں کے بارے میں۔اس کا کہنا یہ تھا کہ جب تک آپ کسی شخص کو مرتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔اس وقت تک آپ اسے حقیقی طور پر جان نہیں سکتے۔اکثر لوگ دلیر ہوتے ہیں اور وہ کسی دریغ کے بغیر آگے راہ لیتے ہیں۔

گھر جاتے ہوئے پوسٹ ماسٹر ایک پل کو رکا اور اس نے یہ پیغام دیا کہ دادا جان رات ٹھہرانے کے لئے موت کے سبب کی تفتیش کرنے والی طبی افسر کے ساتھ لے کر آئیں گے۔اس نے یہ بھی بتایا کہ جاروی گرجے کے حکام نے میٹنگ کی تھی اور فیصلہ یہ کیا تھا کہ مسٹر شمردا کو ناروی قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

دادی اماں نے یہ سنا تو برہم ہو گئیں۔''یہ غیر ملکی اگر اتنے ہی فرقہ پرست ہیں تو پھر ہمیں ایک امریکی قبرستان بنانا ہوگا' جو زیادہ لبرل ہوگا۔میرے ساتھ اگر کچھ ہو جائے تو میں

ان نارویوں کو ہرگز اس امر کے اجازت نہ دوں گی کہ وہ یہ طے کریں کہ آیا میں ان کے درمیان دفن ہونے کی اہل ہوں یا نہیں۔''

جلد ہی دادا جان لوٹ آئے۔ انسطون جیلی نک اور وہ معزز صاحب' طبی افسر' بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ طبی افسر سلیم الطبع لیکن فکرمند بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے امریکی خانہ جنگی کے دن دیکھے تھے اور اس کی قمیض کی ایک آستین خالی لٹک رہی تھی۔ لگتا تھا کہ اس کے خیال میں یہ معاملہ الجھن میں مبتلا کرنے والا تھا۔ اس نے بتایا کہ اگر دادا جان نے دخل نہ دیا ہوتا تو اس نے کریجک کے خلاف وارنٹ جاری کر دینا تھا۔ ''اس طور طریقے اور زخم سے اس کی کلہاڑی کی مناسبت اسے مجرم ثابت کرنے کے لئے کافی تھی۔''

یہ بات اگرچہ قطعی طور پر واضح تھی کہ مسٹر شمردا نے اپنی جان خود ہی لی تھی' لیکن اس کے باوجود' جیک اور طبی افسر دونوں کا خیال تھا کہ کریجک کے ساتھ ضرور کچھ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کا طرز عمل کسی مجرم جیسا تھا۔ یقینی بات ہے کہ وہ بہت زیادہ خوف زدہ تھا اور شاید وہ مسٹر شمردا کے دکھ درد اور تنہائی سے اپنی بے اعتنائی کے حوالے سے ضمیر کی خلش بھی محسوس کر رہا تھا۔

کھانے پر لوگ بھوکے شیروں کی طرف ٹوٹ پڑے۔ میں آس لگائے بیٹھا تھا کہ چاکلیٹ کیک دوسرے روز تک چلے گا' لیکن اس کا دوسرے راؤنڈ ہی میں صفایا ہو گیا۔ وہ سب کے سب جوش و خروش کے ساتھ اس مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے کہ مسٹر شمردا کہ کہاں دفن کیا جائے نتیجہ میں یہ اخذ کیا کہ سارے ہمسائے کسی بات کے متعلق فکرمند تھے۔ پتہ یہ چلا کہ مسز شمردا اور امبروش یہ چاہ رہے تھے کہ مسٹر شمردا کہ ان کی اپنی اراضی کے جنوب مغربی کونے میں سپرد خاک کیا جائے۔ دادا جان نے امبروش کو بتایا تھا کہ جب اس علاقے میں جنگلے لگائے جائیں گے اور سڑکیں بنیں گی تو بالکل اسی کونے پر دو سڑکیں ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے گزریں گی۔ امبروش کا جواب بس یہ تھا کہ ''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

دادا جان نے جیلی نک سے استفسار کیا کہ آیا ان لوگوں کے پرانے وطن میں اس بارے میں کوئی توہم ہے کہ خودکشی کرنے والے شخص کو چوراہے پر دفن کیا جائے۔

جیلی نک نے بتایا کہ اسے علم نہیں۔ پھر بھی اسے خیال پڑتا تھا کہ بوہیمیا میں اس قسم کا کوئی رواج تھا۔ ''مسز شمردا نے پکا ارادہ کر لیا ہے'' اس نے کہنا شروع کیا۔ ''میں نے اسے

سمجھانے کی کوشش کی تھی اور جتلایا تھا کہ یہ بات اس کے سارے ہمسایوں کو بری لگی ہے۔لیکن وہ مانتی ہی نہیں اور کہتی ہے کہ ''میں تو اسے بس وہیں دفن کروں گی۔۔۔۔اگر میں نے خود قبر کھودی تو۔میں نے بھی اس سے وعدہ کیا ہے کہ کل قبر کھودنے میں امبروش کا ہاتھ بٹاؤں گا۔''

دادا جان نے اپنی داڑھی کے بال درست کئے۔''ہاں فیصلہ تو اس بی بی ہی نے کرنا ہے۔لیکن اگر وہ یہ سمجھتی ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ رہے جب علاقے کے لوگ اس بڈھے کے سر پر سے گزرا کریں گے، تو پھر وہ غلطی پر ہے۔''

(16)

مسٹر شمردا کی لاش چار دنوں تک باڑے میں پڑی رہی اور پانچویں روز اسے دفنایا گیا۔ جمعے کا سارا دن جیلی نک اور امبروش پرانے بیلچوں کے ذریعے جمی ہوئی زمین کھود کر قبر بناتے رہے۔ ہفتے کے روز ہم لوگوں نے سورج طلوع ہونے سے پہلے ناشتہ کیا اور پھر کفن لے کر چھکڑے میں سوار ہو گئے۔ جیک اور نک گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے نکل گئے تا کہ لاش کو جمے ہوئے خون سے صاف کریں۔

دادی اماں اور میں جب شمردوں کے گھر پہنچے تو وہاں صرف خواتین ہی تھی۔ امبروش اور ماریک باڑے میں تھے۔مسز شمردا الجاحت کے عالم میں چولہے کے پاس پڑی تھیں اور انطونیا برتن مانجھ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اندھیرے کونے سے بھاگتی ہوئی آئی اور مجھے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔''ہائے جمی'' سسکیاں لیتے ہوئے وہ کہنے لگی۔''میرے پاپا کے متعلق تم کیا سوچتے ہو؟'' جب وہ میرے ساتھ چپکی ہوئی تھی تو مجھے لگ رہا تھا کہ ابھی اس کا دل پھٹ پڑے گا۔

چولہے کے پاس ٹنڈ پر بیٹھی ہوئی مسز شمردا کندھوں کے اوپر سے دروازے کو دیکھے جا رہی تھی۔جس سے ہمسائے آ رہے تھے۔ پوسٹ ماسٹر کے سوا سب لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے تھے۔ پوسٹ ماسٹر اپنے اہل خانہ کے ساتھ چھکڑے کی صاف کی ہوئی واحد بگ ڈنڈی پر، چھکڑے میں آیا تھا۔ بیوہ سٹونیز اپنے فارم سے آٹھ میل کا فاصلہ طے کر کے آئی۔سردی کی وجہ سے عورتیں تنگ و تاریک گھر کے اندر جمع ہونے لگیں اور جلد ہی وہاں ہجوم ہو گیا۔ہلکی ژالہ باری ہونے لگی تھی۔سب لوگوں کو خدشہ تھا کہ کہیں ایک اور طوفان نہ آ جائے۔اس لئے وہ تجہیز و تکفین

کے معاملے کو جلد از جلد نمٹانے چاہتے تھے۔

دادا جان اور جیلی نک مسز شمردا کو یہ بتانے کے لئے آئے کہ سب کچھ تیار ہے۔ ماں کو ہمسایوں کے لائے ہوئے کپڑے عجلت میں پہنا کر انطونیا نے ہمارے گھر سے آئی ہوئی بے آستین کی قبا اوڑھی اور خرگوش کی کھال والی وہ ٹوپی لے لی جو اس کے باپ نے اس کے لئے بنائی تھی۔ چار آدمی مسٹر شمردا کا صندوق اٹھا کر پہاڑی کی طرف روانہ ہوئے کریجک چپکے چپکے ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ کفن اس قدر چوڑا تھا کہ دروازے میں سے گزارہ نہ جا سکتا تھا۔ لہذا نکالنے کے لئے اس پشت کی ڈھلوان استعمال کی گئی۔ گھر سے باہر کھسک کر میں نے مسٹر شمردا کی جھلک دیکھی۔ وہ پہلو کے رخ لیٹا تھا اور اس کے گھٹنے اوپر کو کئے ہوئے تھے۔ اس کا جسم سیاہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا جب کہ سر پر سفید ململ کی پٹی بندھی تھی۔۔۔۔ جیسے کہ وہ کسی ممی کا سر ہو۔ اس کا ایک لمبا اور خوش نما ہاتھ کالی چادر میں سے باہر نکلا ہوا تھا۔ مسٹر شمردا کو اب بس اسی قدر دیکھا جا سکتا تھا۔

مسز شمردا باہر آئی اور اس نے دعاؤں کی ایک کھلی کتاب اپنے شوہر کی لاش پر الٹی رکھ دی اور اپنی انگلیوں کے ساتھ اس کے پٹیوں سے بندھے ہوئے سر پر صلیب کا نشان بنایا۔

امبروش جھکا اور اس نے بھی یہی نشان بنایا۔ انطونیا اور ماریک نے اس کی پیروی کی۔ البتہ یوسکا پیچھے کھڑی رہی۔ ماں نے اسے آگے کی طرف دھکیلا اور ساتھ ہی ساتھ اس سے کچھ کہتی بھی رہی یوسکا جھکی' آنکھیں بند کیں' ہاتھ تھوڑا سا باہر کو نکالا۔ لیکن پھر فوراً ہی کھینچ لیا اور دیوانہ وار چیخنے لگی۔ وہ پٹی کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ مسز شمردا نے اسے کندھے سے پکڑ کر کفن کی طرف دھکیل دیا۔ تاہم دادی اماں نے اس مرحلے پر دخل دیا۔

''نہیں' مسز شمردا'' انہوں نے سختی سے کہا۔

''میں اس بچی کو خوف کا دورہ پڑتے برداشت نہ کروں گی۔ وہ اس قدر چھوٹی ہے کہ تمہاری بات سمجھ نہیں سکتی جانے دو اسے۔''

دادا جان کی طرف سے آنکھ کا اشارہ پاتے ہی فش اور جیلی نک نے صندوق پر ڈھکن رکھ دیا اور اسے مسٹر شمردا کی جانب لے جانے لگے۔ مجھے انطونیا کو دیکھنے سے ڈر آتا تھا۔ اس نے یوسکا کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

کفن کو چھکڑے پر رکھا گیا اور آہستہ آہستہ ہم روانہ ہوئے۔ ہلکی ہلکی برف ریت کے

زروں کی مانند ہمارے چہروں پر گر رہی تھی۔ قبر پر جب ہم پہنچے تو برف سے ڈھکے ہوئے اس ویرانے میں وہ بہت چھوٹا سا دھبہ دکھائی دے رہی تھی۔ کفن کو اس سوراخ کے کنارے تک پہنچایا گیا اور پھر رسیوں کے ذریعے اسے قبر میں اتار دیا گیا۔ ہم کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور برف کے ذرے پگھلے بغیر، مردوں کی ٹوپیوں اور کندھوں پر اور عورتوں کی چادروں پر گر رہے تھے۔ ترغیبی لہجے میں جیلی نک نے مسز شمردا سے بات کی اور پھر دادا جان کی طرف رخ کیا۔

''مسٹر برڈن، اس خاتون کا کہنا ہے کہ اسے اس بات سے بہت خوشی ہوگی کہ اگر آپ ہمسایوں کی خاطر انگریزی زبان میں دعا مانگیں۔''

دادی اماں نے فکرمندی سے دادا جان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اپنی ٹوپی اتار دی تھی اور دوسرے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ میرے خیال میں دادا جان کی دعا پر اثر تھی۔ اب بھی مجھے وہ دعا یاد ہے۔ انہوں نے کہا تھا ''اوہ، عظیم اور منصف خدا، ہم انسانوں میں سے کوئی نہیں جانتا۔ جو کچھ سونے والا جانتا ہے۔ نہ ہی یہ ہمارے بس میں ہے کہ ہم اس بارے میں رائے دے سکیں جو تمہارے اور اس کے درمیان ہے۔'' اپنی دعا میں دادا جان نے بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ خدائی وعدوں کا ذکر کیا اور اس بیوہ اور اس کے بچوں کے لئے زندگی کی راہ کو آسان بنانے اور ''اس کے ساتھ انصاف سے کام لینے کے لئے لوگوں کے دلوں میں رغبت پیدا کرنے'' کے لئے دعا مانگی۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ مسٹر شمردا کو ہم ''تمہاری انصاف گاہ پر چھوڑے جا رہے ہیں جو تمہاری رحم گاہ بھی ہے۔''

دادا جان جب تک دعا مانگتے رہے، دادی اماں اپنے دستانے کی سیاہ انگلیوں کے درمیان سے انہیں دیکھتی رہیں اور جب انہوں نے ''آمین'' کہا تو لگتا تھا کہ دادی اماں نے بھی سکھ کا سانس لیا تھا۔ اب انہوں نے فش سے سرگوشی کی۔ ''بھئی اوٹو، تم کوئی حمد نہیں سنا سکتے؟'' وہ ذرا کم مشرکانہ محسوس ہوگی۔''

فش نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آیا مشورے کو دوسروں کی تائید حاصل ہے، پھر اس نے حمد شروع کی۔۔۔۔ ''یسوع، میری روح کو چاہنے والا۔'' تمام عورتیں اور مرد بھی حمد گانے میں اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ جب بھی میں یہ حمد سنتا ہوں، بیتے ہوئے دنوں کا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آ جاتا۔

برس ہا برس کے بعد جب کھلی چراگاہوں کے دن بیت گئے۔ جب زمین جوت

جوت کر مرغزار سے سرخ گھاس کا صفایا کر دیا گیا۔ جب تمام کھیتوں کے گرد جنگلے بن گئے اور جب ٹوٹی ہوئی راہوں کے بجائے باقاعدہ سڑکیں بن گئیں تو بھی۔۔۔۔ مسٹر شمردا کی قبر وہیں تھی۔ اس کے چاروں طرف تار دار جنگلا تھا اور ایک بے روغن صلیب وہاں لٹک رہی تھی۔ جیسا کہ دادا جان نے پیش گوئی کی تھی۔ مسز شمردا قبر پر سے سڑکوں کو گزرتے کبھی نہ دیکھ سکی۔ قبر کے قریب پہنچ کر شمال سے آنے والی سڑک کو جنوب کی طرف خم دے دیا گیا تھا۔ اس طرح قبر ایک چھوٹا سا جزیرہ بن گئی تھی جس پر لمبی لمبی سرخ گھاس اگی ہوئی تھی۔ یہ گھاس کبھی کاٹی نہ گئی تھی۔ تاروں بھری رات میں، یا جب نیا چاند نمودار ہوتا یا پھر جب شام کا ستارہ چمک رہا ہوتا تو یہ گرد آلود سڑکیں دھیرے دھیرے بہنے والے ایسے سیاہی مائل سفید دریا کی مانند دکھائی دیتیں جو قبر کے پہلو سے گزر رہے ہوں۔ جب میں وہاں سے گزرتا، ایک جذباتی کیفیت سی مجھ پر طاری ہو جاتی اس پورے علاقے میں زمین کے اس ٹکڑے سے زیادہ عزیز میرے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ وہم بھی مجھے عزیز تھا جس کے سبب قبر وہاں نہ تھی۔ اور مجھے وہ جذبہ بھی اچھا لگتا تھا جس نے اس جگہ کو سڑکوں کی زد میں آنے سے روک دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی چھکڑے والا بھی اس جگہ سے مرحوم کے لئے دعائے خیر کئے بغیر نہ گزرا ہوگا۔

(17)

اس کٹھ سرم کے بعد بہار کے دن آئے تو چاروں طرف سبک رفتار ہوائیں چلنے لگیں۔ ہر صبح میں اس تازہ شعور کے ساتھ سیر کرتا کہ سرما کے دن بیت گئے ہیں۔ اس علاقے میں بہار کی ان میں سے کوئی علامت بھی نہ تھی جن کو میں ورجنیا میں دیکھا کرتا تھا۔۔۔۔ شگوفوں سے لدے پھندے جنگل تھے اور نہ ہی پھولوں بھرے باغ۔ وہاں تو بس بہار خود ہی چلی آئی تھی۔ ہلکی سی بے قراری کے روپ میں چاروں طرف اس کی ہلچل تھی۔۔۔ آسمانوں میں، مچلتے ہوئے بادلوں میں، پیلی پیلی دھوپ میں اور گرم ہواؤں میں۔۔۔۔ یہ بے قراری کبھی اچانک بڑھ جاتی اور کبھی فوراً کم ہو جاتی تھی۔۔۔۔ اس شریر پلے کی طرح جو آپ کو پنجے مارے اور پھر پیار کروانے کیلئے لیٹ جائے۔

اب چاروں طرف جلتی ہوئی گھاس کی بو پھیل رہی تھی۔ نئی گھاس کے اگنے سے پہلے ہمارے پڑوسیوں نے چراگاہوں کو آگ لگا دی تھی تاکہ نئی اگنے والی گھاس میں گزشتہ برس کی

مردار گھاس کی آمیزش نہ ہو۔ چاروں طرف لگی ہوئی یہ ہلکی اور سبک آگ اس روشنی کا حصہ بن گئی تھی جو فضاؤں میں پھیلی ہوئی تھی۔

اس وقت تک شمردا گھرانا اپنے نئے چوبی گھر میں منتقل ہو چکا تھا۔ مارچ کے مہینے میں پڑوسیوں نے اس گھر کی تعمیر میں ہاتھ بٹایا تھا۔ یہ گھر ان کی پرانی کٹیا کے بالکل سامنے تھا۔ پرانے گھر کو انہوں نے گودام کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب اس گھرانے کے پاس وسائل آ گئے تھے کہ وہ اراضی کے ساتھ اپنی جدوجہد کا آغاز کر سکیں۔ اب ان کے پاس رہنے کیلئے چار آرام دہ کمرے' ایک نئی پن چکی۔۔۔۔ جو ادھار پر خریدی گئی تھی۔۔۔۔ اور ایک مرغی خانہ تھا۔ مسز شمردا نے دودھ دینے والی گائے حاصل کرنے کیلئے دادا جان کو دس ڈالر ادا کر دیئے تھے اور پہلی فصل کی کٹائی کے فوراً بعد وہ مزید پندرہ ڈالر ادا کرنے والی تھی۔

اپریل کی ایک ہوادار سہ پہر کو میں گھوڑے پر سوار ہو کر شمردوں کے گھر گیا تو یوسکا بھاگ کر مجھے ملنے آئی۔ اب میں اسے پڑھایا کرتا تھا۔ انطونیا دوسرے کاموں میں مصروف ہو گی تھی۔ گھوڑے کو باندھ کر میں باورچی خانے کی طرف گیا جہاں مسز شمردا خشخاش کے دانے چباتے ہوئے روٹی پکا رہی تھی۔ ان ایام تک وہ اس قدر انگریزی ضرور بولنے لگی تھی کہ مجھ سے اس بارے میں بہت سے سوالات پوچھ سکے کہ کھیتوں میں ہمارے آدمی کیا کر رہے تھے۔ غالباً اسے یہ وہم تھا کہ میرے بزرگ اسے مفید معلومات مہیا کرنے سے ہچکچاتے ہیں اور یہ کہ وہ میرے ذریعے قیمتی راز حاصل کر سکتی ہے۔ اس موقع پر اس نے چالاکی سے مجھ سے یہ پوچھا کہ دادا جان غلے کی کاشت کب تک شروع کریں گے۔ میں نے اسے بتایا اور ساتھ ہی یہ اضافہ کر دیا کہ دادا جان خشک بہار کے خواہش مند تھے کیونکہ پچھلے سال زیادہ بارشیں غلے کو بہا کر لے گئی تھیں۔

عیارانہ نظر سے اس نے مجھے دیکھا۔ ''خیر وہ کوئی مسیح نہیں'' شوخ چشمی سے وہ کہنے لگی ''خشک اور تر کی اسے کوئی خبر نہیں''۔

میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر اس کا فائدہ ہی کیا تھا؟ کھیتوں سے امبروش اور انطونیا کی واپسی کا انتظار کرنے کے دوران میں مسز شمردا کو کام کاج کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ تنور سے اس نے ایک اکفی کیک نکالا جس کو وہ شام کے کھانے تک گرم رکھنا چاہتی تھی اور اسے پروں سے بھرے ہوئے طاف میں لیٹ دیا۔ خیر میں نے تو اسے ایک روسٹ بطخ کو بھی

گرم رکھنے کی خاطر لحاف میں لپیٹتے دیکھا تھا۔ نئے مکان کی تعمیر کے سلسلے میں پڑوسی جب یہاں تھے تو انہوں نے بھی یہ منظر دیکھا تھا۔ یوں قصہ مشہور ہو گیا کہ شمردا اپنی خوراک کو لحافوں میں لپیٹ کر گرم رکھتا ہے۔

انطونیا جب لوٹی تو سورج غروب ہونے کو تھا۔ خدایا! ان آٹھ مہینوں میں وہ کس قدر بڑی ہو گئی تھی۔ جب وہ ہمارے پاس آئی تھی تو بچی سی تھی۔۔۔۔ اور اب وہ ایک لمبی اونچی صحت مند جوان دوشیزہ تھی' حالانکہ اس کی پندرہویں سالگرہ چند روز پہلے ہی گزری تھی۔ جب وہ اپنے گھوڑوں کو پانی پلانے کی خاطر پون چکی کی طرف لا رہی تھی تو میں بھاگ کر اسے ملنے گیا۔ اس نے وہ جوتے پہن رکھے تھے جو اس کے باپ نے دانائی سے کام لیتے ہوئے' خود پر گولی چلانے سے پہلے اتار دیئے تھے۔ باپ کی اس نے پرانی سمور کی ٹوپی بھی پہن رکھی تھی۔ سارا دن وہ اپنی آستین اوپر چڑھائے رکھتی تھی اور اس کے بازو اور گلہ کسی ملاح کے جسم کی طرح دھوپ میں جل کر براؤن ہو چکا تھا۔ جس طرح گھاس کے قطعے سے کسی درخت کا تنا نکلتا ہے' اسی طرح انطونیا کی گردن تناوری سے اس کے کندھوں سے نکلی ہوئی تھی۔ پرانے علاقوں میں کسان عورتوں میں اس قسم کی گردنیں نظر آ جاتی ہیں۔

خوش دلی سے میرا اس نے استقبال کیا اور فوراً ہی بتانے لگی کہ اس روز اس نے کس قدر زمین پر ہل چلایا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ امبروش شمالی کونے میں تھا اور بیلوں کی مدد سے گھاس صاف کر رہا تھا۔

''جم' تم جیک سے پوچھنا تو سہی کہ اس نے کس قدر زمین جوتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ ایک دن میں مجھ سے زیادہ کام کرے۔ میری خواہش ہے کہ اس موسم خزاں میں ہمارے پاس بہت سا غلہ ہو''۔

گھوڑے جب پانی پی رہے تھے اور ایک دوسرے کو تھوتھنی مارتے ہوئے دوبارہ پانی کی طرف متوجہ ہو رہے تھے تو انطونیا پون چکی کے قدم پر بیٹھ گئی اور سر کو اپنے ہاتھ پر ٹیک دیا۔

''کیا تمہیں اپنے گھر سے گھاس کے میدان میں لگی ہوئی آگ کل رات دکھائی دی تھی؟''

''نہیں۔ ہم نے نہیں دیکھی۔ ویسے میں تم سے ایک بات پوچھنے کیلئے آیا ہوں۔ دادی اماں پوچھ رہی تھیں کہ آیا تم ایک ٹرم کیلئے سکول جانا چاہو گی۔ ٹونی یہ ٹرم اگلے ہفتے شروع

ہوگی۔ دادی اماں کہتی ہیں کہ وہاں ایک اچھی ٹیچر ہے اور تم بہت کچھ وہاں سیکھو گی''۔

میری بات سن کر انطونیا اٹھ کھڑی ہوئی اور یوں کندھے اچکانے لگی گویا وہ اکڑے ہوئے ہوں۔ ''مجھے کچھ نہیں سیکھنا ہے۔ مردوں کی طرح کام کر سکتی ہوں اب میں۔ میں اب یہ نہیں کہہ سکتی کہ امبروش سارا دن جان مارتا ہے اور کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں۔ اس کے برابر کام کر سکتی ہوں میں۔ سکول چھوٹے بچوں کیلئے ٹھیک ہے۔ میں اس زمین کو اچھا کھیت بنانے میں مدد دے رہی ہوں۔''

گھوڑوں کو جوڑی کو لے کر انطونیا باڑے کی طرف جانے لگی۔ میں آزردہ ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اچھا تو کیا وہ بڑی ہو کر اپنی ماں کی طرح شیخی خور بنے گی؟ یہ سوال میرے ذہن میں گردش کرنے لگا۔ اصطبل تک پہنچنے سے پہلے مجھے اس کی خاموشی میں تناؤ سا محسوس ہونے لگا۔ جونہی اس پر میری نظر پڑی' میں نے دیکھا کہ وہ رو رہی تھی۔ میری طرف سے اس نے منہ پھیر لیا اور مرغزار پر غروب ہوتی ہوئی سرخ لکیر کو دیکھنے لگی۔

انطونیا جب گھوڑوں کو کھول رہی تھی تو میں چھت پر چڑھ کر اس کے لئے گھاس نیچے پھینکنے لگا۔ بعد ازاں ہم آہستہ آہستہ گھر کی طرف واپس جانے لگے۔ امبروش بھی واپس آ چکا تھا اور اب تالاب پر اپنے بیلوں کو پانی پلا رہا تھا۔

انطونیا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''جمی' کبھی تم مجھے وہ ساری اچھی باتیں بتانا جو تم سکول میں سیکھتے ہو۔ ٹھیک ہے ناں؟'' جذبے سے مغلوب لہجے میں اس نے مجھ سے کہا۔ ''میرا باپ کافی عرصہ سکول جاتا رہا تھا۔ وہ بہت کچھ جانتا تھا۔۔۔۔ ایسے اچھے کپڑے بنانا بھی جو یہاں نہیں ہوتے۔ ہارن اور وائلن بھی وہ بجاتا تھا اور ایسی بہت سے کتابیں پڑھتا تھا جن کے بارے میں' بوہیمیا میں پادری اس سے گفتگو کرنے آیا کرتے تھے۔ جم' تم میرے باپ کو تو نہ بھولو گے ناں؟'

''نہیں'' میں نے کہا ''کبھی اسے نہ بھول پاؤں گا۔''

مسز شمرد انے مجھے شام کے کھانے تک رکنے کو کہا۔ باورچی خانے کے دروازے کے ساتھ لگے ہوئے واش بیسن سے انطونیا اور امبروش نے منہ ہاتھ دھوئے اور ہم سب موم کپڑے سے ڈھکی ہوئی میز پر بیٹھ گئے۔ مسز شمرد انے آہنی برتن سے دلیا نکالا اور اس پر دودھ انڈیل کر ہم سب کو دیا۔ دلیے کے بعد ہم نے کھانا کھایا اور پھر کافی کے بعد اس کیک کی باری

آئی جسے گرم رکھنے کی خاطر پروں میں دبا کر دکھا گیا تھا۔ انطونیا اور امبروش بوہیمی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ جھگڑا ان میں یہ چل رہا تھا کہ آج کس نے زیادہ ہل چلایا ہے اپنے نوالے جلدی جلدی ہڑپ کرتے ہوئے مسز شمرد اہنستی جاتی تھی اور ان دونوں کو اکسا رہی تھی۔

کسی قدر خفگی کے ساتھ امبروش نے اب انگریزی میں کہا۔ ''اچھا تو کل تم بیل لے کر گھاس کے تختے پر ہل چلانا' پھر میں دیکھوں گا تم کتنا کام کرتی ہو۔''

اس کی بہن ہنسنے لگی۔

''پاگل نہ بنو۔ مجھے پتہ ہے کہ کتنا سخت کام ہے یہ۔ تم کہو تو کل تمہارے لئے دودھ دوھ دوں۔''

مسز شمرد انے اچانک میری طرف رخ کیا۔ ''یہ گائے اتنا دودھ نہیں دیتی جتنا تمہارے دادا نے کہا تھا۔ اگر وہ پندرہ ڈالر کا تقاضا کرتا ہے تو میں گائے واپس بھیج دوں گی۔''

''وہ پندرہ ڈالر کا تقاضا نہیں کر رہے'' میں نے برہمی سے وضاحت کی۔ نہ ہی وہ لوگوں میں کیڑے ڈالتے ہیں۔''

''وہ کہتا ہے کہ جب ہم مکان بنا رہے تھے تو میں نے اس کا آرہ توڑ دیا تھا'' امبروش نے شکایت کی۔

مجھے معلوم تھا کہ امبروش نے آرہ توڑا تھا' پھر اسے چھپا دیا تھا اور اس کے بارے میں جھوٹ بولنے لگا تھا۔ میں نے سوچا خیال آیا کہ کاش میں یہاں کھانے تک نہ رکا ہوتا۔ یہ شے ناگوار سی لگ رہی تھی۔ اب انطونیا مردوں کی طرح چپڑ چپڑ کر کے کھانے لگی تھی۔ میز پر وہ اکثر جمائیں لیتی اور سر پر یوں بازو اٹھائے رکھتی جیسے درد ہو رہا ہو۔ دادی اماں نے پہلے ہی کہا تھا کہ ''کھیتی باڑی کا سخت کام اس لڑکی کو خراب کر دے گا۔ اس کے نفیس آداب ختم ہو جائیں گے اور بھونڈے طور طریقے ان کی جگہ لے لیں گے۔'' وہ پہلے ہی ان آداب سے محروم ہو چکی تھی۔

کھانے کے بعد موسم بہار کے ستاروں کی مدھر روشنی میں' میں نے گھر کی راہ لی۔ سرما کے بعد سے انطونیا کے ساتھ میرا بہت کم میل ملاپ ہوا تھا۔ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک وہ کھتیوں میں رہتی تھی اگر میں کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں پہنچ جاتا جہاں وہ زمین جوت رہی ہوتی تھی تو وہ کھیت کے کنارے پہنچ کر بات کرنے کی خاطر ایک پل کو ٹھہرتی اور پھر ہل جوتنا شروع کر دیتی۔ یوں مجھے وہ یہ محسوس کرنے پر مجبور کر دیتی کہ اب وہ بڑی ہو گئی

ہو اور میرے لئے اس کے پاس کوئی وقت نہیں ہے۔ اتوار کے روز وہ سارا دن باغ کی دیکھ بھال یا سینے پرونے کے کام میں ماں کا ہاتھ بٹاتی۔ دادا جان انطونیا سے خوش تھے۔ ہم کبھی اس کی شکایت کرتے تو وہ مسکرا دیتے وہ کہتے ''زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے میں وہ کسی کے کام آئے گی۔''

انطونیا کی ترجیحات اب بدل گئی تھیں۔ یا تو وہ چیزوں کی قیمتوں کی چرچا کرتی رہتی یا پھر یہ بتاتی رہتی کہ وہ کس قدر بوجھ اٹھا سکتی ہے اور محنت کر سکتی ہے۔ اپنی قوت پر اسے بڑا ناز تھا۔ مجھے بھی معلوم تھا کہ امبروش نے اس پر کھیتی باڑی کا بوجھ اس قدر لاد دیا تھا جتنا کہ ایک لڑکی پر نہ ہونا چاہئے اور یہ کہ اردگرد کے کھیت مزدور انطونیا کے بارے میں فحش مذاق کرتے تھے۔ جب کبھی میں اسے ہل چلنے سے بننے والی نالی کی طرف آتے' ڈھور ڈنگر ہانکتے' دھوپ میں جلتے' پسینہ سے شرابور' گردن پر کھلے لباس میں ملبوس' گلے اور چھاتی پر دھول کہ تہہ جمے ہوئے دیکھتا تو مجھے وہ وہ لہجہ یاد آجاتا جس میں کم گو بدنصیب مسٹر شمرداا سے ''میری انطونیا'' کہہ کر پکارا کرتا تھا۔

(18)

جب میں نے سکول جانا شروع کر دیا تو ان بوہیمی لوگوں کے ساتھ میل ملاپ کم ہو گیا۔ مقامی سکول میں ہم کل سولہ طالب علم تھے۔ ہم سب کے سب گھوڑوں پر سکول آتے تھے اور دوپہر کا کھانا ساتھ لاتے تھے۔ سکول کے ان ساتھیوں میں سے کوئی بھی دلچسپ نہ تھا۔ تاہم کسی نہ کسی طور میں نے یہ محسوس کیا کہ ان کو دوست بنا کر میں انطونیا کی بے نیازی کا بدلہ چکا سکتا ہوں۔ باپ کی وفات کے بعد سے امبروش گھرانے کا پہلے سے بھی زیادہ سربراہ بن گیا تھا اور لگتا تھا کہ وہ اپنی عورتوں کے احساسات اور ان کے مقدر کا بھی مالک بن گیا ہے۔ انطونیا اکثر اس کی آرا کا ذکر مجھ سے کرتی اور اس نے مجھے جتلا دیا تھا کہ وہ بھائی کی مداح ہے' جب کہ مجھے وہ ابھی تک چھوٹا سا بچہ سمجھتی رہی تھی۔ بہار کے خاتمے سے پہلے ہی ہمارے اور شمردوں کے مابین سرد مہری سی پیدا ہو گئی تھی۔

واقعہ یوں ہوا کہ ایک اتوار کو میں اور جیک گھوڑے کا پٹہ واپس لینے گئے جو امبروش نے اس سے مستعار لیا تھا اور ابھی تک واپس نہ کیا تھا۔ یہ ایک حسین صبح تھی۔ سڑک کے کنارے گائے بھینسیں گھاس چر رہی تھیں اور سال گزشتہ کے سورج مکھی کے سوکھے ٹنٹھوں پر

قنبرے گا رہے تھے۔ بادصبا کے گرم اور میٹھے جھونکے چل رہے تھے۔ چھٹی کے دن کی خوش گوار آرام طلبی کے احساس کے ساتھ ہم گھوڑوں پر آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔

جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شمر دادے یوں کام میں جتے ہوئے تھے جیسے کہ چھٹی کا دن نہ ہو۔ ماریک اصطبل کو صاف کر رہا تھا۔ انطونیا اور اس کی ماں باغ میں مصروف تھیں۔ امبروش ہوا چکی کے ٹاور پر چڑھ کر پہیے کو تیل دے رہا تھا۔ کسی قدر سرد مہری کے ساتھ وہ نیچے اترا' جیک نے پٹے کے بارے میں پوچھا تو وہ خفگی سے سر ہلانے لگا۔ بات یہ تھی کہ یہ پٹہ دادا جان کا تھا۔ لہذا ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے جیک غصے سے پھٹ پڑا۔

''اچھا امبروش' اب یہ مت کہنا کہ وہ تمہارے پاس نہیں ہے' کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ وہ تمہارے پاس ہے۔ اگر تم نہ ڈھونڈو گے تو میں خود اسے ڈھونڈ لوں گا۔''

امبروش نے کندھے اچکائے اور اصطبل کی طرف جانے لگا۔ میں یہ دیکھ سکتا تھا کہ یہ اس کی رذالت کا ایک دن تھا پھر وہ پٹہ لئے' جسے بیدردی سے استعمال کیا گیا تھا' واپس آیا۔ پٹہ مٹی میں لت پت تھا اور چوہوں نے اسے بری طرح کتر رکھا تھا۔

''یہ چاہئے تمہیں'' اس نے ترش روئی سے پوچھا۔

جیک نے گھوڑے سے چھلانگ لگائی۔ میں نے دیکھا کہ اس کے منہ پر غصے کی سرخی دوڑ رہی تھی۔ ''امبروش'' یہ نہیں وہ پٹہ' جو میں نے تمہیں دیا تھا۔ وہی ہے تو پھر تم نے بے شرمی سے اسے استعمال کیا ہے۔ ایسی واہیات چیز تو میں مسز برڈن کو واپس نہیں کر سکتا۔''

امبروش نے پٹہ زمین پر پھینک دیا اور پھر بے نیازی سے ''ٹھیک ہے'' کہہ کر اس نے تیل کا ڈبہ اٹھایا اور چکی پر چڑھنے لگا۔ جیک نے پتلون کی پیٹی سے پکڑ کر اسے نیچے کو کھینچا۔ امبروش کے پاؤں بمشکل ہی زمین تک پہنچے ہوں گے کہ اس نے جیک کے پیٹ پر زور سے لات ماری۔ خوش قسمتی سے جیک ایسی پوزیشن میں تھا کہ اس نے اپنے آپ کو بچا لیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی ایسی بات نہ تھی جو دیہاتی لڑکے کھیل ہی کھیل میں کرتے ہوں۔ جیک کا پارہ چڑھ گیا۔ اور نے زور سے ایک گھونسہ امبروش کے سر پر دے مارا۔۔۔ آواز یوں آئی جیسے کدو پر کلہاڑی لگی ہو۔ چکرا کر امبروش نیچے جا گرا۔

چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں اور ہم نے دیکھا کہ انطونیا اور اس کی ماں بھاگتی ہوئی آ رہی تھیں۔ اس عالم میں انہوں نے چوہڑ کا چکر لگانا بھی مناسب نہ سمجھا بلکہ سکرٹ اوپر

گئے بغیر گدلے پانی میں سے گزر کر وہ ہماری طرف بڑھ رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ چیخ و پکار کر رہی تھیں اور ہوا میں پنجے لہرا رہی تھیں۔ امبروش اب ہوش میں آ گیا تھا اور اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔

جیک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ''آؤ جم یہاں سے چلیں۔'' اس نے کہا۔

مسز شمردا نے سر پر ہاتھ مارے اور واویلا کرنے لگی۔ ''خدایا' خدایا'' وہ ہمارے پیچھے چنگھاڑی۔ ''خدایا ان کو سبق سکھا۔''

''جیک اور جم برڈن' مجھے آج سے تم سے نفرت ہے۔'' انطونیا چیخی۔ کوئی تعلق نہیں رہا تم سے۔''

جیک رکا اور ایک لمحے کے لئے اس نے گھوڑے کا رخ موڑا۔ ''تم ہو ہی احسان فراموش لوگ۔۔۔۔ ہاں تم سب کے سب۔'' اس نے بدلے میں کہا۔ ''یہ برڈن لوگ تمہارے بغیر بھی گزارہ کر سکتے ہیں۔ مصیبت بنے رہے ہو تم ان کے لئے۔''

ہم واپس چلے آئے۔ لیکن جذبات کی شدت نے حسین صبح کا ستیاناس کر دیا تھا۔ کہنے کو میرے پاس کچھ نہ تھا اور غریب جیک کاغذ کی طرح سفید ہو رہا تھا اور کانپے جا رہا تھا۔ غصے کی شدت نے اسے بیمار کر دیا۔

''جمی' یہ پہلے جیسے لوگ نہیں رہے'' وہ آزردہ لہجے میں کہتا رہا۔ ''یہ اجنبی بدل گئے ہیں۔ تم ان پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ٹھوکر مارنا بڑی بات ہے۔ دیکھا تم نے وہ عورتیں کیسے تمہاری طرف بڑھ رہی تھیں۔۔۔۔ حالانکہ گزشتہ سرما میں ہم نے ان کے لئے کیا کچھ کیا تھا! ان پر اعتماد محال ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم ان میں سے کسی کے ساتھ میل ملاپ بڑھاؤ۔''

''جیک' میں ان کے ساتھ کبھی دوستی نہ کروں گا'' غصے سے میں نے اعلان کیا۔ ''مجھے پتہ ہے کہ اندر سے یہ سب کریجک اور امبروش جیسے ہیں۔''

دادا جان نے یہ سارا قصہ سنا تو انہوں نے جیک کو دوسرے روز شہر جا کر جج کے سامنے پیش ہونے کا مشورہ دیا تا کہ وہ اسے بتا سکے کہ اس نے نوجوان شمردا پر ہاتھ اٹھایا تھا اور یوں اپنا جرمانہ ادا کرے۔ یوں اس کے بعد بھی اگر مسز شمردا کوئی مسلہ کھڑا کرنے پر تلی ہو۔۔۔۔ اس کا بیٹا ابھی تک نابالغ تھا۔۔۔۔ تو پھر اس کی پیش بندی ہو سکے گی۔ جیک نے کہا کہ جاتے ہوئے وہ چھکڑے میں ان سوروں کو ڈال کر منڈی تک لے جائے گا جن کو وہ پالتا رہا

تھا۔ سوموار کو جیک کو روانگی کے تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم لوگوں نے مسز شمردا اور امبروش کو بڑے ٹٹنے کے ساتھ گھوڑوں پر سوار جاتے دیکھا۔ بلیک ہاک کی سڑک پر جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو دادا جان دبی دبی ہنسی کے ساتھ کہنے لگے کہ انہیں یہ توقع تھی کہ مسز شمردا اس مسئلے کو اٹھائے گی۔

دادا جان نے دس ڈالر کا جو نوٹ دیا تھا اس کے ذریعے جیک نے اپنا جرمانہ ادا کیا۔ لیکن شمردوں کے جب معلوم ہوا کہ اس روز جیک نے منڈی میں اپنے سور فروخت کئے تھے تو امبروش نے اپنے چالباز ذہن یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جیک نے اپنے جانور جرمانہ ادا کرنے کی خاطر فروخت کئے تھے۔ بظاہر انہیں اس بات سے بہت تسکین ہوئی۔ اس کے بعد کئی ہفتوں تک جب بھی ڈاک خانے کو جاتی ہوئی انطونیا سے میری اور جیک کی مڈبھیڑ ہوتی یا سڑک پر کہیں آمنا سامنا ہوتا تو وہ تالیاں بجاتے ہوئے اپنے کینہ پرور انداز میں چلاتی:

''جیک۔ رے جیک بیچو سور دو جرمانہ!''

جیک یوں ظاہر کرتا جیسے اسے انطونیا کے طرز عمل پر کوئی تعجب نہ ہوا ہو۔ تیوری چڑھا کر وہ مجھ سے صرف یہ کہتا کہ ''کسی چیک کے بارے میں تم مجھے کوئی نئی بات نہیں بتا سکتے۔ میں خود آسٹرین ہوں۔''

شمردوں کے ساتھ جس معاملے کو جیک خاندانی جھگڑا قرار دے رہا تھا دادا جان اس میں بالکل غیر جانبدار تھے۔ امبروش اور انطونیا ہمیشہ احترام کے ساتھ ان سے ملتے۔ دادا جان بھی حسب معمول ان کے معاملات کے بارے میں پوچھتے اور انہیں مشورے دیتے۔ ان کا خیال تھا کہ شمردوں کا مستقبل امید افزا ہے۔ امبروش دور اندیش قسم کا لڑکا تھا۔ جلد ہی اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کے بیل اس قدر بوجھل ہیں کہ وہ سوائے گھاس کے ٹیلے توڑنے کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے۔ لہذا بیل اس نے ایک نووارد جرمن کے پاس فروخت کر دیئے۔ اس طرح جو پیسے ملے ان سے اس نے گھوڑوں کی ایک اور جوڑی خرید لی۔ ان گھوڑوں کا انتخاب اس کے لئے دادا جان نے کیا تھا۔ ماریک توانا تھا اور امبروش اس سے خوب مشقت لیتا تھا۔ تاہم جہاں تک مجھے یاد ہے وہ ماریک کو غلہ اگانے کا کام کبھی نہ سکھا سکا تھا۔ ماریک کے کند ذہن میں کبھی یہ تصور نہ سما سکا تھا کہ ہر قسم کی مشق قابل تعریف ہوا کرتی ہے اور وہ احتیاط کا تقاضا بھی کرتی ہے۔ ہل چلاتے ہوئے وہ پھل کو زمین میں اس قدر گہرائی تک لے جاتا کہ گھوڑے

جلد ہی نڈھال ہو جاتے تھے۔

جون کے مہینے میں امبروش مسٹر بش کے کھتیوں میں ایک ہفتے کے لئے کام کرنے کی خاطر چلا گیا اور وہ ماریک کو بھی پوری اجرت پر ساتھ لے گیا۔ تب مسز شمردا دوسرا ہل چلانے لگی۔ سارا دن وہ اور انطونیا کھیتوں میں کام کرتیں اور گھریلو کام کاج رات کو۔ جب یہ دونوں عورتیں تنہا ہی سارا انتظام سنبھالے ہوئے تھیں تو ایک نیا گھوڑا بیمار پڑ گیا اور وہ بوکھلا گئیں۔

ایک رات انطونیا سونے سے پہلے باڑے کا جائزہ لینے گئی تو اس نے دیکھا کہ چتکبرے گھوڑے کا پیٹ سوجا ہوا ہے اور لٹکے ہوئے سر کے ساتھ کھڑا ہے۔ کاٹھی ڈالنے میں واقت ضائع کئے بغیر وہ ایک دوسرے گھوڑے پر سوار ہوئی اور سرپٹ دوڑاتی ہوئی ہمارے دروازے پر آن پہنچی۔ ہم لوگ سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ دادا جان نے اس کی دستک پر دروازہ کھولا اور اپنے کسی آدمی کو اس کے ساتھ بھیجنے کے بجائے خود ہی انطونیا کے ساتھ سوار ہو کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اپنے ساتھ انہوں نے ایک سرنج اور پرانے قالین کا ٹکڑا رکھ لیا۔ یہ ٹکڑا وہ بیمار گھوڑوں کے لئے اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ جب وہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ مسز شمردا لالٹین لئے وہاں بیٹھی آہ زاری کر رہی ہے۔ دادا جان نے چند لمحوں میں گھوڑے کے پیٹ میں جمع گیس کو خارج کروا دیا اور وہ پھر ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔

''مسٹر برڈن، یہ گھوڑا اگر مر جاتا'' انطونیا کہنے لگی۔ ''تو امبروش کی واپسی تک کبھی یہاں نہ رہتی بلکہ سورج نکلنے سے پہلے ہی جوہڑ میں چھلانگ لگا دیتی۔''

مسٹر بش کے کھیتوں سے امبروش کی واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ اس نے ماریک کو ملنے والی اجرت اپنے باپ مسٹر شمردا کی روح کے لئے دعا کروانے کی خاطر بلیک ہاک پادری کو دے دی ہے۔ دادی اماں کا خیال یہ تھا کہ مسٹر شمردا کو دعاؤں کی اس قدر ضرورت نہیں جس قدر انطونیا کو نئے جوتوں کی حاجت تھی۔ تاہم دادا جان نے تحمل کے ساتھ کہا کہ ''اگر وہ اس غربت کے عالم میں بھی چھ ڈالر صرف کر سکتا ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس میں ایمان بھی رکھتا ہے۔''

شمردوں کے ساتھ مصالحت دادا جان کی بدولت ہوئی۔ ایک صبح انہوں نے بتایا کہ اناج کی فصل بہت اچھی طرح نشوونما پا رہی تھی اور یہ کہ انہیں امید تھی کہ کٹائی کا کام یکم جولائی سے شروع ہو جائے گا اور اگر سب لوگ اتفاق کریں تو وہ کٹائی اور تھرشنگ کا کام امبروش کے

سپرد کر دیں کیونکہ شمردوں کے پاس اس وقت ایسا کوئی کام نہ تھا۔

دادی اماں کو مخاطب کرتے ہوئے دادا جان نے بات آگے بڑھائی۔ ''میرا خیال ہے کہ انطونیا سے میں کہوں کہ وہ آ کر باورچی خانے کے امور میں تمہارا ہاتھ بٹائے۔ کچھ کما کر اسے خوشی ہوگی۔ غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے بھی یہ مناسب وقت ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں آج ہی جا کر یہ سارا انتظام کرلوں۔ جم' کیا تم میرے ساتھ جانا چاہتے ہو؟'' ان کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

ناشتے کے بعد ہم روانہ ہوئے۔ مسز شمردا نے ہمیں آتے دیکھا تو وہ دروازے سے نکل کر اصطبل کے پیچھے کی طرف چلی گئی۔ لگتا تھا کہ وہ ہمیں ملنے سے کترا رہی تھی۔ گھوڑے کو باندھتے ہوئے دادا جان خود ہی خود مسکرا دیئے۔ پھر ہم مسز شمردا کے پیچھے جانے لگے۔

باڑے کے پیچھے ہم نے مضحکہ خیز منظر دیکھا۔ وہاں خالی جگہ میں بظاہر گائے ادھر ادھر چرتی رہی تھی۔ مسز شمردا اس کے پاس ہی بھاگ کر گئی تھی اور جب ہم وہاں پہنچے تو وہ گائے کو زبردستی کھینچ کر کنارے پر ایک پرانی کھوہ میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کھوہ تنگ و تاریک تھی' اس لئے گائے اندر جانے سے منکر تھی۔ اس کشمکش میں بوڑھی عورت اس کی پشت پر زور زور سے ہاتھ مار رہی تھی اور اسے دھکیلنے پر تلی ہوئی تھی۔

دادا جان نے اس کشمکش کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی نرمی سے سلام کیا۔ ''صبح بخیر' مسز شمردا تمہیں پتہ ہے کہ امبروش کہا ہوگا؟

مسز شمردا گائے کے آگے ایسے کھڑی ہوگئی جیسے وہ اسے اپنے پیچھے چھپا لے گی۔ پھر اس نے شمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ امبروش وہاں ہے چارے کے پاس۔

دادا جان نے حوصلہ بڑھانے کے انداز میں کہا۔ ''ہاں اس سرما میں اس کا چارہ اچھا ہوگا۔ خیر' تو انطونیا کدھر ہے؟''

''وہ بھی ساتھ گئی ہے۔'' مسز شمردا بے قراری کے عالم میں اب بھی زمین پر پاؤں مار رہی تھی۔

''اچھا' ٹھیک ہے۔ میں وہیں چلا جاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کو وہ دونوں آئیں اور اگلے مہینے گندم اور جئی کی فصل کاٹنے میں میری مدد کریں میں انہیں اجرت ادا کروں گا۔ صبح بخیر۔ ہاں مسز شمردا'' راہ کی طرف مڑتے ہوئے وہ کہنے لگے'' میرے خیال میں ہم کہہ سکتے

ہیں کہ گائے کا معاملہ صاف ہو چکا ہے۔''

وہ حیران ہوئی اور رسی کو اس نے زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی' دادا جان پلٹے اور کہنے لگے۔''اب تمہیں مزید کوئی رقم دینے کی ضرورت نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ بس یہ گائے اب تم لوگوں کی ہے۔''

مسز شمردا نے تعجب سے پوچھا۔ دھوپ میں اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہم پر جمی ہوئی تھیں۔

''ہاں' ہاں۔ یہی بات ہے اور کوئی پیسہ نہ دو اور گائے بھی رکھو۔'' دادا جان نے سر ہلایا۔ رسہ مسز شمردا نے نیچے پھینک دیا۔ ہمارے پیچھے بھاگی۔ دادا جان کے آگے جھک کر اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا اور چومنے لگی۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ پہلے کبھی اس قدر گھبرائے تھے۔ تعجب مجھے بھی ہوا۔ کسی نہ کسی طور پر لگتا تھا کہ اس واقعہ نے بھولی بسری دنیا کو قریب تر کر دیا ہے۔

ہنستے ہوئے سوار ہو کر ہم چلے گئے۔ دادا جان کہنے لگے کہ''میرے خیال میں جم' وہ یہ سمجھی تھی کہ ہم ضرور گائے لینے آئے ہیں۔''

ہمارے ساتھ تعلق کی بحالی پر ہمارے پڑوسی خوش دکھائی دیتے تھے۔ اگلی اتوار کو مسز شمردا ہمارے ہاں آئی اور جیک کے لئے جرابوں کا ایک جوڑا ساتھ لائی جو اس نے خود بنی تھیں۔ بڑی عالی ظرفی کے انداز میں تحفہ پیش کرتے ہوئے اس نے کہا''ہاں تو جی میرے امبروش کو گھونسہ لگانے اب تم کبھی نہیں آئے؟''

جھینپتے ہوئے جیک ہنسنے لگا۔''امبروش کے ساتھ میں کوئی جھگڑا نہیں چاہتا۔ وہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ میں اسے چھوڑ دوں گا۔''

چالاکی سے اس نے جواب دیا''اگر اس نے تمہیں تھپڑ مارا تو ہمارے پاس جرمانہ ادا کرنے کے لئے کوئی سور بھی نہیں۔''

جیک ہشاش بشاش تھا۔''بس بہت ہو چکا مادام'' ہنستے ہوئے اس نے کہا۔

(19)

اس شدید گرمی کو دام میں لئے جولائی کا مہینہ آ گیا جس نے کینس اور نبراسکا کے میدانوں کو غلے کی پیداوار کے لحاظ سے دنیا کا بہترین علاقہ بنا رکھا ہے۔ سماں یوں بن گیا تھا

کہ گویا رات کو ہم غلے کے بڑھنے پھولنے کی آوازیں سن سکتے تھے۔ ستاروں تلے شبنم میں دھلے ہوئے غلے کے خوشبودار کھیتوں کے چٹخنے کی ہلکی ہلکی سی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ یہ کھیت سرسبز اور رس دار ڈنٹھلوں سے بھرے پڑے تھے یہ ذکر ان ایام کا ہے کہ جب پوری اراضی زیر کاشت نہ تھی۔ کھیت ایک دوسرے سے فاصلے پر واقع تھے اوان کے درمیان میلوں تک جنگلی چراگاہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ میرے دادا جان جیسا دور اندیش اور دانا شخص ہی یہ پیش بینی کر سکتا تھا کہ یہ کھیت پھیلتے اور پھولتے چلے جائیں گے۔ حتیٰ کہ وہ شمردوں کے یا مسٹر بش کے کھیت نہ رہیں گے بلکہ دنیا کے غلے کے کھیتوں کا روپ دھار لیں گے۔ روس کی گندم کی فصل کی طرح ان کھیتوں کی پیداوار بھی ان عظیم معاشی حقائق میں سے ایک بات جائے گی جو جنگ یا امن دونوں حالتوں میں انسانوں کی عام سرگومیوں کے پس پردہ کارفرما ہوتے ہیں۔

چند راتوں میں بارش سے قطع نظر ان چند ہفتوں کے دوران جلا دینے والا سورج اناج کی فصلوں کو پکاتا رہا۔ اناج کی بالیاں جب ایک بار بن جائیں تو پھر خشک موسم کا زیادہ خوف نہیں رہتا۔ گندم کے کھیتوں میں لوگ اس قدر محنت ومشقت سے کام کر رہے تھے کہ انہوں نے گرمی کی شدت پر توجہ ہی نہ دی۔۔۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں انہیں پانی پلانے کے کام میں جتا رہتا تھا اور۔۔۔ باورچی خانے میں دادی اماں اور انطونیا اس قدر مصروف رہتی۔۔۔۔۔۔۔ تھیں کہ ان کے پاس ایک دوسرے کو یہ بتانے کا وقت بھی نہ تھا کہ کون سا دن زیادہ گرم تھا اور کون سا کم۔ ہر صبح کھانے کے لئے سبزیاں توڑنے کی خاطر میں اور انطونیا اس وقت باغ میں جاتے تھے جب کہ اوس ابھی گھاس پر ہوتی تھی۔ دادی اماں اسے دھوپ سے بچاؤ کی ٹوپی پہنا دیتی تھیں لیکن جونہی ہم باغ میں پہنچتے انطونیا اسے گھاس پر پھینک دیتی اور اپنے بالوں کو باد صبح میں لہرانے کے لئے کھلا چھوڑ دیتی۔ اب بھی مجھے یاد ہے کہ جب ہم سبزیاں توڑنے کے لئے جھکے ہوتے تھے تو اس کے بالائی ہونٹ پر پسینے کے موتی چھوٹی چھوٹی مونچھوں کے انداز میں جمع ہو جایا کرتے تھے۔

''ارے بھئی' چار دیواری کے بجائے مجھے تو باہر کام کرنا پسند ہے'' انطونیا خوشی سے جھوم جاتی۔ ''مجھے نہیں پرواہ یہ جو تمہاری دادی اماں کہتی ہیں کہ اس طرح میں مرد لگتی ہوں۔ مردوں کی طرح لگنا تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ بے نیازی سے سر جھٹک کر وہ مجھے اپنا پھولا ہوا براؤن بازو محسوس کرنے کو کہتی۔

ہمیں انطونیا کے آنے کی خوشی تھی۔ وہ اس قدر خوش باش اور مددگار تھی کہ اس کی چھوٹی موٹی کوتاہیاں ہمیں محسوس نہ ہوتی تھیں۔ جن ہفتوں میں انطونیا ہمارے ہاں رہی دادی اماں بھی خوب چاق و چوبند رہیں۔

کٹائی کے موسم کی تمام راتیں حبس زدہ اور گرم تھیں۔ کٹائی کرنے والے گھاس کی ختاری پر سوتے تھے کیونکہ اندرون خانہ کے مقابلے میں وہاں گرمی کم تھی۔ میں اپنے کمرے میں کھلی ہوئی کھڑکی کے ساتھ بستر پر سوتا تھا۔ ایک رات گرج چمک والا طوفان اور بارش بھی ہوئی۔ تاہم بارش اس قدر زیادہ نہ تھی کہ کٹے ہوئے اناج کو نقصان پہنچتا۔ شام کو کھانے کے بعد سارے مرد باڑے کی طرف چلے گئے اور جب برتن دھوئے جا چکے تو میں اور انطونیا بادلوں کا نظارہ کرنے کی خاطر مرغی خانے کی ڈھلوانی چھت پر چڑھ گئے گرج شدید تھی اور بجلی آسمانوں میں پیچ و خم کھاتے ہوئے چمک رہی تھی۔ اس کی چمک سے ہر شے لمحہ بھر کے لئے نمایاں ہو جاتی اور گویا قریب تر چلی آتی۔ آدھا آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا جب کہ مغرب کی طرف کا حصہ صاف اور بے ابر تھا۔ بجلی کی چمک میں وہ گہرے نیلے پانی کی طرح دکھائی دیتا جب کہ آسمان کا ڈھکا ہوا حصہ پتھریلے راستے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ جلد ہی بارش شروع ہو گئی۔ ایک سیاہ بادل جو چھوٹی کشتی سے حجم میں بڑا نہ تھا' صاف فضا کی طرف لڑھک گیا اور مغرب کی جانب بڑھتا جانے لگا۔ چاروں طرف سے ہمیں کھیتوں کی نرم زمین پر بارش کے قطرے کے گرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ دادی اماں دروازے میں آ کر ہمیں بلانے لگیں۔ ان کا کہنا تھا کہ بہت دیر ہو گئی ہے اور یہ کہ باہر رہنے سے ہم بھیگ جائیں گے۔

''ہم ایک منٹ میں آ رہے ہیں'' انطونیا نے انہیں جواب دیا۔ ''مجھے تمہاری دادی اماں اچھی لگتی ہیں اور یہاں کی ساری چیزیں بھی'' انطونیا نے آہ بھری۔ ''کاش گرمیوں کے اس زمانے کے دیکھنے کے لئے میرے پاپا زندہ ہوتے۔ کاش سردی پھر کبھی نہ آئے۔''

''گرمی کے ابھی بہت دن ہیں'' میں نے اسے یقین دلایا۔ ''مگر ٹونی تم ہمیشہ اس طرح اچھی کیوں نہیں رہتیں؟''

''کیسی اچھی؟''

''ایسے ہی جیسے اب ہو۔ ہر وقت تم امبروش کی نقل کرنے کی کوشش کیوں کرتی ہو؟''

اس نے بازو سر کے نیچے رکھا اور لیٹ گئی۔ نظریں اس کی آسمان پر جمی ہوئی تھیں۔

MashalBooks.com

''تمہاری طرح اگر میں بھی یہاں رہتی تو حالات مختلف ہوتے۔ زندگی تمہارے لئے آسان ہو گی، مگر ہم لوگوں کے لئے بڑی سخت ہے۔''

☆☆☆

MashalBooks.com

دوسرا حصہ

بھاڑے کی چھوکریاں

دادا کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے لگ بھگ تین برس ہو چلے تھے کہ انہوں نے بلیک ہاک کی طرف منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ بڑھاپے کی وجہ سے وہ کھیتی باڑی کا محنت طلب کام جاری نہ رکھ سکتے تھے۔ میری عمر اب تیرہ برس ہو رہی تھی اور انہوں نے مجھے سکول بھیجنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ہمارا کھیت اس اچھی خاتون' بیوہ سٹیونز اور اس کے کنوارے بھائی کو کرائے پر دیا گیا اور ہم لوگوں نے بلیک ہاک کے شمالی کونے پر پاور وائٹ کا مکان خرید لیا۔ کھیتوں کی طرف سے قصبے میں داخل ہوں' تو سب سے پہلے یہی گھر آتا تھا گویا وہ دیہاتیوں کو ان کے لمبے سفر کے خاتمے کو نوید دیتا تھا۔

مارچ میں ہمیں بلیک ہاک منتقل ہونا تھا۔ تاریخ طے کرتے ہی دادا نے جیک اور اوٹو کو اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اوٹو خوش ہوا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس سے بہتر گھر مشکل ہی سے مل سکتا تھا اور یہ کہ وہ کھیتی باڑی سے تنگ آ چکا تھا اور سوچتا تھا کہ وہ واپس اسی جگہ چلا جائے جس کو وہ وحشی مغرب کا نام دیتا تھا۔

اوٹو کی مہم جوئی کے قصوں کے دام فریب میں آ کر جیک مارپول نے اس کے ساتھ جانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ جیک کو ہم نے روکنے کے ہزار جتن کئے۔ ان پڑھ ہونے اور دوسروں پر بھروسہ کرنے کی عادت کے ہاتھوں وہ آسانی سے پتے بازوں کے ہتھے چڑھ سکتا تھا۔ دادی اماں نے اس سے مہربان عیسائیوں کے درمیان رہنے کی التجا کی جن سے اس کی جان پہچان بھی تھی۔ لیکن وہ کہاں ماننے والا تھا۔ اس کی آنکھیں خوش حالی کے سپنے دیکھ رہی تھیں اور اس کا خیال تھا کہ کولوریڈو میں چاندی کی کوئی کان اس کی منتظر ہے۔

جیک اور اوٹو نے آخر تک ہماری خدمت کی۔ وہ ہمیں شہر میں لے گئے۔ ہمارے

نئے گھر میں قالین بچھائے دادی اماں کے باورچی خانے کے لئے الماریاں بنائیں۔لگتا تھا کہ ہم سے جدا ہونے پر وہ خوش نہیں۔ پھر بھی ایک روز چپکے سے روانہ ہو گئے۔ان دونوں نے اچھے برے دنوں میں ہمارا ساتھ دیا تھا۔انہوں نے ہمیں وہ کچھ دیا تھا جس کو کسی منڈی سے خریدا نہیں جا سکتا۔ میرے لئے تو وہ بھائیوں جیسے تھے۔ میری خاطر وہ اپنی بول چال اور آداب میں خاص احتیاط کرتے تھے۔ مجھے انہوں نے بہت اچھی رفاقت دی تھی۔اب ایک صبح وہ اپنے اتوار کے لباس میں مغرب کی طرف جانے والی ٹرین پر روانہ ہو گئے تھے۔۔۔۔ پھر کبھی میں نے انہیں نہ دیکھا۔کئی مہینے یونہی بیت گئے۔ایک روز ہمیں اوٹو کی طرف سے خط موصول ہوا۔اس نے لکھا تھا کہ جیک پہاڑی تپ میں مبتلا رہا تھا۔لیکن اب وہ دونوں ''یانکی گرل'' کان میں کام کر رہے تھے اور اچھے بھلے تھے۔ میں نے اس پتے پر خط لکھا لیکن وہ واپس آ گیا۔اس کے بعد ہم نے کبھی ان کا ذکر نہ سنا۔

بلیک ہاک' وہ نئی دنیا جہاں ہم رہنے لگے تھے' گھاس کے میدانوں میں آباد ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جہاں سفید جنگلے' سرسبز صحن' گرد آلود گلیاں اور چوبی پڑیوں کے ساتھ ساتھ اگے ہوئے چھوٹے چھوٹے درخت تھے۔ قصبے کے مرکز میں سور والی عمارتوں کی دو قطاریں تھیں۔ ایک سکول کی عمارت' کچہری اور چار سفید گرجے تھے۔، ہمارے گھر سے شہر کا نظارہ ہوتا تھا اور اوپر کی منزل کی کھڑکیوں سے جنوب کی طرف دو میل دور دریا کو دیکھا جا سکتا تھا۔گاؤں کی جو آزادی مجھ سے چھن گئی تھی یہ دریا اس کی تلافی کرنے والا تھا۔

مارچ میں ہم لوگ بلیک ہاک آ گئے اور اپریل کے آخر تک ہم شہری لوگوں کی طرح محسوس کرنے لگے۔ دادا نئے بپٹسٹ چرچ میں ڈیکن کا فرض ادا کرنے لگے اور دادی اماں چرچ کے شام کے کھانوں اور مشنری انجمنوں کے امور میں ہاتھ بٹانے لگیں۔ میں اب تک مختلف قسم کا لڑکا تھا۔۔۔کم از کم میں سوچتا یونہی تھا۔ جب اچانک ہی مجھے اپنی عمر کے بہت سے لڑکوں سے میل جول کا موقع ملا تو مجھے محسوس ہوا کے مجھے بہت کچھ سیکھنا ہے۔سکول کی موسم بہار کی ٹرم ختم ہونے سے پہلے میں نے دنگا فساد کرنا' چھوٹی لڑکیوں کو تنگ کرنا اور۔۔۔۔۔۔ ممنوعہ الفاظ استعمال کرنا سیکھ لیا تھا۔ان باتوں میں میں اپنی جماعت کے کسی لڑکے سے پیچھے نہ رہا تھا بس یہ ہے کہ ہماری قریبی ہمسایہ خاتون مسز ہارلنگ ہر وقت نظر نہ رکھیں تو شاید میں ان معاملات میں اور بھی آگے بڑھ جاتا۔ جب کبھی میرے طور طریقے ایک خاص حد سے آگے

بڑھ جاتے تو پھر مجھے مسز ہارلنگ کے صحن میں جانے اور اس کے خوش باش بچوں کے ساتھ کھیل کود کی اجازت نہ ملتی۔

اب ہمیں اپنے دیہی ہمسایوں سے میل ملاپ کے مواقع پہلے سے بھی زیادہ ملتے تھے۔ جب کبھی وہ قصبے کا رخ کرتے تو ہمارے نئے گھر دم لینے کو ضرور رکتے۔ ہمارے پاس ایک بڑا باڑہ تھا جس میں کسان اپنے ساتھیوں سمیت ڈیرہ جما سکتے تھے۔ ان کی عورتیں اکثر ہمراہ ہوتی تھیں۔ اب وہ رات کے کھانے کے لئے ہمارے پاس ٹھہر سکتی تھیں۔ اور یہ سب لوگ خرید و فروخت کے لئے جانے سے پہلے تازہ دم ہو سکتے تھے۔ جس قدر زیادہ ہمارا گھر دیہاتی ہوٹل بنتا جاتا' اتنا ہی زیادہ وہ مجھے اچھا لگتا تھا۔ دوپہر کو سکول سے گھر پہنچنے پر جب میں پچھواڑے میں کسی دیہاتی چھکڑے کو کھڑا دیکھتا تو مجھے خوشی ہوتی۔ غیر متوقع مہمانوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں لانے پر میں ہمیشہ آمادہ رہتا تھا۔ پہلی بہار اور گرمی کے پورے دنوں میں مجھے امید رہی کہ ہمارا نیا گھر دیکھنے کے لئے امبروش انطونیا اور یوسکا کو لے کر ضرور آئے گا۔

امبروش آیا تو سہی لیکن تنہا۔ اور اگرچہ اس نے اپنے گھوڑے ہمارے باڑے میں رکھے' لیکن رات کے کھانے کے لئے وہ نہ ٹھہرا۔ نہ ہی اس نے اپنی ماں بہنوں کے بارے میں ہمیں کچھ بتایا۔ جب وہ صحن سے کھسک رہا تھا تو ہم بھاگ کر اس کے پاس گئے اور ان کے متعلق پوچھا۔ جواب میں امبروش نے اپنے کوٹ میں کندھے اچکائے اور بولا۔ ''میرا خیال ہے وہ ٹھیک ہی ہیں۔''

مسز سٹیونز جو اب ہمارے کھیت پر رہتی تھیں۔ اس طرح انطونیا کو چاہنے لگیں جیسے ہم چاہتے تھے۔ وہ ہمیشہ اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی خبر ہم تک پہنچاتیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ گرمیوں کے پورے موسم میں امبروش نے اپنی بہن کو مزدوری پر لگائے رکھا تھا اور وہ ایک دوسرے کھیت میں کام کرتی رہی تھی۔ کسان اسے پسند کرتے تھے اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ جب خزاں کے دن شروع ہوئے تو گزشتہ برس کی طرح اس نے کرسمس تک ہمسایوں کے لئے مکئی کو چھانٹنے کا کام کرنا تھا۔ خیر دادی اماں نے اسے اس کام سے بچا لیا اور ہمارے ہمسائی مسز ہارلنگ کے گھر نوکری دلوا دی۔

MashalBooks.com

(2)

دادی اماں اکثر یہ کہا کرتی تھیں کہ اگر انہوں نے شہر میں ہی رہنا تھا تو خدا کا شکر ادا کرنے کی بات یہ تھی کہ وہ ہارلنگ گھرانے کی ہمسایہ تھیں۔ ہماری طرح وہ لوگ بھی کسان رہے تھے اور ان کا گھر ایک چھوٹے فارم کی طرح تھا' جس میں ایک بڑا باڑہ اور ایک باغ تھا۔ یہاں تک کہ ایک پون چکی بھی تھی۔ ہارلنگ گھرانے کے لوگ ناروے کے رہنے والے تھے اور مسز ہارلنگ دس برس کی عمر تک کرسچینا بھی رہ چکی تھیں۔ ان کے شوہر منیسوٹا میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ اناج اور مویشیوں کے بیوپاری تھے۔ انہیں ہمارے علاقے کا سب سے زیادہ مہم جو کاروباری خیال کیا جاتا تھا۔ وہ ہمارے مغرب کی جانب ریلوے لائن کے ساتھ واقع چھوٹے قصبوں میں اناج کے گوداموں کے ایک سلسلے کو کنٹرول کرتے تھے اور کام کاج کی خاطر انہیں بہت سا وقت گھر سے دور رہنا پڑتا تھا۔ ان کی غیر موجودگی میں ان کی بیوی ہی گھر کی سربراہ تھیں۔

مس ہارلنگ چھوٹے قد کی گول مٹول اور اپنے گھر کی طرح مضبوط دکھائی دینے والی خاتون تھیں ان کے جسم کا ہر حصہ توانائی سے بھرپور تھا اور جونہی وہ کمرے میں داخل ہوتیں' یہ توانائی اپنے آپ کو محسوس کروالیتی تھی۔ ان کا چہرہ گلابی اور مضبوط تھا' آنکھیں روشن اور چھوٹی اور ٹھوڑی پتلی تھی۔ انہیں غصہ بھی جلد آتا تھا اور ہنسی بھی۔ روح کی گہرائیوں سے وہ مزاج تھیں۔ مجھے ان کی ہنسی کسی قدر خوب یاد ہے جب وہ تیزی سے اپنے چھوٹے چھوٹے خوش قدم اٹھاتیں' تو فرش میں لچک ہوتی۔ کسی جوش و خروش اور شدید محبتوں اور نفرتوں کا اظہار ہوتا تھا۔ ان کے گھر دھلائی کا دن ہمیشہ ہی لچسپ ہوتا اور گھر کی صفائی تو گویا ایک انقلاب سے کم نہ ہوتی۔ اس موسم بہار میں جب مسز ہارلنگ نے باغ بنایا تو ہم ان کے گھر کو ہمارے گھر سے جدا کرنے والی باڑ سے ان کی مصروفیت کو محسوس کر سکتے تھے۔

ہارلنگ گھرانے کے تین بچے عمر میں میرے قریب تھے چارلی اس گھر کا اکلوتا بیٹا تھا۔۔۔ اس گھرانے کا ایک بڑا لڑکا فوت ہو چکا تھا۔۔۔ چارلی کی عمر سولہ برس تھی۔ جولیا' جو کہ نغمہ طراز کے طور پر مشہور تھی میری ہم عمر تھی۔ اس کی عمر چودہ برس تھی' کہ سیلی' چھوٹے بالوں والی ماہی منڈا لڑکی' اس سے ایک سال چھوٹی تھی۔ وہ تقریباً میرے جتنی مضبوط تھی اور اسے

لڑکوں کے کھیل کھیلنے بھی خوب آتے تھے۔ سیلی من موجی شے تھی۔ وہ کبھی ہیٹ نہ پہنتی تھی۔ اس لئے اس کے بالوں کے رنگت دھوپ سے متاثر ہوئی تھی اور جلد کا رنگ خاکستری ہو چکا تھا۔ قصبے بھر میں وہ دوڑتی پھرتی تھی۔

بڑی بیٹی فرانسس ہماری دنیا کا ایک بہت ہی اہم فرد تھی۔ وہ اپنے باپ کی چیف کلرک تھی اور اس کی غیر حاضری کے دوران بلیک ہاک والے اس کے دفتر کی دیکھ بھال وہی کرتی تھی۔ اس کی غیر معمولی کاروباری اہلیت کی وجہ سے باپ اس کے ساتھ قدرے درشت انداز میں پیش آتا تھا۔ وہ اسے اچھی تنخواہ تو دیتا لیکن چھٹیوں کی اجازت کم ہی دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اتوار کے روز بھی وہ ڈاک کھولنے اور مارکیٹوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خاطر دفتر جاتا کرتی تھی۔ چارلی کو کاروبار میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ پہلے ہی انا پولس کے لئے تیاری کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ باپ کا رویہ بہت مشفقانہ تھا۔ باپ نے اسے بندوقیں، اوزار اور بجلی کی بیٹریاں لے دی تھیں اور کبھی نہ پوچھا تھا کہ وہ ان کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

فرانس کا رنگ باپ کے رنگ کی طرح گہرا تھا اور وہ اس جتنی لمبی بھی تھی۔ سردیوں میں سیل سن کوٹ اور ٹوپی پہنتی تھی۔ شام کو دونوں باپ بیٹی اناج کے چھکڑوں اور مویشیوں کی باتیں کرتے ہوئے گھر آیا کرتے تھے۔ لگتا تھا جیسے دونوں مرد ہوں۔ شام کے کھانے کے بعد کبھی کبھار فرانسس دادا سے ملنے آیا کرتی تھی اور اس بات سے وہ بہت خوش ہوا کرتے تھے ایک سے زیادہ بار انہوں نے بلیک ہاک کے ساہوکار وک کٹر کے پنجوں سے غریب کسانوں کو رہائی دلانے کی تدبیر کی تھی۔ دادا کا کہنا تھا کہ فرانسس ہارلنگ گرضوں کے امور کو اتنا ہی اچھی طرح سمجھتی ہے جتنا کہ علاقے کا کوئی بنکار سمجھ سکتا ہے۔ جن دو تین لوگوں نے لین دین کے معاملے میں اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی، ان کو منہ کی کھانی پڑی تھی۔ میلوں تک کے فاصلے کے تمام کسانوں کو وہ جانتی تھی اور اسے یہ بھی پتہ تھا کہ کون سا کسان کس قدر اراضی پر کاشتکاری کر رہا ہے، اس کے پاس کتنے مویشی ہیں اور اس کی ذمہ داریاں کس قدر ہیں۔ ان لوگوں میں اس کی دلچسپی کاروباری تعلق ناطے سے زیادہ ہی تھی۔ وہ انہیں اپنے ذہن میں یوں لئے پھرتی جیسے وہ کسی کھیل یا کتاب کے کردار ہوں۔

جب کبھی فرانسس کاروبار کے سلسلے میں باہر جاتی تو بعض سن رسیدہ لوگوں یا قصبے سے کبھی کبھار ہی باہر نکلنے والی عورتوں سے میل ملاپ کے لئے وہ اپنے راستے سے میلوں دور

نکل جاتی۔ وہ ایسی بوڑھی عورتوں کے دل کی بات بھی فوراً سمجھ لیتی تھی جو انگریزی نہ بولتی تھیں۔ خاموش طبع اور دوسروں پر اعتماد نہ کرنے والی عورتیں بھی اسے اپنے قصے سنا دیتیں اور انہیں خبر بھی نہ ہوتی کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں۔ سارے موسموں میں وہ لوگوں کی خوشی اور غم میں شریک ہوتی۔ کسی کسان کی بیٹی کی شادی ہونے والی ہوتی تو اسے یقین ہوتا کہ فرانسس ہارلنگ کی طرف سے اسے ضروری کوئی نہ کوئی تحفہ ملے گا۔

اگست میں ہارلنگ گھرانے کا ڈنمارکی باورچی انہیں چھوڑ کر جانے والا تھا۔ دادی اماں نے ان سے انطونیا کی آزمانے کی درخواست کی۔ اگلی بار جب امبروش قصبے میں آیا تو دادی اماں نے اسے راز داری میں بتایا کہ کرسچن ہارلنگ کے ساتھ کوئی تعلق بننے سے اس کی ساکھ بڑھ جائے گی اور اسے فائدہ پہنچے گا۔ ایک اتوار کو مسز ہارلنگ فرانسس کو ساتھ لے کر شمردوں کے گھر جا پہنچیں۔ ان کے بقول وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ لڑکی کا ماحول کس قسم کا تھا اور یہ کہ وہ اس کی ماں کے ساتھ خود بات کرنا چاہتی تھیں۔ میں اپنے صحن میں تھا جب شام کے وقت وہ دونوں واپس آئیں۔ سامنے گزرتے ہوئے وہ ہنسیں اور ہاتھ بھی ہلایا۔ یوں میں دیکھ سکتا تھا کہ دونوں خوش باش ہیں۔ شام کے کھانے کے بعد جب دادا گرجے کی طرف روانہ ہوئے تو دادی اماں اور میں اس کا احوال پوچھنے کی خاطر مسز ہارلنگ کے ہاں چلے گئے۔

مسز ہارلنگ چارلی اور سیلی کے ساتھ فرنٹ پورچ میں سفر کے بعد آرام کر رہی تھیں۔ فرانسس پیانو سے دل بہلا رہی تھی۔ روشنی کے بغیر پیانو بجاتے ہوئے وہ کھلی کھڑکی میں سے اپنی ماں کے ساتھ باتیں بھی کرتی جا رہی تھی۔

ہمیں آتے دیکھ کر مسز ہارلنگ ہنسنے لگیں۔ ''میرا خیال ہے کہ تم نے آج رات اپنے برتن میز پر ہی چھوڑ دیئے ہیں' مسز برڈن'' انہوں نے ہمیں دیکھ کر کہا۔ فرانسس نے پیانو بند کر دیا اور ہمارے پاس چلی آئی۔

انطونیا کو دیکھتے ہی وہ اسے پسند کرنے لگی تھیں۔ انہیں محسوس ہوا جیسے وہ جانتی ہوں کہ انطونیا کس قسم کی لڑکی ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مسز ہارلنگ زیرلب مسکراتی بھی جاتی تھیں۔ ''میرا خیال ہے مسز برڈن کہ میں آپ سے بھی زیادہ اس قسم کے پنچھی کے ساتھ گزارا کر سکتی ہوں۔

انطونیا کے کپڑوں اور جیب خرچ کے بارے میں انہیں امبروش کے ساتھ لمبی بحث

کرنا پڑی تھی۔اس کا منصوبہ یہ تھا کہ اس کی بہن کے معاوضے کی ہر پائی ہر مہینے باقاعدگی سے ملتی رہے۔اور وہ اپنی مرضی سے اسے خود ہی کپڑے مہیا کرتا رہے گا۔جب مسز ہارلنگ نے اسے بتایا کہ وہ انطونیا کے اپنے استعمال کے لئے پچاس ڈالر سالانہ اپنے پاس رکھیں گی تو امبروش کا کہنا یہ تھا کہ وہ لوگ اس کی بہن کو شہر لے جا کر' کپڑے پہنا کر اس کا مذاق اڑانے کی فکر میں ہیں۔اس پوری ملاقات کے دوران امبروش کے برتاؤ کی مسز ہارلنگ نے ہوشیاری سے تفصیل بیان کی۔۔۔کیسے وہ اچھلتا اور ٹوپی یوں پہن لیتا جیسے اس کی طرف سے معاملے کو ختم سمجھا جائے اور کیسے اس کی ماں اس کا پلو کھینچتی اور بوہیمی زبان میں اسے پچکارتی۔آخر کار مسز ہارلنگ انطونیا کی خدمات کے لئے تین ڈالر فی ہفتہ دینے پر اتفاق کر لیا۔اس زمانے میں یہ ایک اچھی خاصی اجرت تھی۔معاملہ طے ہو گیا اور اب اگلے ہفتے امبروش اپنی بہن کو قصبے میں لانے والا تھا۔

''شروع شروع میں تو وہ کسی قدر اکھڑ ہو گی'' دادی اماں نے تشویش سے کہا۔ ''لیکن اگر اس ایک سخت زندگی نے اسے بالکل ہی خراب نہ کر دیا ہوا' تو پھر اس کے اندر ایک سچی مددگار لڑکی چھپی ہوئی ہے۔''

مسز ہارلنگ اپنے مخصوص انداز سے مسکرائیں ''خیر مجھے پرواہ نہیں' مسز برڈن! اس لڑکی سے میں کچھ نہ کچھ تو نکال ہی سکتی ہوں۔ابھی تو وہ مشکل سے سترہ برس کی ہے۔اتنی بڑی نہیں ہوئی کہ نئے طور طریقے نہ سیکھ سکے۔دیکھنے میں بھی وہ اچھی خاصی ہے۔'' انہوں نے گرم جوشی سے ان باتوں کا اضافہ کر دیا۔

فرانسس دادی اماں کی طرف متوجہ ہوئی ''ارے مسز برڈن آپ نے تو ہمیں بتایا ہی نہ تھا۔جب ہم وہاں پہنچے تو وہ ننگے چیتھڑوں میں ملبوس باغ میں کام کر رہی تھی۔لیکن اس کی ٹانگوں اور بازوؤں کا رنگ بھی کیا خوب براؤن ہے اور رخساروں میں کیا چمک ہے۔۔۔ گہرے سرخ آلو بخاروں کی طرح۔''

اس تعریف پر ہم خوش ہوئے۔محسوس کرنے کے انداز میں دادی اماں کہنے لگیں ''فرانسس' جب وہ پہلی بار اس علاقے میں آئی تھی اور اس شریف النفس بوڑھے آدمی کی نگرانی میں تھی' تو سچ کہتی ہوں کہ اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی میں نہ کبھی دیکھی تھی۔لیکن پیاری' کیا زندگی اس نے گزاری ہے۔۔۔ان بھاری تھریشرز کے ساتھ کھیتوں میں! اس غریب انطونیا کا

باپ زندہ رہتا تو حالات مختلف ہوتے۔''

ہارلنگ گھرانے کے لوگوں نے درخواست کی کہ ہم انہیں عظیم برفانی طوفان اور مسٹر شمردا کی موت کے بارے میں کچھ بتائیں۔ اس اثناء میں ہم نے دادا جان کو چرچ سے گھر کی طرف آتے دیکھا۔ تاہم اس سے پہلے ہم شمردا گھرانے کے بارے میں انہیں بہت کچھ بتا چکے تھے۔

(3)

ہفتے کے روز امبروش اپنے دیہاتی ویگن میں پچھلے دروازے پر آیا۔ انطونیا نے پہلے کی طرح ویگن سے چھلانگ لگائی اور بھاگ کر ہمارے باورچی خانے میں آ گئی۔ وہ جوتے اور چرابیں پہنے ہوئے تھی' ہانپ رہی تھی اور بہت خوش بھی تھی۔ شوخی سے میرے کندھوں کو جھنجھوڑتے ہوئے کہنے لگی ''اچھا تو تم جم' تم مجھے بھولے نہیں؟''

دادی اماں نے اسے پیار کیا ''خدا تمہیں خوش رکھے میری بچی۔ اب تم آ گئی ہو تو اچھے کام کرنا اور ہمارے لئے نیک نامی کا سبب بننا۔''

انطونیا نے پسندیدگی سے گھر کا جائزہ لیا اور سب چیزوں کی تعریف کی۔ ''ہاں اب میں شہر آ گئی ہوں تو شاید ایسی لڑکی بن جاؤں جس کو آپ زیادہ پسند کریں۔'' اس نے امید سے کہا۔

انطونیا کو دوبارہ اپنے درمیان پا کر' ہر روز اور لگ بھگ ہر شب اسے دیکھ کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی۔ مسز ہارلنگ نے اس میں جو سب سے بڑی خامی تلاش کی وہ یہ تھی وہ اکثر اپنا کام بند کر کے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں شریک ہو جاتی ہے کھیل کے ہنگامے گرم رہتے اور کبھی کبھی انطونیا وہ بوڑھا ریچھ بن جاتی جو نینا کو اٹھانے کے لئے پہاڑ سے آیا تھا۔ ٹونی نے انگریزی اس قدر سرعت سے سیکھ لی کہ جب سے سکول کھلا تو وہ بالکل ہماری طرح روانی سے انگریزی بول سکتی تھی۔

ٹونی چارلنگ کی تعریف کرتی تو مجھے حسد ہوتا۔ بات یہ تھی کہ وہ سکول میں اپنی جماعت میں ہمیشہ اول رہتا تھا۔ پانی کے پائپ کی مرمت کر سکتا تھا' دروازے کی گھنٹی درست کر سکتا تھا۔ ایسے ہی کاموں کے سبب ٹونی تو اسے کوئی شہزادہ خیال کرنے لگی تھی۔ چارلی کے جو

تقاضے تھے' وہ ٹونی کے لئے زیادہ بوجھ بھی نہ بنتے تھے۔ جب وہ شکار پر جاتا تو ٹونی اس کے لئے کھانے تیار کرنا پسند کرتی تھی۔ اسے یہ بھی اچھا لگتا تھا کہ وہ چارلی کے دستانوں کی مرمت کرے اور اس کے ٹوٹے ہوئے بٹن لگائے۔ اس کا پسندیدہ کیک تیار کرے اور جب کبھی وہ اپنے باپ کے ساتھ باہر جائے تو اس کے کتے کا خیال رکھے۔ انطونیا نے مسٹر ہارلنگ کے پرانے کوٹوں سے اپنے لئے کپڑے کے سلیپر تیار کر لئے تھے جنہیں پہن کر چارلی کو خوش کرنے کی خاطر وہ اس کے پیچھے بھاگتی رہتی تھی۔

میرا خیال ہے کہ چارلی کے بعد اسے سب سے زیادہ محبت نینا سے تھی۔ نینا کی عمر صرف چھ برس تھی' لیکن دوسرے بچوں کے مقابلے میں وہ زیادہ پیچیدہ تھی۔ حساس ان کہی ترجیحات کی حامل اور خیالی پلاؤ پکانے والی۔ ذرا سی مایوسی یا رنج پر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں' تب وہ ٹھوڑی اوپر کو اٹھاتی اور چپکے سے ادھر ادھر ہو جاتی۔ اگر ہم اسے کے پیچھے بھاگتے اور اسے منانے کی کوشش کرتے تو کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ وہ روٹھ کر چلتی رہتی۔ میں سوچا کرتا تھا کہ دنیا بھر میں کسی اور کی آنکھیں نہ تو اتنی بڑی ہو سکتی ہیں اور نہ ہی نینا کی آنکھوں جتنے آنسوؤں کو سمیٹ سکتی ہیں۔ مسز ہارلنگ اور انطونیا ہمیشہ ہی اس کا ساتھ دیتیں اور ہمیں وضاحت کا کبھی موقع ہی نہ دیا جاتا تھا۔ الزام بس یہ ہوتا ''تم نے نینا کو رولایا ہے۔ جمی تم اب گھر جا سکتے ہو اور سیلی تم اپنا کام کرو۔'' نینا مجھے اچھی لگتی تھی۔ وہ بڑی انوکھی اور غیر متوقع قسم کی لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی دلکش تھیں۔ لیکن میں اکثر اوقات اسے تنگ کرنے کی خواہش محسوس کرتا تھا۔

ہارلنگ صاحب جب کبھی سفر پر ہوتے تو ہم لوگ ان کے گھر میں ہنسی خوشی کی شامیں بسر کرتے۔ البتہ جب وہ گھر میں ہوتے تو پھر بچوں کو جلد سونا پڑتا یا پھر وہ کھیلنے کے لئے ہمارے گھر آ جاتے۔ ہارلنگ صاحب صرف یہ نہ چاہتے تھے کہ گھر میں خاموشی ہو' بلکہ وہ اپنی شریک حیات کی بھرپور توجہ کا تقاضا بھی چاہتے تھے۔ وہ بیوی کو اپنے کمرے میں لے جاتے اور ساری شام اس سے اپنے کاروبار کی باتیں کرتے رہتے۔ ان دنوں ہمیں اس امر کا احساس نہ تھا' لیکن سچی بات یہ ہے کہ کھیل کود کے دوران مسز ہارلنگ ہماری تماشائی ہوتیں اور ہم ہمیشہ ان سے مشوروں کے طالب ہوتے۔ ان کی تیز ہنسی سے زیادہ کوئی شے ہمیں خوش نہ کرتی تھی۔

مسٹر ہارلنگ کے بیڈ روم میں ایک ڈیسک تھا اور کھڑکی کے ساتھ ایک آرام کرسی

تھی۔اس پر صرف ہارلنگ صاحب بیٹھا کرتے تھے۔جن راتوں وہ گھر پر ہوتے تو کھڑکی کے پردے پر میں ان کا سایہ دیکھا کرتا تھا۔ مجھے یہ ایک مغرور سا سایہ لگتا۔گھر میں ان کی موجودگی کی صورت میں مسز ہارلنگ کسی اور پر کوئی توجہ نہ دیتی تھیں۔مسٹر ہارلنگ نے اپنے کمرے میں الکوحل کا ایک لیمپ رکھا ہوا تھا اور ایک فرنچ کا کافی کا برتن۔ جب کبھی انہیں کافی کی خواہش ہوتی' ان کی بیوی کافی تیار کر کے دے دیتی تھی۔

بلیک ہاک کے اکثر باپوں کی گھریلو امور کے علاوہ اپنے کوئی مشاغل نہ تھے۔وہ بل ادا کرتا' کام کاج کے بعد کے وقت میں بچہ گاڑیوں کو دھکا لگاتے لان کی صفائی کرتے اور اتوار کے روز گھر والوں کو سیر کرواتے۔اس لحاظ سے مسٹر ہارلنگ اپنے طور طریقے میں مجھے آمر سے محسوس ہوتے۔اپنے تئیں صاحب اقتدار کی طرح محسوس کرنے والے کسی شخص کی طرح وہ چلتے باتیں کرتے' دستانے پہنتے اور ہاتھ ملاتے۔دراز قد وہ نہ تھے لیکن یوں سر نکالے رہتے کہ حاکم قسم کی شے دکھائی دیتے۔ان کی آنکھوں میں جرأت منداور چیلنج کرنے والی کوئی شے جھانکتی محسوس ہوتی تھی۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ انطونیا جن 'نوابوں'' کا ہمیشہ ذکر کرتی رہتی ہے' وہ کرسچین ہارلنگ جیسے ہی دکھائی دیتے ہوں گے۔وہ ان جیسے اوورکوٹ پہنتے ہوں گے اور ان کی چھوٹی انگلی میں ویسے ہی ہیرا چمکتا ہوگا۔

والد کی موجودگی کے سوا ہارلنگ گھرانے میں شاذ و نادر ہی خاموشی ہوتی تھی۔مسز ہارلنگ' نینا اور انطونیا مل کر اتنا شور مچاتی تھیں جتنا بچوں سے بھرے ہوئے گھر میں غل ہوتا ہے۔عموماً کوئی نہ کوئی پیانو بھی بجا رہا ہوتا تھا۔صرف جولیا ہی باقاعدگی سے موسیقی کی مشق کرتی تھی لیکن پیانو وہ سبھی بجاتے تھے۔فرانسس جب دوپہر کو گھر آتی تو رات کے کھانے کے تیار ہونے تک وہ پیانو پر بیٹھی رہتی۔ سیلی سکول سے واپسی پر اپنے ہیٹ اور کوٹ پر بیٹھ جاتی اور کھیت کاری کے وہ نغمے بجاتی جن کو حبشیوں کے مذہبی ٹولے نے قصبہ میں متعارف کروایا تھا۔ یہاں تک کہ نینا بھی شادی بیاہ کے سویڈش نغمے بجاتی۔

مسز ہارلنگ نے ایک اچھے استاد سے پیانو کی تربیت حاصل کی تھی اور وہ کسی نہ کسی طور روزانہ مشق کا انتظام کر لیتی تھیں۔جلد ہی میں نے یہ بات سیکھ لی کہ اگر میں کسی کام سے جاؤں اور مسز ہارلنگ کو پیانو میں مصروف پاؤں تو پھر مجھے خاموشی سے بیٹھ کر اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے جب وہ میری طرف متوجہ ہوں۔اس لمحے میں انہیں دیکھ سکتا ہوں' وہ اپنے مختصر

فربہ جسم کے ساتھ سٹول پر براجمان ہیں اور ان کے چھوٹے سے موٹے ہاتھ پیانو کے تختے پر سرعت اور صفائی سے حرکت کر رہے ہیں اور ان کی آنکھیں ذہانت توجہ کے ساتھ موسیقی پر مرکوز ہیں۔

(4)

''میں نہ تو تمہاری گھن والی گندم لوں گی اور نہ ہی تم سے کوئی جو۔ ہاں چارلی کے لئے کیک بنانے کو تھوڑا سا عمدہ سفید آٹا ضرور لوں گی۔''

انطونیا کو ستانے کے لئے ہم یہ گیت گنگنا رہے تھے جب کہ وہ چارلی کا ایک پسندیدہ کیک تیار کرنے میں مصروف تھی۔

خزاں کی ہی ایک سرد اور خشک شام تھی۔ بس اس قدر کہ دل چاہے کہ صحن میں کھیل کود چھوڑ کر باورچی خانے میں پناہ لے لی جائے۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ٹونی نے اپنا چمچہ رکھا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

شفاف جلد والی ایک صحت مند لڑکی دروازے میں کھڑی تھی۔ دیکھنے میں وہ خوبصورت تھی۔ نیلے رنگ کے لباس اور اس رنگ کے چھوٹے سے ہیٹ میں وہ حسن کا ایک دلکش مجسمہ بنی ہوئی تھی۔ کندھوں پر اس نے صفائی شے شال اوڑھ رکھی تھی اور ہاتھ میں ایک بھدی سی چھوٹی سی کتاب۔

''ہیلو ٹونی'۔ کیا تم مجھے نہیں جانتیں؟'' شوخی سے ہمیں دیکھتے ہوئے اس نے ملائم اور آہستہ آواز میں پوچھا۔

حیران ہو کر انطونیا پیچھے کو ہٹی۔

''ارے یہ کیا' یہ تو لینا ہے' میں تو تمہیں پہچان ہی نہ سکی۔ ایسا لباس پہن رکھا ہے تم نے!''

لینا لنگارڈیوں ہنس دی جیسے اس بات نے اسے خوش کر دیا ہو۔ خود میں نے بھی اسے ایک لمحے کے لئے نہ پہچانا تھا۔ پہلے کبھی میں نے اسے ہیٹ پہنے ہوئے نہ دیکھا تھا۔۔۔۔ اور نہ ہی کبھی اس کے پاؤں میں جوتے اور جرابیں دیکھیں تھیں۔ اور اب وہ کسی شہری لڑکی کی طرح

MashalBooks.com

لباس زیب تن کئے پورے اعتماد کے ساتھ ہم لوگوں پر مسکرائے جا رہی تھیں۔

''ہیلو' جم'' اس نے باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔''ٹونی میں بھی اچھے کام کاج کے لئے قصبے میں آ گئی ہوں۔''

''اچھا تو تم بھی؟ ہے نا عجیب سی بات!'' انطونیا پریشان دکھائی دے رہی تھی۔لگتا تھا کہ اسے نہیں معلوم کہ اپنے مہمان کے ساتھ وہ کیا سلوک کرے۔

کھانے کے کمرے کا دروازہ کھلا جہاں مسز ہارلنگ بیٹھی کروشے کا کام کر رہی تھیں اور فرانسس مطالعے میں مصروف تھی۔فرانسس نے لینا کو اندر آ کر ان کے ساتھ شامل ہونے کو کہا۔''تم لینا لنگارڈ ہی ہو نا؟ میں تمہاری ماں سے ملنے گئی تھی لیکن تم اس روز مویشیوں کے ساتھ گئی ہوئی تھیں۔ماما' یہ کرس لنگارڈ کی سب سے بڑی بیٹی ہے۔''

مسز ہارلنگ نے ہاتھ روک کر چلی سے مہمان کا جائزہ لیا۔وہ اس کرسی پر بیٹھ گئی تھی جس کی طرف فرانسس نے اشارہ کیا تھا۔احتیاط کے ساتھ اس نے اپنی چھوٹی کتاب اور بھورے رنگ کے سوتی دستانے اپنی گود میں رکھ دیئے تھے۔اپنے پاپ کورن لئے ہم بھی اس کی طرف بڑھے۔لیکن انطونیا پیچھے رہ گئی۔اس نے اپنا کیک تنور میں رکھنا تھا۔

''اچھا تو تم قصبے میں آ گئی ہو'' مسز ہارلنگ نے پوچھا۔ان کی نظریں ابھی تک نینا پر مرکوز تھیں۔''کہاں کام کر رہی ہو؟''

''درزن مسز تھامس کے لئے کام کر رہی ہوں۔وہ مجھے اپنا کام سکھائے گی۔اس کا کہنا ہے کہ میں خاصی ہوشیار ہوں۔کھیت کا کام میں نے چھوڑ دیا ہے۔وہ تو شیطان کی آنت ہوتا ہے۔ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ہر وقت جان پر بنی رہتی ہے۔میں تو اب درزن ہی بنوں گی۔''

''خیر' درزیوں کی بھی ضرورت ہے۔اچھا کام ہے۔لیکن تمہاری جگہ میں ہوتی تو کھیت کبھی نہ چھوڑتی'' مسز ہارلنگ نے کسی قدر درشتی سے کہا۔''تمہاری اماں کیسی ہیں؟''

''اوہ' اماں تو کبھی اچھی نہیں ہوتیں۔ہر وقت کسی نہ کسی جھمیلے میں الجھی رہتی ہے۔ممکن ہوتا تو وہ بھی کھیت سے جان چھڑا لیتی۔مجھے بھیجنے پر وہ راضی تھی۔سلائی کا کام سیکھنے کے بعد میں کچھ کما سکوں گی اور اس کی مدد بھی کر سکوں گی۔''

''یہ بات بھول نہ جانا'' مسز ہارلنگ نے کسی قدر رشک و شبے سے کہا اور کروشے کے

کام میں پھر سے مصروف ہو گئیں۔

''نہیں۔ میں نہ بھولوں گی'' لینا نے نرمی سے کہا۔ اس نے پاپ کورن کے چند دانے لئے جو ہم نے اسے پیش کئے تھے۔ احتیاط کے ساتھ وہ انہیں کھانے لگے۔ اس بات کی وہ خاص احتیاط کر رہی تھی کہ اس کی انگلیاں چپک نہ جائیں۔

فرانسس نے اپنی کرسی مہمان کے قریب تر کھینچ لی۔ ''میرا خیال تھا لینا کہ تم شادی کرنے والی ہو؟'' اس نے چھیڑتے ہوئے کہا ''میں نے سنا تھا کہ نک سونڈسن تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔''

اپنی متجسس معصوم مسکراہٹ کے ساتھ لینا نے سر اٹھایا۔ ''ہاں کچھ عرصہ یہ قصہ چلا تو تھا لیکن اس کے باپ نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ وہ کہتا تھا کہ نک نے میرے ساتھ شادی کی تو اسے اراضی کو کوئی ٹکڑا نہ دے گا۔ لہٰذا اب وہ اینی آورسن سے شادی کرنے والا ہے۔ میں تو اس کی جگہ لینا کبھی پسند نہ کروں۔ نک بڑا نک چڑھا ہے۔ اس کو خوب مزا چکھائے گا۔ جب سے اس نے وعدہ کیا ہے، اپنے باپ سے ایک لفظ بھی نہیں بولا ہے۔''

فرانسس ہنسنے لگی۔ ''اچھا تو تمہیں یہ سب کچھ کیسا لگتا ہے؟''

''میں نک سے، یا کسی اور سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔'' لینا بڑبڑائی۔ ''میں نے بہت سی شادی شدہ زندگیاں دیکھی ہیں اور مجھے اس کی کوئی چاہت نہیں۔ میں تو چاہتی ہوں کہ کسی اور کی محتاج ہونے کی بجائے اپنی ماں اور گھر کے بچوں کی مدد کر سکوں۔''

''اچھی بات ہے'' فرانس نے کہا ''اور مسز ٹومس کا خیال ہے کہ تم سلائی کا کام سیکھ سکتی ہو؟''

''جی ہاں۔ مجھے یہ کام ہمیشہ سے ہی پسند تھا۔ لیکن کبھی زیادہ موقع نہ ملا تھا۔ مسز ٹومس قصبے کی ساری خواتین کے لئے خوبصورت لباس تیار کرتی ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ مسز گارڈنزار غوانی ویلوٹ کا جوڑا بنا رہی ہیں۔ یہ ویلوٹ اوماہا سے آیا ہے۔ کیا ہی غضب کی شے ہے!'' لینا نے ہولے سے آہ بھری۔ ''ٹونی کو پتہ ہے کہ مجھے گھر سے باہر کا کام کبھی پسند نہ تھا'' اس نے مزید کہا۔

مسز ہارلنگ نے اس کی طرف نظر اٹھائی۔ ''ہاں لینا مجھے پتہ ہے کہ تم سلائی کا کام سیکھ لو گی۔ شرط بس یہ ہے کہ اپنے کام پر توجہ دو اور کام کو چھوڑ کر بعض دیہاتی لڑکیوں کی طرح

ناچوں کے پیچھے نہ بھاگتی پھرو۔''

''جی ہاں ٹائنی سوڈر بال بھی قصبے میں آرہی ہے۔ وہ لڑکوں کے ہوم ہاسٹل میں کام کرے گی۔ بہت سے اجنبیوں سے ملے گی وہ لینا نے کسی قدر اداسی اور آرزومندی کے ساتھ کہا۔

''ہاں' بہت سوں سے'' مسز ہارلنگ بولیں۔ ''میں نہیں سمجھتی کہ ہاسٹل کسی لڑکی کے لئے اچھی جگہ ہے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ مسز گاڈنز اپنی ویڑسوں پر نظر رکھتی ہیں۔''

لینا کی شفاف آنکھیں' جو لمبی پلکوں کے نیچے ہمیشہ خواب آلود دکھائی دیتی تھیں' سادگی آمیز تعریفی انداز میں کمروں کا جائزہ لیتی رہیں۔ اب اس نے اپنے دستانے پہن لئے تھے۔ ''میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہئے'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

فرانس نے اس سے کہا کہ جب کبھی وہ تنہائی محسوس کرے یا کسی مسلے پر مشورے کی طالب ہو تو وہ دوبارہ ان کے پاس آسکتی ہے۔ لینا کا جواب یہ تھا کہ اس کے خیال میں بلیک ہاک میں وہ کبھی تنہائی کا شکار نہ ہوگی۔

باورچی خانے کے دروازے پر وہ رکی اور انطونیا سے استدعا کی کہ وہ اکثر اسے ملنے کے لئے آتی رہے۔ ''مسز تھامس کے یہاں میرے لئے الگ کمرہ ہے جس میں قالین بھی ہے۔''

کپڑے کے سلیپروں میں ٹونی تھوڑا سا آگے کو کھسکی۔ ''وہاں' میں کسی روز آؤں گی۔ لیکن مسز ہارلنگ کو میرا زیادہ گھومنا پسند نہیں'' اس نے پہلو کو بچاتے ہوئے کہا۔

''باہر جا کر تم جو جی میں آئے کر سکتی ہو ٹھیک ہے ناں؟'' لینا نے شرگوشی میں کہا۔ ''سبے کا جادو تم پر نہیں چڑھا ٹونی؟ میں تو پرواہ نہیں کرتی کہ کون کیا کہتا ہے۔ فارم میں چھوڑ ہی چکی ہوں۔ کندھوں کے اوپر سے اس نے کھانے کے کمرے کی طرف دیکھا جس میں مسز ہارلنگ بیٹھی ہوئی تھیں۔

لینا کے جانے کے بعد فرانسس نے انطونیا سے پوچھا کہ لینا کے ساتھ وہ روکھائی سے کیوں پیش آرہی تھی۔

''مجھے معلوم نہ تھا کہ تمہاری والدہ کی اس کا یہاں آنا پسند آیا ہے یا نہیں۔'' انطونیا نے پریشان ہوتے ہوئے جواب دیا۔ وہاں اس کے چرچے ہوتے رہے ہیں۔''

''ہاں میں جانتی ہو۔ لیکن اگر وہ یہاں اپنا رویہ ٹھیک رکھے تو امی کو کوئی اعتراض نہ

ہو گا۔ بچوں کو اس کے متعلق کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے کہ جم نے اس کے بارے میں سب کچھ سن رکھا ہے۔''

جب میں نے ہاں میں سر ہلایا تو اس نے میرے بال پکڑ لئے اور بولی کہ بہر طور میں زیادہ ہی جانتا تھا۔ ہم اچھے دوست تھے۔۔۔۔ فرانسس اور میں

دادی اماں کو یہ بتانے کے لئے میں گھر کی طرف بھاگا کہ لینا لنگارڈ قصبے میں آ گئی ہے۔ اس بات کی ہمیں خوشی تھی کیونکہ فارم پر اس کی بڑی سخت زندگی تھی۔

لینا سکا کریک کے مغرب میں ناروی لوگوں کی بستی میں رہتی تھی اور وہ اپنے باپ کے ڈھور ڈنگر اس کی اور شمردا کی زمین کے درمیان کھلے علاقے میں چرایا کرتی تھی۔ جب کبھی ہم گھوڑے پر سوار ادھر سے گزرتے تو اسے اپنے مویشیوں کے ساتھ ننگے سر اور ننگے پاؤں دیکھتے۔ اس کے جسم پر چیتھڑے لٹک رہے ہوتے تھے۔ اپنے گلے کی نگرانی کرتے ہوئے وہ کچھ نہ کچھ بنتی بھی رہتی تھی۔ لینا کو جاننے سے پہلے میرا خیال یہ تھا کہ وہ کوئی جنگلی لڑکی ہے جو ہمیشہ چراگہ میں رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے اسے کبھی کسی چھت کے نیچے دیکھا ہی نہ تھا۔ گرد و غبار اور دھوپ سے اس کے بالوں کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ مسلسل دھوپ میں رہنے کے باوجود اس کے بازوؤں اور ٹانگوں کی سفیدی برقرار تھی یوں ان لڑکیوں سے بھی زیادہ عریاں نظر آتی تھی جو کم سے کم لباس پہنتی ہیں۔ پہلی بار جب میں اس سے بات کرنے کے لئے رکا تو اس کی آواز کی ملائمت اور شریفانہ طور طریقے سے مجھے حیرت ہوئی۔ معاملہ یہ ہے کہ اس علاقے کی لڑکیاں جب ڈھور ڈنگر چرانے لگیں تو عام طور پر ان کے طور طریقے کھردرے اور مردوں جیسے ہو جاتے ہیں۔ تاہم لینا نے جیک اور مجھے گھوڑوں سے اتر کر تھوڑی دیر ٹھہرنے کو کہا۔ اس کا برتاؤ ایسے تھا کہ جیسے وہ اپنے گھر میں ہو اور مہمانداری سے شناسا ہو۔ اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کی وجہ سے اس پر کوئی گھبراہٹ طاری نہ ہوئی اور وہ ہمیں یوں ملی جیسے مدتوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ اس وقت بھی میں نے اس کی آنکھوں کے غیر معمولی رنگ کو بھانپ لیا تھا۔ بنفشی رنگ کی ان آنکھوں سے نرمی اور اعتماد ٹپکتا تھا۔

کرس لنگارڈ کوئی زیادہ کامیاب کسان نہ تھا جب کہ اس کا خاندان لمبا چوڑا تھا۔ لینا ہر وقت چھوٹے بہن بھائیوں بلکہ ناروی عورتوں کے لئے کچھ نہ کچھ بنتی رہتی تھی۔ یہ عورتیں اسے اچھا نہ سمجھتی تھیں حالانکہ انہیں اقرار تھا کہ وہ اپنی ماں کی اچھی بیٹی ہے۔ جیسا کہ ٹونی نے کہا

تھا اس کے بارے میں قصے مشہور ہوتے رہے تھے۔ اس پر یہ الزام تھا کہ اس نے بڈھے کھوسٹ اول بینسن کو اس کے رہے سہے حواس سے بھی محروم کر دیا تھا۔

اول بستی کے کنارے کسی جگہ شکستہ کھولی میں رہتا تھا۔ وہ موٹا' سستی کا مارا اور بد حوصلہ تھا۔ بدقسمتی اس کے لئے معمول بن چکی تھی۔ جب وہ ساری بدقسمتیاں برداشت کر چکا تو اس کی بیوی ''دیوانی میری'' نے ایک ہمسائے کے غلہ گودام کو آگ لگانے کی کوشش کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے لنکن کے آشرم میں بھیج دیا گیا۔ چند ماہ تک وہ ہاں بند رہی لیکن آخر بھاگ نکلی اور لگ بھگ دو سو میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے اس حالت میں گھر پہنچی کہ رات کو وہ سفر کرتی اور دن کو غلہ گوداموں یا گھاس کے ڈھیروں میں چھپی رہتی تھی۔ جب وہ ناروی بستی میں واپس آئی تو اس کے پاؤں لوہے کی طرح سخت ہو چکے تھے۔ اس نے شرافت سے رہنے کا وعدہ کیا اور یوں اسے گھر میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ ویسے سب کی رائے یہی تھی وہ پہلے کی طرح پاگل ہے اور اب بھی وہ ہمسایوں کو اپنے گھریلو مصائب سے آگاہ کرنے کے لئے ننگے پاؤں برف پر دوڑتی چلی جاتی تھی۔

آشرم سے میری کو واپس آئے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ کٹائی میں ہماری مدد کرنے والے ایک نوجوان ڈنمارکی نے جیک اور اوٹو کو بتایا کہ کرس لنگارڈ کی بڑی بیٹی نے اول سبنیسن پر جادو کر دیا ہے اور اب اس کی حالت اپنی بیوی جیسی ہی ہو گئی ہے۔ اس موسم گرما میں جب اول اپنی مکئی اگا رہا تھا تو کھیت سے اچانک اس کا دل اچاٹ ہو جاتا اور وہ سب کچھ چھوڑ کر لینا لنگارڈ کی تلاش میں چل نکلتا۔ مویشی چراتی ہوئی لینا کے پاس پہنچ کر وہ اس کے پاس بیٹھ جاتا اور ڈھور ڈنگر کی دیکھ بھال میں اس کا ہاتھ بٹاتا۔ یہ قصہ ساری بستی میں مشہور ہو گیا۔ ناروی مبلغ کی بیوی کے پاس گئی اور اسے یہ معاملہ ختم کرنے کے لئے کہا۔ اس نے ہر اتوار کو چرچ آنے کے لئے بھی لینا سے درخواست کی۔ لینا نے جواب دیا کہ وہ چیتھڑے اس نے پہن رکھے تھے' ان سے بہتر اس کے پاس کوئی لباس نہیں۔ اس پر مبلغ کی بیوی نے اپنے پرانے صندوقوں کی چھان مارا اور چند ایسے کپڑے تلاش کر لئے جو وہ شادی سے پہلے پہنا کرتی تھی۔

اگلی اتوار کو لینا چرچ جا پہنچی۔ وہ قدرے لیٹ تھی۔ بالوں کو اس نے نوجوان دوشیزہ کی طرح صفائی سے گوندر کھا تھا۔ وہ جوتے جرابیں اور نیا لباس زیب تن کئے تھی۔ یہ لباس اس نے بڑی صفائی سے اپنے لئے بنایا تھا۔ مجمع اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت تک۔۔۔۔ غالباً

اول کے علاوہ۔۔۔۔کسی کو بھی یہ احساس نہ ہوا تھا کہ وہ خوبصورت تھی اور شباب کی طرف بڑھ بھی رہی تھی۔ جوانی کے ابھرتے ہوئے خطوط کو ان بدوضع چیتھڑوں نے چھپا رکھا تھا جو وہ کھیتوں میں پہنے رکھتی تھی۔ جب آخری مناجات کہی جا چکی اور مجمع بکھرنے لگا تو اول باہر کو کھسکا اور لینا کو اس نے اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا۔ یہ بات بجائے خود ہیجان انگیز تھی۔ کسی شادی شدہ مرد سے ایسی باتوں کی توقع نہ کی جاتی تھی۔ خیر بعد میں جو کچھ ہوا' اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں۔ پاگل میری چرچ کے دروازے سے عورتوں کے ہجوم سے نکلی اور خطرناک دھمکیاں دیتی ہوئی لینا کے پیچھے پیچھے سڑک پر بھاگنے لگی۔

''دیکھو دیکھو لینا' ایک روز میں چاقو لے کر آؤں گی اور تمہارا حلیہ بگاڑ دوں گی۔ پھر تم یہ نخرے نہ دکھا سکوں گی۔ مردوں کو دیوانہ نہ بناؤ گی!۔۔۔۔''

ناروی عورتوں کو کچھ پتہ نہ چل رہا تھا کہ وہ کس طرف دیکھیں۔ وہ سیدھی سادھی گھریلو عورتیں تھیں جنہیں رکھ رکھاؤ کا بڑا خیال ہوتا ہے لیکن لینا بس اپنی کاہل اور خوش دلی کی ہنسی ہنس دی اور گھوڑے پر سوار چلتی رہی۔ پیچھے مڑ کر وہ اول کی زخمی شیرنی جیسی بیوی کو تکتی بھی جاتی۔

خیر' وہ وقت بھی آ گیا جب لینا نے ہنسنا چھوڑ دیا۔ ایک سے زیادہ بار پاگل میری نے چراگہ کے اندر اور شمردوں کے مکئی کے کھیت کے گرداگرد لینا کا پیچھا کیا۔ لیکن لینا نے اس بات کا اپنے باپ سے کوئی ذکر نہ کیا۔ شاید اسے شرم آتی تھی یا شاید وہ اس کے غصے سے میری کے چاقو سے بھی زیادہ ڈرتی تھی۔ ایک روز میں شمرد اگھرانے میں تھا کہ سرخ گھاس میں سے لینا تیزی سے بھاگتی ہوئی آئی۔ وہ سیدھی گھر کے اندر داخل ہوگئی اور انطونیا کے باپ کے بستر میں جا کر چھپ گئی۔ میری بھی زیادہ پیچھے نہ تھی۔ وہ دروازے تک آئی اور اپنے چاقو کی تیزی دکھانے لگی۔ یہ بھی وہ بتاتی جا رہی تھی کہ لینا کے ساتھ اس کا کیا کرنے کا ارادہ تھا۔ کھڑکی میں سے باہر کو جھک کر مسز شمرد ا اس صورت حال سے محظوظ ہو رہی تھی اور جب انطونیا نے چند ٹماٹر دے کر میری کو پچکارتے ہوئے باہر بھیج دیا تو انہیں افسوس بھی ہوا۔ لینا باورچی خانے کے پیچھے سے ٹونی کے کمرے سے باہر آئی۔ گرمی کی وجہ سے اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔ تاہم وہ تھی پر سکون۔ اس نے انطونیا اور مجھ سے التجا کی کہ ہم اس کے ساتھ چلیں اور اس کے مویشی اکٹھے کرنے میں اس کی مدد کریں۔ وہ بکھر چکے تھے اور ممکن تھا کہ کسی اور کھیت میں چر رہے ہوں۔

''شاید تم نے اس واقعہ سے سبق سیکھ لیا ہو کہ شادی شدہ مردوں سے آنکھیں نہیں

لڑانی چاہئیں۔'' مسز شمردا نے ڈرانے کے انداز میں لینا سے کہا۔

لینا جواب میں بس اپنے خواب آمیز انداز میں مسکرادی۔ ''اس میں میرا کیا قصور اگر وہ خود ہی میرے گرد طواف کرتا ہو۔ میں اسے دفع ہونے کو تو نہیں کہہ سکتی۔ چراگہ میری تو نہیں ہے ناں!''

(5)

لینا بلیک ہاک آنے کے بعد قصبے کے کاروباری علاقے میں میری اکثر اس سے مڈ بھیڑ ہو جاتی تھی جہاں وہ سینے پرونے کا سامان خرید رہی ہوتی یا پھر مسز ٹومس کے لئے کچھ تلاش کر رہی ہوتی تھی۔ اگر میں اس کے ساتھ گھر کی راہ لیتا تو یا وہ ان لباسوں کے تذکرے کرتی جن کی تیاری میں وہ مدد دے رہی ہوتی یا پھر وہ ان باتوں کا چرچا کرتی جن کو ٹائنی سوڈر بال کے ساتھ اس نے ہفتے کی راتوں کو ہوٹل میں دیکھا تھا یا ان کے بارے میں سنا تھا۔

برلنگٹن کے ہماری جانب کے علاقے میں بوائز بہترین ہوٹل تھا اور اس علاقے کے تمام تجارتی مسافر اتوار بسر کرنے کے لئے بلیک ہاک آنے کی کوشش کرتے تھے ہفتے کی رات کو کھانے کے بعد یہ لوگ پارلر میں جمع ہوا کرتے تھے مارشل فیلڈ کا آمی انیسن کرک پیٹرک پیانو بجاتا اور نئے جذباتی گیت گاتا تھا۔ ٹائنی جب برتنوں کی صفائی میں باورچی کا ہاتھ بٹا چکتی تو وہ اور لینا دو ہرے دروازوں۔۔۔۔ پارلر اور طعام خانے کے درمیان۔۔۔ کی دوسری سمت میں بیٹھ جاتیں۔ یہاں وہ گیت سنتیں لطیفوں اور قصوں پر ہنستیں۔ لینا اکثر مجھ سے کہا کرتی تھی کہ بڑا ہو کر میں سیاح بنوں گا۔ سیاح کی زندگی بھی کیا مزے کی ہوتی ہے۔ کرتا کراتا وہ کچھ بھی نہیں۔ سارا دن ٹرینوں پر سفر کرتا ہے اور جب کبھی بڑے شہر میں پہنچ جائے تو وہاں تھیٹر سے دل بہلاتا ہے۔

ہوٹل کے عقب میں ایک پرانے سٹور کی عمارت تھی جس میں تاجر لوگ اپنے بڑے بڑے ندوق کھولتے اور اپنے نمونوں کا ڈھیر لگاتے تھے۔ بلیک ہاک کے تاجر ان چیزوں کو دیکھنے وہاں جاتے اور اشیاء خریدتے۔ مسز ٹومس اگرچہ پرچون کا کام کرتی تھیں' تاہم انہیں نئے خیالات حاصل کرنے کے لئے ان چیزوں کو دیکھنے کی اجازت تھی۔ یہ مسافر لوگ بڑے مہربان ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے ٹائنی دوڈر بال کو رومال' دستانے' ربن اور خوشبودار صابن

کی بہت سی ٹکیاں دی تھیں۔ یہاں تک کہ اس نے بعض لینا کو عنایت کر دی تھیں۔

کرسمس سے ایک ہفتہ پہلے دوپہر کے وقت میری مڈبھیڑ لینا اور اس کے گاودی چوکور سر والے چھوٹے بھائی کرس سے ہوگئی۔ وہ لوگ ڈرگ سٹور کے باہر کھڑے تھے اور دوکان کے شوکیس میں رکھی ہوئی موم گڑیوں بلاکس اور دوسری چیزوں کو دیکھ رہے تھے۔ یہ لڑکا اپنے ایک ہمسائے کے ساتھ کرسمس کی خریداری کے لئے گاؤں سے آیا تھا بات یہ تھی کہ اس برس اس کے پاس اپنے پیسے بھی تھے۔ اس کی عمر تو صرف بارہ برس تھی لیکن اسے باروی گرجے کی صفائی کرنے اور ہر اتوار کی صبح کو وہاں آگ جلانے کو نوکری مل گئی تھی۔

ہم ڈک فورڈ کے خشک اشیاء کے سٹور پر گئے۔ جہاں کرس نے اپنے تمام تحائف کھول کر مجھے دکھائے۔۔۔ تمام کے تمام چھوٹے چھ بہن بھائیوں کے لئے کوئی نہ کوئی چیز اس نے خرید رکھی تھی یہاں تک کہ بچے کے لئے ربڑ کا سور بھی تھا۔ لینا نے والدہ کے لئے ٹائنی سوڈر بال والی خوشبو کی ایک شیشی اسے دی تھی اور اس کا خیال تھا کہ وہ اس کے ساتھ ماں کے لئے ایک رومال بھی خرید لے گا۔ وہ سستے تھے اور اس کے پاس اب زیادہ پیسے بھی نہ تھے۔ ڈک فوڑد کے سٹور میں بہت سے رومال موجود تھے۔ کرس ایسا رومال چاہتا تھا جس کے کونے میں نام کا ابتدائی حرف درج ہو۔ اس قسم کے رومال اس نے پہلے سے دیکھ چکے تھے۔ بڑی سنجیدگی سے وہ رومالوں کا جائزہ لیتا رہا اور لینا اس کے کندھے پر سے جھانک کر اسے بتا رہی تھی کہ اس کے خیال میں سرخ حروف کا رنگ پکا رہے گا اور اس قدر تذبذب کا شکار تھا کہ میں نے سوچا شاید اس کے پاس کافی رقم ہی نہیں ہے۔ آخر کار وہ بڑی سنجیدگی سے بولا:

''بی بی، تمہیں پتہ ہے کہ ماں کا نام برتھے ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ برتھے کے لحاظ سے ''ب'' والا رومال لوں یا ماں کے لحاظ سے ''م'' والا۔''

لینا نے اس کے کھردرے سر پر تھپکی دی۔ ''کریسی میں تو ''ب'' والا چاہوں گی۔ تاکہ ماں کو اس بات کی خوشی ہو کہ تم اس کے نام کے بارے میں سوچتے ہو۔ اب کوئی بھی اسے اس نام سے نہیں پکارتا۔''

اس پر وہ مطمئن ہو گیا۔ یک دم اس کا چہرہ صاف ہو گیا اور اس نے تین سرخ حروف اور تین نیلے حروف والے رومال خرید لئے۔ ہمسایہ جب یہ بتانے کے لئے آیا کہ روانگی کا وقت ہو گیا ہے تو لینا نے اس کا گلوبند گردن کے گرد لپیٹا اور اس کی جیکٹ کے کالر اوپر کو کر دیئے۔۔۔

اور کوٹ اس کے پاس کوئی نہ تھا۔۔۔تب ہم نے اسے طویل اور سرد سفر پر روانہ ہونے کے لئے چھکڑے پر سوار ہوتے دیکھا۔ ہوا دار گلی سب سے جب ہم دونوں گزر رہے تھے' تو میں نے لینا کو اونی دستانے سے آنسو پونچھتے دیکھا۔''بڑی یاد ستاتی ہے مجھے گھر والوں کی۔۔۔۔ ہاں ان سب کی'' وہ بڑبڑانے لگی۔۔۔۔جیسے وہ کسی یاد آنے والی ملاقات کا جواب دے رہی ہو۔

(6)

مرغزار میں آباد کسی چھوٹے سے قصبے میں سردیوں کا موسم بڑی بربریت کے ساتھ آتا ہے۔ کھلے علاقوں میں آنے والی ہوائیں پتوں کے وہ سارے پردے اڑا لے جاتی ہیں جو گرما کے ایام میں ایک احاطے کو دوسرے سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ گھر ننگے ہو کر ایک دوسرے کے قریب تر آ گئے ہیں۔ سرسبز درختوں کی چوٹیوں سے پرے دکھائی دینے والی چھتیں اب بالکل روبرو دکھائی دیتی ہیں۔ پتوں اور شاخوں کی چادر سے نکلنے کے بعد ان کی بدصورتی اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔

صبح کے وقت جب میں ہوا کا مقابلہ کرتے ہوئے سکول جاتا تو سامنے کی سڑک کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا۔ البتہ شام کے جھٹپٹے میں جب میں واپس آتا تو قصبہ مسرت سے محروم یاس زدہ نظر آتا۔ غروب آفتاب کی زرد اور ٹھنڈی روشنی حسن افروز نہ تھی۔۔۔۔وہ تو بجائے خود سچائی کی روشنی کے مانند تھی۔ جب کہر والے بادل مغرب میں نیچے لٹکے محسوس ہوتے اور سورج ان کی پشت پر غروب ہوتا' برف آلود چھتوں پر گلابی سی لکیر چھوڑ جاتا' تب ہوا پھر سے اٹھکیاں بھرنے لگتی۔ وہ کوئی تلخ سا گیت گنگناتی محسوس ہوتی جیسے کہہ رہی ہو''سچائی تو یہ ہے' تمہیں پسند ہو یا نہ ہو۔ گرما کی وہ ساری حماقتیں وہ روشنی اور سائے سبزے کا وہ گھونگھٹ جو ہر شے کو لپیٹ میں لے لیتا ہے۔۔۔ہاں وہ سب کچھ فریب ہی فریب تھا اور سچ یہ ہے جو نیچے چھپا تھا۔ بس یہی سچ ہے۔'' لگتا تھا کہ مجھے گرمیوں کی دلفریبیوں سے پیار کرنے کی سزا دی جا رہی ہو۔

سکول سے فارغ ہونے کے بعد اگر میں وقت گزارنے کے لئے کھیل کے میدان کی طرف چلا جاتا یا پھر خطوط لینے کے لئے ڈاک خانے کی راہ لیتا اور گپ شپ سننے کے لئے سگاروں کے کھوکھے پر تھوڑی دیر کے لیے رک جاتا تو گھر واپس پہنچنے تک اندھیرا ہو جاتا تھا۔

MashalBooks.com

سورج غروب ہونے کے بعد ٹھٹھری ہوئی گلیاں طویل ہو جاتیں' باورچی خانوں کی کھڑکیوں میں زرد روشنی جھانکتی اور میں وہاں گزرتے ہوئے پکتے ہوئے کھانوں کو سونگھ بھی سکتا تھا۔ اس سمے میں صرف چند لوگ ہی باہر ہوتے اور وہ بھی آگ کی طرف بڑھنے کے لئے مضطرب ہوتے۔ گھروں میں روشن چولہے گویا مقناطیسی تھے۔ بوڑھے آدمی کے نزدیک سے گزرتے ہوئے اسکے چہرے پر داڑھی اور لمبی مخملی ٹوپی کے درمیان لٹکے ہوئے ناک کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ نوجوان اپنی جیبوں میں ہاتھ دیئے پاس سے گزرتے اور کبھی یہ بھی برفیلی پڑی پر پھسلنے کی کوشش کرتے۔ بچوں کا چلن مختلف تھا۔ جونہی وہ اپنے دروازوں سے نکلتے تو کبھی نہ چلتے' بلکہ دڑونا شروع کر دیتے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے دستانے بھی لہراتے جاتے۔ جب میں میتھوڈسٹ چرچ تک دور پہنچتا تو گھر کا نصف راستہ طے کر چکا ہوتا مجھے یاد ہے کہ جب کبھی چرچ میں کوئی روشنی ہوتی اور برفیلی گلی میں سے جب ہم آگے بڑھتے اور چرچ کی کھڑکی کے منقش شیشے چمک رہے ہوتے تو مجھے بے حد خوشہ ہوتی اور برفیلی گلی میں سے جب ہم آگے بڑھتے اور چرچ کی کھڑکی کے منقش شیشے چمک رہے ہوتے تو مجھے بے حد خوشی ہوتی۔ سرما کی اداشیوں میں رنگ کی خواہش لوگوں پر طارہ ہو جاتی۔ سبب جانے بغیر ہی چرچ کے سامنے گلی میں ہماری رفتار اس وقت تھم جاتی جب کسی دعائیہ اجلاس کے سلسلے میں وہاں لیمپ جلد ہی روشن کر دیئے جاتے۔ کھڑکیوں کے رنگا رنگ منقش اور روشن شیشے ہماری راہ روک کر ہمیں متوجہ کر لیتے تھے۔

سرما کی راتوں میں ہارلنگ گھرانے کی کھڑکیوں میں روشنیاں منقش شیشے کی طرح مجھے متوجہ کرتی تھیں۔ اس بڑے اور گرم گھر کے اندر بھی رنگ تھے۔ شام کے کھانے کے بعد میں اپنی ٹوپی اٹھاتا' ہاتھ جیبوں میں ڈالتا اور یوں غائب ہو جاتا جیسے چڑیلیں میرا پیچھا کر رہی ہوں۔ البتہ اگر مسٹر ہارلنگ گھر پر ہوتے اور مغربی کمرے کی کھڑکی کے پردے پر ان کا سایہ دکھائی دیتا تو میں اندر نہیں جایا کرتا تھا۔ اس کے بجائے طویل راستے سے ہوتے ہوئے گھر کا رخ کرتا تھا۔ راہ میں مجھے اس بات کی فکر ہوا کرتی تھی گھر پہنچنے پر جب مجھے دو بوڑھے افراد کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا' تو وہاں مجھے کون سی کتاب پڑھنی چاہئے۔

اس قسم کی مایوسیاں مل جل کر کھیلنے کی مسرتوں میں اضافہ ہی کیا کرتی تھیں۔ اس سرما میں فرانسس نے ہمیں رقص سکھانا شروع کیا۔ پہلے ہی سبق میں اسے نے بتا دیا تھا کہ ہم سب

میں سے انطونیا بہترین رقاص بنے گی۔ ہفتے کی راتوں کو مسز ہارلنگ ہمارے لئے پرانے اوپرا۔۔۔'مارتھا'''''رگولیٹو'' کھیلا کرتی تھیں۔اس دوران وہ ہمیں اس کی کہانی بھی سنا دیتی تھیں۔ ہر ہفتے کی رات گویا جشن کی رات ہوا کرتی تھی۔ دیوان خانہ پچھلا دیوان خانہ اور طعام خانہ نہ صرف گرم ہوتے تھے بلکہ ان میں روشنی کا انتظام بھی بہت اچھا تھا۔ان میں آرام دہ کرسیاں اور صوفے بچھے ہوئے تھے۔دیواروں پر خوش نما تصویریں آویزاں تھیں۔آرام وہاں بہت محسوس ہوتا تھا۔انطونیا اپنا سلائی کا کام لے آتی اور ہمارے ساتھ بیٹھ جاتی۔اس نے اپنے لئے خوبصورت کپڑوں کی تیاری پہلے ہی شروع کر دی تھی۔ مرغزار میں امبروش کی غصیلی خاموشیوں اور ماں کے گلے شکوؤں کے درمیان سرما کی طویل شامیں گزارنے کے بعد انطونیا کے لئے ہارلنگ گھرانہ اس کے بقول''جنت کی مانند'' تھا۔اس قدر تھکی ہوئی وہ کبھی نہ ہوتی تھی کہ ہمارے لئے ٹافی یا چاکلیٹ بسکٹ بھی نہ بنا سکے۔ سیلی اگر اس کے کان میں سرگوشی کرتی یا شارلے آنکھوں سے تین اشارے کرتی ٹونی فوراً باورچی خانے کا رخ کرتی اور اس چولہے میں آگ جلا کر مصروف ہو جاتی جس پر ہر روز پہلے ہی وہ تین کھانے پکاتی تھی۔

باورچی خانے میں بیٹھ کر جب ہم بسکٹوں کے پکنے یا ٹافی کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کر رہے ہوتے تو نینا انطونیا سے کہانیاں سنانے کی فرمائش کرتی۔۔۔۔یہ کہانیاں اس بارے میں ہوا کرتی تھیں کہ کس طرح بچھڑے نے اپنی ٹانگ تڑوالی یا یہ کہ بوہیمیا میں شادی اور کرسمس کی رسوم کس طرح ادا کی جاتی ہیں۔ہم مذاق اڑاتے لیکن انطونیا اپنے اس عقیدے پر ڈٹی رہی کہ عیسی بوہیمیا سے شمرداگھرانے کے اخراج سے ذرا پہلے اسی ملک میں پیدا ہوئے تھے۔ ہم سب کو انطونیا کی کہانیاں پسند تھیں۔اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی کشش تھی۔۔۔گہری اور کسی قدر خشک آواز جس کے پس پردہ سانس لینے کی آواز ہمیشہ سنائی دیتی تھی۔ جو کچھ بھی وہ کہتی لگتا تھا کہ وہ دل کہ بات کہہ رہی ہے۔

ایک شام جب ہم اخروٹ ٹافی تیار کرنے کے لئے مغز نکال رہے تھے ٹونی نے ہمیں ایک نئی کہانی سنائی۔

''مسز ہارلنگ، کچھ خبر ہے آپ کو کہ گزشتہ گرمیوں میں ناروی بستی میں، جب کہ میں وہاں فصل کاٹ رہی تھی، کیا ہوا تھا؟ ہم ایورسن گھرانے میں ٹھہرے ہوئے تھے اور میں اناج کا ایک چھکڑا ہانک رہی تھی۔''

MashalBooks.com

مسز ہارلنگ آئیں اور ہمارے درمیان بیٹھ گئیں۔ ''ٹونی' کیا تم خود گندم پیپے میں پھینک سکتی تھیں؟'' انہیں معلوم تھا کہ یہ کس قدر سخت کام ہے۔

''ہاں ماما میں یہ کام کر سکتی تھی۔ بیلچے سے میں راستہ اسی قدر تیزی سے صاف کر سکتی تھی جس قدر تیزی سے دوسرا چھکڑا ہانکنے والا موٹا اینڈرن لڑکا کرتا تھا۔ ایک روز بے حد گرمی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ہم کھیت میں پہنچے۔ ہمارا خیال تھا کہ کام مشکل نہیں ہے۔ مردوں نے گھوڑے جوتے اور مشین کو چلانا شروع کر دیا۔ اول آٹوسن ڈیک پر بیٹھا تھا۔ میں سائے کی تلاش میں گھاس پھونس کے ایک ڈھیر کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔ میرے چھکڑے نے پہلے نہ نکلنا تھا۔ اس دن گرمی کی شدت کا احساس مجھے کچھ زیادہ ہی تھا۔ سورج اس قدر گرم تھا جیسے وہ دنیا کو جلا کر رکھ دینا چاہتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پودوں کے ٹھنٹھوں کی طرف سے ایک آدمی کو آتے دیکھا۔ قریب آنے پر میں نے دیکھا کہ وہ کوئی آوارہ گرد ہے۔ پاؤں کے انگوٹھے اس کے پھٹے پرانے جوتوں سے باہر نکل رہے تھے اور کئی روز سے اس نے شیو نہ بنائی تھی۔ آنکھیں اس کی خوفناک حد تک سرخ اور غصب ناک تھیں۔۔۔ جیسے وہ کسی بیماری کا شکار ہو۔ سیدھا وہ میرے پاس آیا اور یوں باتیں کرنے لگا جیسے پہلے سے آشنائی ہو۔ اس نے کہا کہ اس علاقے کے جوہڑ اس قدر کم گہرے ہیں کہ آدمی ان میں ڈوب بھی نہیں سکتا۔''

''میں نے اسے بتایا کہ ڈوبنا کوئی بھی نہیں چاہتا۔ البتہ اگر بارش جلد نہ ہوئی تو پھر مویشیوں کے لئے ہمیں پانی پمپ کرنا پڑے گا۔''

''ارے' مویشی'' وہ کہنے لگا۔ ''تم سب کو اپنے مویشیوں کی دیکھ بھال کرنی پڑے گی۔ یہاں کوئی ریچھ نہیں ہے؟'' میں نے اسے بتایا کہ ریچھ کے لئے اسے خانہ بدوشوں کے پاس جانا پڑے گا۔ ناروی لوگ جب فصل کاٹتے ہیں تو ان کے پاس کوئی ریچھ نہیں ہوتا۔ میرے خدایا' اس نے کہا' ''اچھا تو اب یہ ناروے ہے؟ میرا خیال تھا کہ یہ امریکہ ہے؟''

''پھر وہ مشین کی طرف گیا اور اول آوازسن کے چیختے ہوئے کہنے لگا ''ہیلو ساتھی۔ مجھے وہاں آنے دو۔ میں چارہ کاٹ سکتا ہوں اور آوارہ گردی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اس سے زیادہ کا ذکر میں نہ کروں گا۔''

''میں نے اول کو اشارے کرنے کی کوشش کی' کیونکہ میرے خیال میں وہ آدمی پاگل تھا اور مشین بند کر سکتا تھا۔ لیکن اول تو خوش تھا کہ اسے دھوپ اور بھوسے سے نجات مل رہی

تھی۔۔۔ جب گرمی اس قدر ہو تو انسان واقعی مصیبت میں پھنس جاتا ہے چنانچہ اول نے نیچے چھلانگ لگائی اور سائے کی خاطر رینگ کر ایک چھکڑے کے نیچے جا بیٹھا جب کہ آوارہ گرد مشین پر چڑھ گیا۔ چند منٹوں تک تو وہ درست طریقے سے کام کرتا رہا اور پھر مسز ہارلنگ' اس نے میری طرف ہاتھ لہرایا اور سر کے بل کاٹنے والی مشین میں چھلانگ لگا دی۔

میں نے چلانا شروع کر دیا۔ گھوڑوں کو روکنے کے لئے مرد بھاگے' لیکن وہ بلٹ میں پھنس چکا تھا اور اس کے رکنے سے پہلے ہی اس کے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ وہ اس قدر بری طرح پھنسا ہوا تھا کہ اسے باہر نکالنا بھی بہت دشوار تھا۔ اس وقت کے بعد سے مشین نے بھی کبھی ٹھیک طرح سے کام نہیں کیا۔

''ٹونی' کیا وہ مر گیا تھا؟'' ہم سب چلائے۔

''مر گیا تھا؟ میرا خیال تو یہی ہے! دیکھو' دیکھو نینا پریشان ہو گئی ہے۔ اچھا بھئی اب ہم اس قصے کو نہ چھیڑیں گے۔ نینا رونا بند کر دو۔ جب تک ٹونی یہاں ہے' کوئی بوڑھا آوارہ گرد تمہارے قریب نہیں بھٹک سکتا''۔

مسز ہارلنگ درشتی سے بولیں ''رونا بند کرو نینا۔ ورنہ انطونیا جب ہمیں علاقے کے قصے سنایا کرے گی تو میں تمہیں کوٹھے پر بھیج دیا کروں گی۔ اچھا انطونیا تم یہ بتاؤ کسی کو یہ پتہ چلا کہ وہ آیا کہاں سے تھا؟''

نہیں' کبھی نہیں' ماما۔ چھوٹے سے قصبے کانوئے کے علاوہ اسے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ وہاں اس نے بَیر حاصل کرنے کی کوشش کی تھی' مگر وہاں کوئی شراب خانہ ہی نہ تھا۔ اس کی جیب سے کوئی خط پتر نہ ملا تھا۔ البتہ اس کی جیب سے ایک پرانا قلم تراش' ایک کاغذ کے ٹکڑے میں لپٹی ہوئی چوزے کی جادو والی ہڈی اور کچھ شاعری بھی برآمد ہوئی''

''اچھا یہ ہے بات انطونیا'' مسز ہارلنگ نے جوشیلے انداز میں کہا۔ ''شاید آئندہ گرمیوں میں وطن جاؤں اور فصل کاٹنے میں تمہاری مدد کروں۔ دیکھنا ذرا' ٹافی کھانے کے قابل ہو گئی ہے؟ کافی دیر سے مجھے اس کی خوشبو آ رہی ہے''۔

انطونیا اور اس کی مالکہ میں ایک بنیادی ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ دونوں مضبوط اور آزاد فطرت کی حامل تھیں۔ اپنی پسند سے وہ آگاہ تھیں اور ہمیشہ دوسروں کی نقالی کی کوشش نہ کرتی تھیں۔ انہیں بچوں سے' جانوروں سے' موسیقی سے' سادہ کھیل اور زمین میں کھدائی

کرنے سے لگاؤ تھا۔ انہیں اچھے اچھے کھانے پکانا اور لوگوں کو کھاتے دیکھنا اچھا لگتا تھا۔ اسی طرح وہ دونوں سفید گداز بستر تیار کرنے اور بچوں کو ان پر سوتا دیکھ کو خوش ہونے کے عادی تھیں۔ وہ مغرور لوگوں کا مذاق اڑاتیں اور بدقسمتوں کی مدد پر آمادہ رہتیں۔ طبیعت کے اعتبار سے دونوں ہنس مکھ تھیں، زندگی سے لطف اندوز ہونا جانتی تھیں۔ زیادہ نازک مزاج نہ تھیں۔ البتہ تقویت پہنچانے والی تھیں۔ میں نے کبھی اس کا تعین کرنے کی کوشش نہ کی تھی، تاہم اس کا صاف احساس ضرور تھا۔ میرے خیال میں تو یہ بات بالکل ناممکن تھی کہ بلیک ہاک میں ہارلنگ گھرانے کے علاہ انطونیا کہیں اور ایک ہفتہ بھی گزار سکتی۔

(7)

چھوٹے شہروں میں سرما بہت طویل ہوا کرتا ہے وہ لٹکتا رہتا ہے، یہاں تک کہ بے لطف افسردہ بوسیدہ اور اداس کن ہو جاتا ہے۔ کھیتوں میں موسم ایک بڑی حقیقت ہوتا ہے اور انسانوں کے معاملات ویسے ہی اس کے ماتحت چلتے ہیں جیسے برف کے نیچے ندیاں رینگتی ہیں۔

جنوری اور فروری کے مہینوں میں ہارلنگ خاندان کے ساتھ میں دریا پر جاتا اور ہم لوگ مل کر بڑے جزیرے تک سکیٹنگ کیا کرتے تھے اور جمی ہوئی برف پر جشن کے الاؤ روشن کرتے تھے۔ مارچ میں البتہ برف کھردری ہو جاتی تھی اور اس میں پگھلنے کے آثار پیدا ہو جاتے تھے۔ دریائی چٹانوں پر برف خاکستری اور المناک سی دکھائی دیتی تھی۔ میں سکول سے بےزار تھا، سردیوں کے لباس سے متنفر تھا جانی پہچانی گلیاں مجھے کھانے کو دوڑتی تھیں، برف کے گندے ڈھیر مجھے ایک آنکھ نہ بھاتے اور ایک عرصے سے صحن میں رکھے ہوئے کوئلے کے ڈھیروں سے مجھے نفرت تھی۔ اس تھکا دینے والی مہینے میں اچھے لمحات بس اس وقت آئے جب نیگرو پیانو نواز نابنیا ڈی آرنو قصبے میں آیا۔ سومار کی رات کو اس نے اوپیرا ہاؤس میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اور اس کے منیجر نے ہمارے آرام دہ ہوٹل میں ہفتے اور اتوار کا دن گزارا۔ مسز ہارلنگ آرنو کو کئی برسوں سے جانتی تھیں۔ انہون نے انطونیا سے کہا کہ اچھی بات یہ ہوگی کہ وہ ہفتے کی شام کو ٹونی سے ملنے چلی جائے کیونکہ یہ بات کم وبیش طے تھی کہ اس روز بوائز ہوم میں موسیقی کی تقریب ہوگی۔

ہفتے کی شب کھانے کے بعد میں ہوٹل کی طرف روانہ ہوا اور سیدھا دیوان خانے

میں چلا گیا۔ کرسیوں اور صوفوں پر لوگ پہلے ہی بیٹھے تھے اور ہوا میں سگار کے دھوئیں ہلکی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ یہ دیوان خانہ پہلے دو کمروں میں تقسیم شدہ تھا۔ بیچ کی دیوار جس جگہ سے ہٹائی گئی تھی وہاں کا فرش نیچے کو دھنسا ہوا تھا۔ باہر سے آنے والی ہوا لمبے سے قالین میں لہریں پیدا کر رہی تھی۔ کمرے کے کونوں میں کوئلے کے چولہے جل رہے تھے اور کمرے کے وسط میں شاندار پیانو کھلا پڑا تھا۔

مسز گارڈنر ایک ہفتے کے لئے اوماہا گئی ہوئی تھیں۔ اس لئے بوائز ہوم میں آزادی کی ایک غیر معمولی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ جونی مہمانوں کے ساتھ شراب پیتا رہا تھا' یہاں تک کہ وہ کسی قدر مدہوش ہو گیا۔ اصل میں مسز گارڈنر ہی کاروبار چلاتی تھیں اور ہر شے کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ ان کا شوہر ڈیسک کے پاس کھڑا ہو کر آنے والے مسافروں کا استقبال کرتا تھا۔ وہ ایک مقبول شخص تھا' لوگ اسے خوب چاہتے تھے' لیکن انتظام کاری اس کے بس کا روگ نہ تھا۔

مسز گارڈنر یقینی طور پر بلیک ہاک کی سب سے زیادہ خوش لباس خاتون تھیں۔ وہ بہترین گھوڑوں پر سوار ہوتیں۔ ان کے پاس ایک سبک ٹم ٹم اور ایک چھوٹی سی سفید اور سنہری برف گاڑی تھی۔ اپنی جائیداد سے وہ بے نیاز دکھائی دیتی تھیں اور اپنی چیزوں کے بارے میں اس سے آدھا بھی تردد نہ کرتی تھیں جتنا کہ ان کے دوست احباب کرتے دکھائی دیتے تھے۔ وہ دراز قد، گہری، سخت گیر اور چہرے کے اعتبار سے کسی قدر انڈین دکھائی دینے والی تھیں۔ ان کے آداب میں سرد مہری پائی جاتی تھی اور وہ بہت کم بات محسوس کرتی تھیں۔ ان کے ہوٹل میں ٹھہرنے والے مہمان یہ محسوس کرتے تھے کہ وہاں ٹھہر کر وہ کوئی کرم نہیں کر رہے بلکہ ان پر مہربانی کی جا رہی ہے۔ سب سے زیادہ تیز طرار مسافر بھی اسے خوش نصیبی سمجھتا اگر مسز گارڈنر اس کے ساتھ گفتگو کیلئے لمحہ بھر کو رک جاتیں۔ اس ہوٹل میں ٹھہرنے والے لوگ دو گروہوں میں منقسم تھے ایک وہ جس نے مسز گارڈنر کے ہیرے جواہرات دیکھ رکھے تھے اور دوسرا وہ جو ان کی دید سے محروم تھا۔

دیوان خانے میں جب میں دبے پاؤں داخل ہوا تو مارشل فیلڈ کا آدمی انیسن کرک پیٹرک پیانو پر بیٹھا اس زمانے میں شکاگو میں چلنے والی میوزیکل کامیڈی کے کچھ حصے بجا رہا تھا۔ وہ ایک خوش وضع آئرش تھا۔۔۔ بڑا ناز کرنے والا' بندر کی طرح گھریلو' لیکن دوستوں میں مقبول تھا۔ کمرے میں بیٹھے تمام لوگوں کو میں جانتا نہ تھا۔ تاہم میں نے کینسس سٹی کے ایک فرنیچر

فروش، ایک دوا فروش اور ولی اور ریلی کو ضرور پہچان لیا جو جواہرات کی ایک دکان کیلئے کاروبار کی غرض سے سفر کرتا اور آلات موسیقی کی شخصیات کے بارے میں ہو رہی تھیں۔ میں نے سنا کہ مسز گارڈنر بوتھ اور بیریٹ کو سننے کیلئے اوماہا گئی ہیں جو اگلے ہفتے وہاں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والے تھے اور یہ کہ لنڈن میں ''اے ونٹرز ٹیل'' نامی ڈرامے میں میری اینڈرسن بہت سی کامیابی حاصل کر رہی تھی۔

دفتر کی جانب کا دروازہ کھلا اور نانینا ڈی آرنو کے ہمراہ جونی گارڈنر اندر داخل ہوئے۔۔۔ کبھی بھی وہ اس پر رضامند نہ ہوتا تھا کہ اس کی رہنمائی کی جائے۔ وہ ایک بھاری بھرکم شخصیت تھا۔ فرش پر زور سے پاؤں مارتے اور سنہری مٹھی والی چھڑی ہاتھ میں لئے ہوئے۔ روشنی میں اس اندھے موسیقار کا زرد چہرہ چمکنے لگا تھا۔

''شام بخیر، دوستو۔ یہاں خواتین نہیں ہیں؟ شام بخیر، دوستو۔ اچھا تو ہم یہاں تھوڑی بہت موسیقی سے دل بہلانے والے ہیں؟ آپ میں سے بعض صاحبان میرے لئے موسیقی کا اہتمام کریں گے؟'' یہ ویسی ہی نرم اور پسندیدہ نیگرو آواز تھی جیسی آوازیں مجھے اپنی ابتدائی لڑکپن سے یاد تھیں۔ اس میں اطاعت شعاری کہ لہجہ شامل تھا۔ اس کا سر بھی حبشیوں جیسا تھا۔۔۔ کانوں کے پیچھے کچھ بھی نہ تھا سوائے گردن کی تہوں کے۔ اگر اس کا چہرہ اس قدر مہربان اور مسرور نہ ہوتا تو اس کی شکل وصورت خاصی کراہت انگیز ہوسکتی تھی۔ میری رائے تو یہ تھی کہ سرجینیا کو چھوڑنے کے بعد سے میں نے اس قدر خوش باش چہرہ نہ دیکھا تھا۔

اپنی راہ ٹٹولتا ہوا وہ سیدھا پیانو کے پاس چلا گیا۔ جس لمحے وہ بیٹھا میں نے اس اعصابی کمزوری کو محسوس کیا جس کا ذکر مسز ہارلنگ نے مجھ سے کیا تھا۔ بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے وہ جھولنے والے کھلونے کی طرح آگے پیچھے ہلتا رہتا تھا۔ پیانو بجاتے ہوئے وہ موسیقی کی لہروں کے ساتھ آگے پیچھے جھولتا۔ جب وہ ساز بجا نہ رہا ہوتا تو بھی اس کے جسم کی حرکت جاری رہتی جیسے کوئی خالی چکی پستی چلی جائے پیانو کو قریب محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنے پیلے ہاتھ دو چار بار اس کے سروں پر پھیرے۔ پھر لوگوں کی طرف واپس آ گیا۔

''صاحب، وہ بالکل ٹھیک ٹھاک لگتا ہے۔ میرے پچھلی بار یہاں آنے کے بعد سے اس کے ساتھ کچھ بھی نہیں ہوا۔ مسز گارڈنر میرے ہر بار یہاں آنے سے پہلے پیانو کو درست کر دیتی ہے۔ صاحبان، میرے خیال میں آپ سب سریلی آوازوں کے مالک ہیں۔ لگتا ہے کہ آج

ہم چند پرانے اچھے بوائی کے گیت سنیں گے''۔

جب وہ ''میرا پرانا کینٹکی گھر'' کی دھن بجانے لگا تو لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ یکے بعد دیگرے وہ نیگرو نغمے گاتے رہے' جب کہ مخلوط نسل کا حبشی بیٹھا جھولتا رہا۔ سر اس کا پیچھے کی طرف جھکا ہوا تھا اور زرد چہرہ روشن تھا۔

وہ جنوب بعید میں ڈی آرنو کی زرعی اراضی پر پیدا ہوا تھا' جہاں غلامی ایک حقیقت کے طور پر نہ سہی' لیکن اپنی روح کے اعتبار سے ابھی تک باقی تھی۔ وہ تین ہفتے کا ہوا تو ایک بیماری نے اس کی دونوں آنکھوں کو روشنی سے مکمل طور پر محروم کر دیا۔ جب وہ سہارے کے بغیر بیٹھنے اور ڈگمگاتے ہوئے چلنے کے قابل ہوا ہی تھا کہ ایک اور بیماری نے اسے دبوچ لیا۔ اس کے نتیجے میں اس کے جسم کی اعصابی حرکت سامنے آئی۔ اس کی ماں۔۔۔۔ گداز جسم والی جواں سال حبشی کنیز جو ڈی آرنو گھرانے کے لئے دھوبن کا کام کرتی تھی۔۔۔ اس نتیجے پر پہنچی کہ اس کے اندھے بچے کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں اور یہ کہ اسے اپنے بچے پر شرم محسوس ہوتی تھی۔ اسے بچے سے پیار تو تھا لیکن وہ اس قدر بدصورت تھا کہ وہ اسے سب سے چھپائے رکھتی تھی۔ ''بڑے گھر'' سے وہ جو کچھ بچا کھچا اچھا کھانا لے کر آتی وہ سب کا سب اس بچے کے لئے ہوتا۔ جب کبھی اس کے دوسرے بچے اس اندھے بیٹے کو تنگ کرتے یا اس سے اس کی مرغ کی ٹانگ اڑانے کو کوشش کرتے تو وہ ان بچوں کو پیٹا کرتی تھی۔ اس نے وقت سے پہلے بولنا شروع کر دیا تھا اور اس کی یادداشت بھی اچھی تھی۔ جو کچھ وہ سنتا اسے یاد رہ جاتا تھا۔ اس کی ماں کہنے لگی کہ خیر' اس بچے کے ساتھ سب کچھ ہی غلط نہیں ہے۔ وہ اندھا تھا اس لئے ماں نے اس کا نام سیمسن رکھا۔ لیکن کھیتوں پر اسے ''زرد مارتھا کا سیدھا سادھا بچہ'' کے طور پر جانا جاتا تھا۔ وہ اطاعت شعار اور فرمانبردار تھا۔ لیکن جب وہ چھ برس کا ہوا تو اس نے گھر سے بھاگنا شروع کر دیا۔ ہر بار وہ ایک ہی سمت میں جایا کرتا تھا۔ جھاڑیوں میں سے اپنا راستہ محسوس کرتا ہوا وہ ''بڑے گھر'' کے جنوبی رخ تک جا پہنچتا جہاں مس نیلی ڈی آرنو ہر صبح پیانو بجانے کی مشق کیا کرتی تھی۔ ماں کو اس کی اس حرکت پہ سب سے زیادہ غصہ آتا تھا۔ وہ اس کی بدصورتی پر اس قدر شرمندہ تھی کہ برداشت ہی نہ کر سکتی تھی کہ سفید فام لوگوں کی نظر اس پر پڑے۔ جب کبھی وہ اسے اپنی کٹیا سے بھاگتے ہوئے دیکھ لیتی تو بے رحمی سے اسے پیٹتی۔ وہ اسے بتاتی کہ اگر کبھی بوڑھے مسٹر آرنو نے اسے اپنے گھر دیکھ لیا تو وہ اس کا کیا حشر کریں گے۔ لیکن ان باتوں کا کوئی

اثر ہی نہ ہوتا۔ سمیسن کو جب بھی موقع ملتا' وہ دوبارہ بھاگ جاتا۔ مس آرنو اگر کبھی ایک دن کے لئے پیانو بجانا بند کرتی اور کھڑکی کی طرف جاتی تو اس کی نظر اس بدصورت چھوٹے سے حبشی بچے پر پڑتی جو ٹاٹ کے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہولی کی قطاروں کے درمیان کھلی جگہ میں کھڑا ہوتا' اس کا جسم خود بخود جھول رہا ہوتا اس کی بے نور آنکھوں کا رخ سورج کی طرف ہوتا اور چہرے پر احمقانہ وجد کا تاثر ہوتا تھا۔ کئی بار مس آرنو کو خیال آیا کہ وہ مارتھا سے بچے کو گھر میں بند رکھنے کو کہے۔ لیکن اس کے احمقانہ خوش باش چہرے کی یاد کسی نہ کسی طور اسے اس بات سے روک دیتی۔ اسے یاد آتا کہ اس بچے کے پاس کم وبیش صرف سننے کی صلاحیت ہی ہے۔۔۔ ہاں اس نے یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ اس کے پاس یہ صلاحیت دوسرے بچوں سے کہیں زیادہ تھی۔

ایک روز سیمسن یونہی کھڑا تھا اور مس نیلی اپنے موسیقی کے استاد کو سبق سنا رہی تھی۔ کھڑکیاں کھلی تھیں۔ اس نے ان لوگوں کو پیانو سے اٹھتے' چند باتیں کرتے اور پھر کمرے سے جاتے ہوئے سنا۔ اس نے ان لوگوں کے پیچھے دروازے بند ہونے کی آواز بھی سنی۔ رینگتا ہوا وہ کھڑکیوں کے پاس گیا اور اپنا سر ایک کھڑکی کے اندر کر دیا۔ کمرے میں کوئی بھی نہ تھا۔۔۔ وہ کمرے میں کسی کی موجودگی کو ہمیشہ ہی محسوس کر سکتا تھا۔ ایک قدم اس نے کھڑکی کی دہلیز پر رکھا اور ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

بارہا ماں نے اسے بتایا تھا کہ آقا نے اگر اسے ''دخل اندازی'' کرتے دیکھ لیا تو کیسے وہ اسے خونخوار کتے کے آگے ڈال دے گا۔ ایک دفعہ سمیسن خونخوار کتے کی کھوہ کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے خوفناک سانس بھی محسوس کرنے لگا تھا۔ اب سمیسن کو اس واقعے کا خیال تو آیا' لیکن اس نے دوسرا پاؤں بھی اندر کو کھینچ لیا۔

اندھیرے میں اس نے پیانو تلاش کر ہی لیا۔ آہستگی سے اس نے پیانو کو چھوا اور اس نے بھی آہستگی سے ردعمل دیا۔ کانپ کر وہ ساکت کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ اس پر ہر جگہ ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس کی چکنی اطراف پر انگلیاں دوڑائیں' منقش ٹانگوں کو محسوس کیا۔ اس کے حجم اور شکل صورت کو تصور کرنے کی کوشش کی۔ پیانو سرد اور سخت تھا اور اس کی سیاہ کائنات کو کوئی شے اس جیسی نہ تھی۔ دوبارہ اس نے ساز کے منہ کا رخ کیا اور اس کے پردوں کے تختے سے ایک طرف سے شروع کرتے ہوئے دوسری طرف تک جا پہنچا۔ لگتا تھا کہ اس نے یہ بات جان لی تھی کہ مٹھیوں یا پاؤں کے بجائے انگلیوں کے ساتھ اسے بجایا جاتا ہے۔ محض جبلت کے سہارے وہ

اس ساز تک جا پہنچا تھا۔ اور اس سے یوں لپٹ گیا تھا کہ جیسے وہ جانتا ہو کہ یہ ساز اسے ایک نئی زندگی عطا کرنے والا تھا۔ تمام آوازوں کو آزمانے کے بعد وہ ان چیزوں کے حصوں پر انگلیاں جمانے لگا جن کی مشق مس نیلی کرتی رہی تھی۔ یہ حصے پہلے ہی اس کی روح میں سمائے ہوئے تھے۔

دروازہ کھلا۔ مس نیلی اور اس کا موسیقی کا استاد اس کے پیچھے کھڑے تھے۔ سمیسن جو موجودگیوں کو محسوس کرنے کے معاملے بہت احساس تھا' ان کی آمد سے بے خبر ہی رہا۔ جب وہ ایک لمحے کے لئے اس لئے رکا کہ آواز غلط نکل رہی تھی اور وہ کسی اور آواز کا متلاشی تھا' تب مس نیلی ہولے سے بولی۔ دہشت سے وہ کانپ گیا' اندھیرے میں آگے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے اس کا سر ٹکرایا۔ چیختے چلاتے ہوئے وہ فرش پر گر گیا اور خون بہنے لگا۔ اس کی حالت وہی تھی جس کو اس کی ماں دورے سے تعبیر کرتی تھی۔ ڈاکٹر آیا اور اس نے اسے افیون دے دی۔

سیمسن جب دوبارہ ٹھیک ہوا تو اس کی جوان مالکن اسے پیانو کے پاس لے گئی۔ کئی اساتذہ نے اس پر تجربے کئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کالا کلوٹا بچہ شاندار صلاحیت کا حامل تھا اور اس کی یاداشت غضب کی تھی۔ بہت چھوٹا ہوتے ہوئے بھی وہ ایک بار بجائے جانے کے بعد کسی دھن کو دہرا سکتا تھا۔ اساتذہ کو اس نے پیچھے چھوڑ دیا۔ دوسرے لوگوں کی طرح وہ موسیقی سیکھ نہ سکتا تھا۔ وہ تو حبشی نابالغہ کی طرح ساز بجاتا تھا۔۔۔ ہنرمندی کے بغیر لیکن حیرت انگیز انداز میں۔ پیانو بجانے کے اصولوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس کی ادائیگی درست نہ تھی۔ لیکن موسیقی کے اعتبار سے وہ کوئی خاص چیز ہوتی۔ اس کا سر کا احساس اس کے دیگر طبعی احساسات سے شدید تر تھا اور وہ اس کی موسیقی میں ایک نئی روح پھونک دیتا تھا۔ اسے سننا' اسے دیکھنا ایک ایسے حبشی کو دیکھنے کے مترادف تھا جو اپنے آپ سے وہ لطف لے رہا ہو جو صرف ایک حبشی ہی لے سکتا ہے۔ لگتا تھا کہ انسان جس قدر موزوں حسیات کے حامل ہو سکتے ہیں وہ سب کی سب ان سیاہ و سفید سرگموں پر ڈھیر ہو گئی تھیں اور وہ انہیں اپنی زرد انگلیوں کے ذریعے فخر و ناز کے ساتھ ان سے کھیل رہا تھا۔

والز کی پرزور دھن کے وسط میں ڈی آرنو اچانک آہستہ سے ساز بجانے لگا اور اپنے پیچھے کھڑے آدمیوں میں سے ایک طرف رخ کرتے ہوئے اس نے سرگوشی کی ''یہاں کیا کوئی

ناچ رہا ہے''۔ پھر اس نے کہا ''یہاں مجھے چھوٹے سے پاؤں کی آواز آ رہی ہے۔ لڑکیاں ہیں شاید''۔

کرسی پر چڑھ کر انیسن کرک پیٹرک ہوا دان میں سے جھانکنے لگا۔ پھر نیچے کودتے ہوئے اس نے دھکا دے کر دروازے کھولے اور طعام خانے کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں ٹائنی لینا' انطونیا اور میری ڈیوسک رقص کر رہی تھیں۔ انیسن کو آتے دیکھ کر وہ ہنستی ہوئی ایک دوسرے سے جدا ہو کر باورچی خانے کی طرف بھاگ گئیں۔

انیسن کرک پیٹرک نے ٹائنی کو کہنی سے پکڑ لیا۔ ''لڑکیو' تمہیں ہوا کیا ہے؟ یہاں خود ہی خود ناچ رہی ہو اور دیوار کے پار تنہائی زدہ مردوں کا ہجوم ہے! ٹائنی اپنی سہیلیوں سے مجھے ملواؤ''۔

لڑکیاں اب بھی ہنس رہی تھیں۔ انہوں نے دامن بچانا چاہا۔ ٹائنی چوکنی دکھائی دیتی تھی اس نے احتجاج کیا۔۔۔۔ ''مسز گارڈنر کو یہ بات بھلی نہ لگے گی۔ ہم لوگوں نے مل کر رقص کیا تو وہ غصے سے پاگل ہو جائیں گی''۔

''اری دوشیزہ' مسز گاردنر تو اوماہا میں ہیں۔ اور تم لینا ہو نا؟۔۔۔۔ اور تم ٹونی اور تم میری ہو۔ میں نے پہچان لیا ہے نا؟''

اندر جھانکنے لے لئے اور ریلے اور دوسرے لوگ میزوں پر کرسیاں رکھنے لگے۔ اتنے میں جونی گارڈنر دفتر بھاگتے ہوئے آئے۔

''صبر' لڑکو' صبر کرو'' انہوں نے ہدایت کی۔ ''اس شور سے تم باورچی کو جگا دو گے اور مصیبت میرے گلے پڑ جائے گی۔ موسیقی کی آواز تو اسے نہیں جاتی' لیکن جونہی طعام خانے میں کسی شے میں حرکت ہوئی' وہ ایک لمحے میں یہاں پہنچ جائے گی''۔

''ارے جونی' تمہیں کیا پرواہ ہے اسکی؟ نکالو باورچن کو اور مولی کو تار دو کہ وہ کسی اور کو لیتی آئے۔ آؤ آؤ یہاں کوئی باتیں بنانے والا نہیں ہے''

جونی نے سر ہلایا۔ ''لڑکو' تمہیں کیا خبر'' رازداری کے انداز میں انہوں نے کہا ''یہاں بلیک ہاک میں شراب کی ایک چسکی لیتا ہوں تو اوماہا میں مولی کو پتہ چل جاتا ہے''۔

مہمان ہنسنے لگے۔ بعض نے ان کے کندھے تھپتھپائے۔ ''بھئی پرواہ نہ کرو۔ مولی سے ہم نمٹ لیں گے۔ بس حوصلہ' جونی''۔

مولی مسز گارڈنر کا نام تھا۔ ہوٹل بس کے بھڑکیلے کونوں پر بڑے نیلے حروف میں ''مولی بان'' درج تھا۔ اس طرح جونی کی انگوٹھی کے اندر اور اس کی گھڑی کے اوپر بھی لفظ ''مولی'' کندہ تھا۔۔۔ بلاشبہ ان کے دل پر بھی یہی نام درج تھا۔ وہ ایک محبت کرنے والا شخص تھا اور اک کا خیال تھا کہ اس کی بیوی ایک شاندار عورت ہے۔ اسے خوب معلوم تھا کہ اس بیوی کے بغیر وہ کسی اور کے ہوٹل میں مشکل سے کلرک ہی ہوتا۔

کرک پیٹرک کی طرف اشارہ ملنے پر ڈی آرنو پیانو پر براجمان ہو گیا اور رقص آمیز موسیقی کی دھنیں نکالنے لگا۔ پسینے کے قطرے اس کے چہرے پر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مسرت اندوازی کے کسی بھڑکیلے افریقی دیوتا کی مانند دکھائی دے رہا تھا جو شکتی اور وحشی خون سے بھرپور جب بھی کوئی رقاص ساتھی تبدیل کرنے یا دم لینے کے لئے ایک لمحے کو رکتا' تو وہ برہمی سے گرجتا'' ''کون ہے میرے پیچھے؟ ہاں ہاں' شہری بابوؤں میں سے کوئی ہے! لیکن لڑکیو' اس فرش کو تم ٹھنڈا نہ ہونے دینا''۔

پہلے پہل انطونیا خوف زدہ دکھائی دیتی تھی۔ سوالیہ نظروں سے وہ بولی اور ریلے کے کندھوں کے اوپر سے ٹائنی اور لینا کو دیکھتی رہی۔ ٹائنی سوڈر بال پتلی دبلی' چھوٹے چھوٹے پاؤں اور خوبصورت ٹخنوں والی دوشیزہ تھی۔ وہ مختصر لباس زیب تن کرتی' باتوں میں تیز اور دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں حرکات اور آداب میں زیادہ باسلیقہ تھی۔ میری ڈیوسک چوڑے چکلے چہرے والی تھی جس پر چیچک کے ہلکے سے داغ تھے لیکن تھی خوبصورت۔ اس کے سرخی مائل بھورے رنگ کے خوبصورت بال تھے۔ پریشانی زیریں اور ملائم تھی اور اس کی بارعب گہری آنکھیں دنیا کو بے نیازی اور بے خوفی سے دیکھتی تھیں۔ وہ نڈر' اور شرارتی دکھائی دیتی تھی۔۔۔ اور اصل میں تھیں بھی۔ وہ سب کی سب خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ دیہی علاقے کی پال پوس کی گازگی ان کے چہروں سے عیاں تھی اور ان کی آنکھوں میں وہ چمک تھی جسے۔۔۔ محض استعارے کے طور پر نہیں۔۔۔ شباب کی روشنی کہا جاتا ہے۔

ڈی آرنو پیانو بجاتا چلا گیا' یہاں تک کہ اس کے منیجر نے آکر پیانو بند کر دیا۔ جانے سے پہلے اس نے ہمیں اپنی سنہری گھڑی دکھائی اور پکھراج کی انگوٹھی بھی جو حبشی نغموں میں دلچسپی رکھنے والے کسی روسی نواب نے اسے دی تھی۔ اس نواب نے ڈی آرنو کی موسیقی نیو اور لینز میں سنی تھی۔ آخر کار سب کے آگے جھکتے ہوئے نیاز مندی اور خوشی کے ساتھ' وہ ٹپ ٹپ کرتا

اپنا راستہ بناتے ہوئے اوپر کی منزل کو چلا گیا۔ انطونیا کے ساتھ میں نے گھر کی راہ لی۔ اس قدر جوشیلے ہم ہو رہے تھے کہ نیند سے ہمیں خوف آ رہا تھا۔ ہارلنگ گھرانے کے دروازے پر کافی دیر رک کر ہم ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشیاں کرتے رہے یہاں تک کہ سردی نے بے چینی کو ہماری رگوں سے کھینچ لیا۔

(8)

اس موسم سرما کے خاتمے پر جب بہار کے دن آئے تو ہارلنگ گھرانے کے بچوں اور خود میری خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ ہم بے حد خوش باش، مطمئن اور محفوظ محسوس کرنے لگے تھے۔ سارا دن ہم دھوپ میں گھر سے باہر رہتے، زمین تیار کرنے، باغ لگانے، درختوں کے گرد زمین کھودنے اور جھاڑ جھنکار کے کام میں مسز ہارلنگ اور ٹونی کا ہاتھ بٹاتے۔ ہر روز بستر سے اٹھنے سے پہلے میں باغ کی روشوں میں ٹونی کو گاتے ہوئے سنتا تھا۔ سیب اور چیری کے درخت جب پھولوں سے لد گئے تو ہم ان کے نیچے قلانچیں بھرتے، ان نئے گھونسلوں کا شکار کرتے جو کہ پرندے بنا رہے تھے۔ ایک دوسرے پر ڈھیلے پھینکتے اور نینا کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے۔ یہ سب خوشیاں اور یہ سب کھیل اپنی جگہ تھے، لیکن گرمیوں کا موسم روز بروز نزدیک تر آ رہا تھا اور ظاہر ہے کہ اس نے یہ سب کچھ بدل دینا تھا۔ لڑکے اور لڑکیاں جب پھل پھول رہے ہوں تو زندگی ساکت نہیں رہ سکتی۔۔۔ خاموش اور پرسکون دیہاتوں میں بھی اسے پابند سلاسل نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے تو بڑھنا پھولنا ہی ہوتا ہے چاہے یہ بات انہیں اچھی لگے یا نہ لگے۔ یہ ہے وہ حقیقت جو ان کے بزرگ ہمیشہ فراموش کر دیتے ہیں۔

ضرور یہ جون ہی کے دن ہوں گے، کیونکہ مسز ہارلنگ اور انطونیا چیریز کا مربہ بنا رہی تھیں، جب ایک صبح میں انہیں یہ بتانے کے لئے رکا کہ قصبے میں ایک رقص گاہ آئی ہے۔ میں اس کے خیمے دیکھ چکا تھا جو گھوڑے کھینچ کر لا رہے تھے۔

اس روز سہ پہر کو تین خوش باش دکھائی دینے والے اطالیوں نے بلیک ہاک میں مٹر گشت کی، ان کے ساتھ ایک پکے رنگ کی مضبوط جسم والی عورت بھی تھی جس نے گردن میں ایک لمبی سنہری زنجیر ڈال رکھی تھی ہاتھوں میں اس کے سایہ زنانہ چھاتہ تھا۔ بچوں اور بیکار لوگوں میں وہ خاص طور پر دلچسپی لے رہے تھے۔ جب میں ان کے پاس پہنچا اور بات کرنے کے لئے رکا تو

دیکھا کہ وہ خوش اخلاق اور زندہ دل لوگ ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ کنسس شہر میں سردیوں کے دنوں میں کام کرتے ہیں اور گرمیوں میں اپنے خیمے لئے ادھر ادھر کے زرعی قصبوں کی طرف نکل جاتے ہیں اور رقص کی تربیت دیتے ہیں۔ جب ایک جگہ کاروبار مندا ہو جاتا ہے تو کوئی اور ٹھکانہ تلاش کرتے ہیں۔

رقص کا خیمہ ڈینش لانڈری کے قریب خالی جگہ پر نصب کیا گیا تھا جس کے چاروں طرف کاٹن وڈ کے اونچے محرابی درخت تھے۔ یہ ایک رنگا رنگ خیمہ تھا جس کے اطراف کھلے تھے اور کونوں پر رنگین جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ہفتہ ختم ہونے سے پہلے ہی تمام آرزومند مائیں اپنے بچوں کو سہ پہر کو سفید لباس میں ملبوس چھوٹی بچیاں اور گول کالر کی قمیضوں میں بچے پٹری پر رقص گاہ کی طرف رواں دواں دکھائی دینے لگے تھے۔ دروازے پر مسز وینی ان کا استقبال کرتی۔ اس نے ہمیشہ کالی جھالر والا ازغوانی رنگ کا لباس پہنا ہوتا اور اس کی اہم واچ چین سینے پر لٹک رہی ہوتی۔ بال سر کے اوپر کی طرف باندھے ہوئے تھے۔ مسکراتے ہوئے اس کے مضبوط اور نوک دار پیلے دانتوں کی دونوں قطاریں دکھائی دیتی تھیں۔ چھوٹے بچوں کو رقص کی تربیت وہ خود دیتی تھی جب کہ اس کا شوہر جو کہ بربط نواز تھا' بڑی عمر کے بچوں کو تربیت دیتا تھا۔

اکثر اوقات مائیں کڑھائی وغیرہ کا کام ساتھ لے آتی تھیں اور سبق کے دوران خیمے کی سایہ دار جانب بیٹھی رہتیں۔ ٹھیلے والا اپنے ٹھیلے کو دروازے کے پاس کاٹن وڈ کے بڑے درخت کے نیچے لے آتا۔ اسے امید رہتی کہ جونہی رقص کا کلاس ختم ہو گی' اسے کئی گاہک مل جائیں گے۔ ڈنمارکی دھوبی' مسٹر جینسن' اپنے پورچ سے ایک کرسی اٹھالاتا اور گھاس کے پلاٹ میں بیٹھ جاتا۔ چیتھڑوں میں ملبوس بعض چھوٹے بچے کونے میں سفید چھتری کے نیچے پاپ اور برفیلے لیمونیڈ بیچتے اور ان ننھے منے بنے ٹھنے بچوں کو منہ چڑاتے جو رقص کے لئے آیا کرتے تھے۔ یہ خالی جگہ جلد ہی قصبے کی سب سے زیادہ پر رونق جگہ بن گئی۔ گرم ترین پہروں میں بھی کاٹن وڈ کے درختوں کا اچھا خاصا سایہ ہوتا تھا اور ہوا میں پوپ کورن اور پگھلے ہوئے مکھن کی باس رچی رہتی تھی۔

رقص کی تربیت دینے والا یہ دینی گھرانہ نظم وضبط کا بہت پابند تھا۔ یہ رات سٹی کونسل کی طرف سے طے ہونے والے وقت پر وہ لوگ اپنا کام بند کر دیتے تھے۔ مسز وینی جب اشارہ دیتی اور بربط پر ''گھر' پیارا گھر'' کی دھن بجائی جاتی تو سارے بلیک ہاک کو خبر ہو جاتی کہ رات

کے دس بج گئے ہیں۔ وقت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ یہ دھن سنتے ہی آپ اپنی گھڑی کا وقت درست کر سکتے تھے۔

آخر کار گرمیوں کی لمبی اور بے کار سہ پہروں میں کچھ کرنے کو مل گیا تھا جب کہ شادی شدہ لوگ سایوں کی طرح اپنی بیرونی ڈیوڑھیوں میں بیٹھے ہوتے اور لڑکے لڑکیاں پٹریوں پر محو خرام ہوتیں۔۔۔ کھلے مرغزار کے کنارے کی جانب شمال میں' ڈپو کے جنوب میں' پھر دوبارہ ڈاک خانے آئس کریم کے کھوکھے اور قصائی کی دکان کی طرف واپس آ جا رہے ہوتے تھے۔ اب ان لوگوں کی ایک ایسی جگہ مل گئی تھی جہاں لڑکیاں اپنے نئے لباس پہن کر جا سکتی تھیں اور جہاں بعد میں پیدا ہونے والی خاموشی کی جھڑکیوں کے بغیر قہقہے لگائے جا سکتے تھے۔ یہ خاموشی زمین میں سے نمودار ہوتی اور درختوں کی شاخوں سے ٹپکتی محسوس ہوا کرتی تھی لیکن اب مسرت انگیز آوازوں نے اس خاموشی کو توڑ دیا تھا۔ پہلے مسٹر وینی کے بربط کی آواز آتی ہے اور پھر وائلن کی صدائیں آنے لگتیں۔۔۔ ان میں سے ایک کی آواز تو بالکل بانسری جیسی محسوس ہوتی تھی۔ ان آوازوں میں اس قدر کشش اور ترغیب تھی کہ خود بخود ہمارے قدم خیمے کی طرف اٹھنے لگتے۔ پہلے ہمارے پاس ایسا خیمہ آخر کیوں نہ تھا؟

رقص اب ویسے ہی مقبول ہو گیا جیسے پچھلی گرمیوں میں رولر سکیٹنگ کو مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ پروگریسو یوچرے کلب نے دینی خاندان کے ساتھ مل کر منگل اور جمعے کی راتوں کو فلور کے مخصوص استعمال کا اہتمام کر ڈالا۔ دیگر اوقات پر کوئی فرد بھی رقص کر سکتا تھا۔۔۔ بشرطیکہ وہ معاوضہ ادا کرے اور قواعد کی پابندی کرے۔۔۔ اس قسم کے لوگوں میں ریلوے کے افراد' مستری' ڈلیوری بوائز' برف فروش اور ایسے کھیت مزدور شامل تھے جو دن کا کام کاج ختم کرنے کے بعد قصبے میں سوار ہو کر پہنچ سکتے تھے۔

ہفتے کی شب کے رقص سے میں کبھی غیر حاضر نہ ہوا تھا۔ تب خیمہ آدھی رات تک کھلا رہتا۔ دیہاتی لڑکے آٹھ دس میل دور اپنے کھتیوں سے آتے اور ساری دیہاتی دوشیزائیں رقص گاہ پر موجود ہوتیں۔ ۔۔ انطونیا اور لینا اور ٹائنی اور ڈنیش لانڈری کی لڑکیاں اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں پائی جاتیں۔ ان ناچوں کو دوسروں سے زیادہ پسند کرنے کے معاملے میں میں تنہا نہ تھا۔ پروگریسو یوچرے کلب سے تعلق رکھنے والے خاندان بھی دیر سے آیا کرتے تھے اور ''بھاڑے کی لڑکیوں'' کے ساتھ ناچ کے لئے اپنی محبوباؤں کی خفگی اور عام لوگوں کی

مذمت کا خطرہ مول لیا کرتے تھے۔

(9)

بلیک ہاک میں ایک نرالی سی سماجی صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ تمام نوجوان ان صحت مند دیہی دوشیزاؤں کی چاہت محسوس کرتے تھے جو روزی کمانے کے لئے قصبے میں آئی تھیں۔ اور جن میں سے تقریباً ہر ایک کا مقصد یہ تھا کہ قرض سے نجات پانے میں باپ کی مدد کی جائے یا پھر یہ کہ چھوٹے بہن بھائیوں کی تعلیم کے مواقع مہیا کئے جائیں۔

ان لڑکیوں کی پال پوس پہلے تلخ اور مشکل ایام میں ہوئی تھی اور انہیں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع کم ہی ملے تھے۔ لیکن جب میں ان کے چھوٹے بہن بھائیوں سے ملتا' جن کی خاطر وہ یہ ساری قربانیاں دے رہی تھیں اور جن کہ بہت سے فوائد بھی حاصل تھے' تو وہ مجھے ان کے مقابلے میں آدھے بھی دلچسپ یا تعلیم یافتہ دکھائی نہ دیتے۔ بڑی عمر کی لڑکیاں' جنہوں نے جنگلی گھاس کو صاف کرنے میں مدد دی تھی' انہوں نے زندگی سے' غربت سے نیز اپنی ماؤں اور دادی اماؤں سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ انطونیا کی طرح وہ سب پرانے وطن سے نئے ملک ہجرت کے سبب اپنی عمر کے حساب سے جلد ہی باشعور ہوگئی تھیں۔

میں ایسی بہت سی دیہاتی دوشیزاؤں کو یاد کرسکتا ہوں جو ان چند برسوں کے دوران بلیک ہاک میں محنت مزدوری کررہی تھیں جو کہ میں نے وہاں بسر کئے تھے۔ علاوہ ازیں میں ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کوئی نہ کوئی غیر معمولی اور پرکشش بات بھی یاد کرسکتا ہوں۔ جسمانی اعتبار سے وہ کم وبیش ایک الگ تھلگ ہی نسل تھیں۔ گھر سے باہر کے کام کاج نے انہیں ایک ایسا دم خم عطا کردیا تھا کہ جب انہوں نے شہر آنے کے بعد کی ابتدائی شرم وحیا پر غلبہ پالیا تو وہی دم خم اور توانائی ایک مثبت چال ڈھال اور آنے جانے کی آزادی میں ڈھل گئی۔ بلیک ہاک کی عورتیں اس بات پر ان سے حسد بھی کرنے لگی تھیں۔ یہ قصہ ہائی سکول کی کھیلوں کے دن سے پہلے کا ہے۔ ان لڑکیوں پر ترس کھایا جاتا تھا جن کو سکول پہنچنے کے لئے آدھے میل سے زیادہ پیدل چلنا پڑتا تھا۔ قصبے میں ایک بھی ٹینس کورٹ نہ تھا کھاتے پیتے گھرانوں کی بیٹیوں کے لئے جسمانی ورزش ناشائستہ سمجھی جاتی تھی۔ ہائی سکول کی بعض لڑکیاں خوش مزاج اور خوبصورت تھیں۔ لیکن وہ سرما میں سردی کی وجہ سے اور گرم میں گرمی کے سبب

چار دیواری میں مقید رہتی تھیں۔ جب کوئی ان کے ساتھ رقص کرتا تو ان کے لباس کے اندر ان کے جسم ساکت ہی رہتے تھے۔ ان کے اعضا بس ایک ہی بات کہتے دکھائی دیتے تھے۔۔۔ اور وہ یہ تھی کہ ''ہمیں کچھ نہ کہو''۔ ان لڑکیوں کو میں سکول روم کے چہروں کی حیثیت سے یاد کر سکتا ہوں۔۔۔ خوش باش اور گلابی' یا پھر بے چین اور بے کشش۔

بلیک ہاک کے تاجروں کی بیٹیوں نے یہ عقیدہ سا بنا رکھا تھا کہ وہ بڑی مہذب ہیں اور باہر کام کاج کرنے والی دیہاتی لڑکیاں اجڈ سی ہیں۔ ہمارے علاقے کے امریکی کسان دوسرے ملکوں سے آنے والے ہمسایہ کسانوں کی طرح بھی مصیبتوں کے مارے تھے۔ یہ سب کے سب لوگ تھوڑا سا سرمایہ لئے نبراسکا آئے تھے اور وہ اس اراضی کے علم سے بھی محروم تھے جس پر انہوں نے گزر بسر کرنی تھی۔ سب نے اپنی اپنی زمین پر قرضہ حاصل کیا تھا۔ خیر ضرور تھا کہ پنسیلو بینیا یا ورجینیا سے آنے والے کسانوں کو چاہئے کتنے ہی مصائب کا سامنا ہو' وہ اپنی بیٹیوں کی محنت مزدوری کے لئے گھر سے نکلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ہاں اگر ان کی لڑکیاں علاقے کے سکول میں پڑھانے کے اہل ہوتیں' تو اور بات ہے وگرنہ ان لڑکیوں کو گھر میں بیٹھ کر غربت کے دن کاٹنے پڑتے تھے۔ بوہیمیا اور سکنڈے نیویا سے آنے والی لڑکیاں سکولوں میں استاد نہ بن سکتی تھیں' کیونکہ وہ زبان سیکھنے کے موقع سے محروم تھیں۔ گھر بار کو قرضے کی زنجیروں سے نجات دلانے کی تگ دو میں مدد دینے کا عزم لئے ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہتا تھا کہ وہ محنت مزدوری کریں۔ شہر آنے کے بعد ان میں سے بعض اسی طرح محتاط اور سنجیدہ رہتی تھیں جیسے کہ وہ اپنے باپ کے کھیتوں میں کام کاج کرتے وقت ہوتی تھیں۔ بوہیمیا کی تین میری بہنوں کی طرح لڑکیاں بھی تھیں جو گاؤں سے شہر پہنچنے کے بعد جوانی کے ضائع ہو جانے والے برسوں کی کسر نکالنا چاہتی تھیں۔ لیکن محنت ان میں سے ہر لڑکی کرتی اور محنت سے حاصل شدہ روپے گھر بھیجتی۔ جن لڑکیوں کو میں جانتا تھا' وہ سب کی سب ہل اور کٹائی کے اوزار خریدنے میں ہمیشہ مدد کرتی تھیں۔

اس خاندانی یکجہتی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے علاقے میں سب سے پہلے غیر ملکی کسان خوشحال ہوئے۔ جب باپ قرضے سے آزاد ہو گئے تو بیٹیوں نے ہمسایوں کے بیٹوں سے بیاہ رچا لئے۔۔۔ جو کہ عام طور پر ایک ہی قومیت سے تعلق رکھنے والے ہوتے تھے۔۔۔ اور وہ لڑکیاں جو کبھی بلیک ہاک کے باورچی خانوں میں ملازمت کرتی تھیں' اب وہ

اپنے بڑے بڑے فارموں اور اپنے عمدہ خاندانوں کا نظم ونسق سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بچے ان شہری عورتوں کے بچوں سے بھی زیادہ خوشحال ہیں جن کی وہ خدمت کیا کرتی تھیں۔

ان لڑکیوں کے بارے میں شہری لوگوں کے رویئے کو میں بہت احمقانہ خیال کرتا تھا۔ اپنے سکول کے ساتھیوں کو اگر میں یہ بتاتا کہ لینا لنگارڑ کا دادا پادری تھا اور اپنے وطن ناروے میں اس کی بہت عزت تھی' تو وہ خالی خالی نگاہوں سے مجھے دیکھتے۔ اچھا تو پھر کیا ہوا؟ ان کے نزدیک وہ سارے کے سارے غیر ملکی جاہل تھے جو انگریزی نہ بول سکتے تھے۔ بلیک ہاک میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جو شخص امتیاز تو کجا' ذہانت اور شائستگی کے اعتبار سے بھی انطونیا کے باپ کا ہم پلہ ہو۔ اس کے باوجود لوگوں کو انطونیا اور تین میری بہنوں میں کوئی فرق نظر نہ آتا تھا۔ وہ سب کی سب بوہیمین تھیں۔۔۔ ''بھاڑے کی چھوکریاں تھیں۔''

ہمیشہ سے میں یہ جانتا تھا کہ مجھے اس قدر عرصے تک زندہ رہنا چاہئے کہ میں اپنی دیہاتی لڑکیوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا دیکھ سکوں۔ میری یہ خواہش پوری ہوگئی ہے۔ اب عالم یہ ہے کہ بلیک ہاک کا کوئی خوف زدہ تاجر جو بہترین توقع رکھ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنا سامنا' زرعی آلات اور موٹریں ان خوشحال فارموں کو فروخت کرے جن کی مالک بوہیمیا اور سکنڈے نیویا کی ان باعزم دوشیزاؤں کی پہلی کھیپ ہے۔

بلیک ہاک کے لڑکے بلیک ہاک کی لڑکیوں سے شادی کرنے' خوبصورت کرسیوں' جن پر بیٹھا نہ جائے اور دستی نقاشی کے چینی کے برتنوں' جن کو استعمال نہ کیا جائے' والے نئے نویلے چھوٹے سے گھر میں زندگی کے دن گزارنے کی تمنا کرتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا تھا کہ کوئی جوجوان اپنے کھاتوں کے اوپر سے' یا اپنے باپ کے بینک کے جنگلے میں سے لینا لنگارڑ پر نظریں گاڑ دیتا تھا جو ہولے ہولے اپنے مخصوص انداز میں لہراتی ہوئی کھڑکی کے سامنے سے گزرتی تھی یا پھر ٹائنی سوڈر بال پر نگاہیں جم جاتی تھیں جو اپنے مختصر سکرٹ میں مٹرگشت کر رہی ہوتی تھی۔

ان دیہاتی دوشیزاؤں کی سماجی نظام کے لئے خطرے کی گھنٹی خیال کیا جاتا تھا۔ روایتی پس منظر میں ان کا حسن پھوٹ پڑتا تھا۔ لیکن فکرمند ماؤں کے لئے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ اپنے دلیر بیٹوں کے بارے میں غلطی پر تھیں۔ بلیک ہاک کے نوجوان

میں معزز ہونے کی خواہش دوسری تمام خواہشوں سے شدید تر تھی۔

ہمارا معزز نوجوان کسی شاہی گھرانے کے بیٹے کی مانند تھا۔ دفتر میں جھاڑو دینے یا لادو چھکڑا چلانے والا نوجوان ان خوش باش دیہاتی لڑکیوں کے ساتھ دل لگی تو کر سکتا تھا' لیکن ساری شام وہ شاندار شراب خانے میں بسر کرتا جہاں گفتگو یوں گھسٹتی رہتی کہ سب کیلئے بوجھ بن جاتی تھی اور اکثر اوقات ماحول کو گرمانے کے لئے باپ کو آ کر کوشش کرنا پڑتی۔ اپنے اس بے لطف کام کاج سے گھر جاتے ہوئے شاید اس کی مڈبھیڑ ٹونی اور لینا سے ہو جاتی جو ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتی پٹڑی پر چلی آ رہی ہوتیں یا پھر وہ تین بوہیمین میری بہنوں کو دیکھ لیتا جو اپنے شاندار کوٹ اور ٹوپیوں میں ملبوس ہوتیں اور انہوں نے خود کو ایک ایسے وقار سے ہم آہنگ کیا ہوتا جو ان کے رنگا رنگ ماضی کو مزید اشتہا انگیز بنا دیتا تھا۔ اگر وہ کسی کام کے لئے کسی مسافر سے ملنے کے لئے ہوٹل کا رخ کرتا تو وہاں کسی بلی کی طرح اس کے لئے بازوؤں کی محراب بنائے موجود ہوتی۔ دھوبی کے پاس اگر وہ جاتا تو اس کا سامنا چار ڈنمارکی لڑکیوں سے ہوتا جو استری کی میز پر سے اپنی سفید گردنوں اور گلابی رخساروں کے ساتھ مسکرا رہی ہوتیں۔

تینوں لڑکیاں جنکا نام میری تھا کئی رسوا کن قصوں کا مرکزی کردار تھیں۔ بوڑھے لوگ جب ڈرک سٹور میں سگاروں کے سٹینڈ کے گرد بیٹھتے تو مزے لے کر یہ قصے دہرایا کرتے تھے۔ میری ڈیوسک بوسٹن سے تعلق رکھنے والے ایک کنوارے زمیندار کے گھر کی دیکھ بھال کرتی تھی اور کئی برسوں کی خدمت کے بعد اسے مختصر وقت کے لئے دنیا سے الگ تھلگ ہونے پر مجبور کیا گیا تھا۔ بعد ازاں وہ دوبارہ قصبے میں آ گئی اور اپنی دوست میری سوابوڈا کی جگہ کام کرنے لگی جس کو اس طرح پریشان ہونا پڑا تھا۔ تینوں میریوں کو ویسے ہی خطرناک خیال کیا جاتا تھا جیسے باورچی خانے میں بارود رکھا ہو۔ لیکن وہ اس قدر اچھی باورچن تھی اور گھریلو دیکھ بھال کا کام اس قدر خوبی سے کرتی تھیں کہ انہیں کبھی روزگار کی تلاش نہ کرنا پڑی تھی۔

وینی میاں بیوی کے خیمے نے قصبے کے لڑکوں اور دیہاتی دوشیزاؤں کو ایک غیر جانبدار جگہ پر اکٹھا کر دیا تھا۔ سلویسٹر لویٹ' جو اپنے باپ کے بینک میں کیشیر تھا ہر ہفتے کی رات کو یہاں پہنچ جاتا اور جس قدر رقصوں کی اجازت لینا لنگارڈا اسے دیتی' وہ اس کے ساتھ ناچتا۔ یہاں تک کہ اس نے لینا کے ساتھ گھر جانے کی اجازت بھی حاصل کر لی تھی۔ ''مقبول عام راتوں'' کو اگر اس کہ بہنیں یا دوست بھی تماشائیوں میں شامل ہوتے تو سلویسٹر کاٹن وڈ کے

درختوں کے سائے تلے کھڑا تمبا کو نوشی کرتا اور سہمے ہوئے انداز میں لینا کو دیکھتا رہتا۔ کئی بار اندھیرے میں مجھے اس سے ٹھوکر لگی اور مجھے اس پر ترس آتا۔ اس سے مجھے اول بنیسن کی یاد آتی جو کھائی کے کنارے پر بیٹھ کر لینا کو ڈھور ڈنگر چراتے دیکھا کرتا تھا۔ بعد ازاں گرمیوں میں جب لینا اپنی ماں سے ملنے کا خاطر ایک ہفتے کے لئے گھر چلی گئی تو انطونیا سے میں نے یہ سنا کہ وہ بے چارا نوجوان لویٹ اسے دیکھنے کی خاطر اس کے پیچھے گیا۔ اپنی سادہ لوحی کے سبب مجھے امید تھی کہ سلولیسٹر لینا سے شادی کر لے گا اور یوں تمام دیہاتی لڑکیوں کے قصبے میں بہتر مقام دلانے کے سبب بنے گا۔

سلولیسٹر نے لینا کے بارے میں ٹال مٹول جاری رکھی یہاں تک کہ اس کے کام میں غلطیاں ہونے لگیں اور اپنے کھاتوں کو درست رکھنے کی خاطر اسے شام کے بعد بھی بنک میں رہنا پڑنے لگا۔ سب لوگوں کو پتہ تھا کہ وہ لینا کے لیے دیوانہ ہوئے جا رہا تھا۔ اس ناگوار صورت حال سے بچنے کے لئے وہ اپنے سے چھ سال بڑی ایک بیوہ کے ساتھ بھاگ گیا۔ جو آدھے مربع کیما لک تھی۔ بظاہر یہ علاج کارگر ثابت ہوا۔ بعد میں اس نے کبھی لینا پر نگاہ نہ ڈالی۔ پٹڑ پر جب کبھی لینا سے اس کی مڈبھیڑ ہو جاتی وہ رسماً ہیٹ اتارتا' لیکن نظریں نہ اٹھاتا۔

ہاں بس ایسے ہی تھے وہ صاف ہاتھوں اور اونچے کالروں والے کلرک اور بک کیپرز! فاصلے سے ہی میں اس جواں سال لویٹ پر نگاہ کرم ڈالتا تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی ایسی راہ مل جائے کہ میں اپنی حقارت اس پر عیاں کر سکوں۔

(10)

انطونیا کی شناخت اصل میں وینی جوڑے کے خیمے ہی میں ہوئی۔ اب تک اسے ''بھاڑے کی چھوکریوں'' میں سے ایک کے بجائے ہارلنگ گھرانے کے ایک وارڈ کے طور پر ہی جانا جاتا تھا۔ اس کی دنیا ان کے گھر' صحن اور باغ تک محدود تھی اور لگتا تھا کہ اس کے خیالوں کی اڑان اس چھوٹی سی سلطنت کی چار دیواری سے باہر نہیں جاتی۔ البتہ جب قصبے میں وہ خیمہ آ گیا تو وہ ٹائنی لینا اور ان کے سہیلیوں کے ساتھ وہاں جانے لگی۔ وینی جوڑا اکثر یہ کہتا تھا کہ انطونیا ان سب سے اچھی رقاصہ ہے۔ خیمے سے باہر کبھی کبھار میں یہ بڑبڑاہٹ بھی سنتا تھا کہ جلد ہی مسز ہارلنگ اس لڑکی سے عاجز آ جائیں گی۔ جو جوانوں نے اسی طرح ''ہارلنگ خاندان

کی ٹونی'' کے بارے میں آپس میں مذاق شروع کر دیا تھا جس طرح وہ ''مارشل گھرانے کی آنا'' یا'' گارڈن خاندان کی ٹائنی'' کے بارے میں کرتے تھے۔

خیمہ انطونیا کے دل و دماغ پر چھا چکا تھا۔ وہ اس کے بارے میں باتیں کرتی اور اس کے بارے میں سوچتی رہتی۔ رقص کی دھنیں وہ سارا دن گنگناتی رہتی۔ شام کے کھانے میں اگر کبھی تاخیر ہو جاتی تو وہ افراتفری میں برتن دھوتی۔ اس عالم میں برتن گر کر ٹوٹ بھی جاتے۔ موسیقی کی پہلی پکار پر ہی وہ بے قابو ہو جاتی۔ کپڑے تبدیل کرنے کے لئے بھی اگر وقت نہ ہوتا تو وہ پیش بند ٹپخ کر باورچی خانے سے نکل بھاگتی۔ کبھی کبھی میں اس کے ساتھ جاتا اور ہوتا یہ کہ جونہی روشن کیا ہوا خیمہ دکھائی دیتا وہ لڑکوں کی طرح اس کی طرف بھاگنے لگتی۔ رقص کے ساتھی ہمیشہ اس کے منتظر ہوتے اور سانس لئے بغیر وہ ناچنا شروع کر دیتی۔

رقص کے خیمے میں انطونیا کی جو کامیابی حاصل ہوئی اس کے بعض نتائج بھی برآمد ہوئے۔ کامکاج کے لئے ہارلنگ گھرانے میں آنے والے لوگ اب حیلوں بہانوں سے وہیں کافی دیر رکنے لگے۔ ہفتے کے روز کے جونوجوان کسان قصبے میں آتے وہ اس کے ساتھ رقص کے خواہش مند ہوتے یا تقاریب اور پکنک پارٹیوں میں اسے مدعو کرتے۔ لینا اور ناروے والی اینا کام کاج میں اس کی مدد کے لئے آن ٹپکتی تاکہ وہ جلد فارغ ہو سکے۔ رقص کے بعد جولڑکے اسے واپس گھر لے کر آتے تھے' کبھی کبھی وہ پچھلے دروازے پر خرمستیاں کرنے لگتے جن سے مسٹر ہارلنگ نیند سے جاگ اٹھتے۔۔۔۔ بحران اب ناگریز ہو گیا تھا۔

ہفتے کی رات کو مسٹر ہارلنگ بیئر لینے تہہ خانے کے گودام میں گئے۔ اندھیرے میں جب وہ سیڑھیوں کے اوپر آئے تو انہیں دنگا فساد کی آواز سنائی دی اور پھر ایک زنانے دار تھپڑ کی آواز آئی۔ دروازے سے انہوں نے جھانکا تو دو لمبی ٹانگیں جنگلے پر سے جست لگاتے دکھائی دیں۔ انطونیا وہیں کھڑی تھی۔۔۔ غیض و غضب کے عالم میں۔ نوجوان ہیری پین' جس کی سوموار کے روز اپنے تاجر کی بیٹی سے شادی ہونے والی تھی اپنے دوستوں کے ساتھ خیمے میں آیا تھا اور ساری شام رقص کرتا رہا تھا۔ بعد ازاں اس نے انطونیا سے فرمائش کی تھی کہ وہ اسے اپنے ساتھ گھر تک جانے دے۔ انطونیا کا کہنا تھا کہ چونکہ وہ مس فرانسس کے دوستوں میں سے تھا' لہذا اس نے اسے شریف سمجھا اور اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ عقبی پورچ میں اس نے انطونیا کو چومنے کی کوشش کی اور جب اس نے احتجاج کیا۔۔۔ کیونکہ سوموار کو اس کی

شادی ہونے والی تھی۔۔۔تو اس نے انطونیا کی زبردستی پکڑ کر اسے چومنا شروع کر دیا' یہاں تک کہ انطونیا کا ایک ہاتھ اس کی گرفت سے نکل آیا اور اس نے اسے تھپڑ دے مارا۔

مسٹر ہارلنگ نے اپنی بیئر کی بوتل میز پر رکھی۔''ہاں انطونیا'' یہ ہے وہ بات جس کی میں توقع کر رہا تھا۔تم ایسی لڑکیوں کے ساتھ گھومتی رہی ہو جن کی شہرت یہ ہے کہ وہ بڑی آزاد ہیں اور انہیں آسانی سے حاصل بھی کیا جا سکتا ہے۔اب یہی شہرت تمہیں بھی مل گئی ہے۔میں نہیں چاہتا کہ آوارہ گرد چھوکرے میرے گھر کے پھیرے لگاتے رہیں۔بہت ہو چکا یہ تماشا۔ بس بس بہت ہو گیا۔اب یا تو تم ناچ کے لئے جانا چھوڑ دو یا اپنے لئے کوئی اور ٹھکانہ تلاش کرو۔ سنا تم نے''۔

دوسری صبح کو جب مسز ہارلنگ اور فرانسس نے انطونیا کو سمجھانے کی کوشش کی تو وہ بہت بپھری ہوئی تھی۔''وہاں جانا بند کر دوں؟''اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔''قطعاً نہیں۔میں تو ایک پل کے لئے یہ سوچ بھی نہیں سکتی۔میرا باپ بھی مجھے نہ روک سکتا تھا۔کام کے بعد مسٹر ہارلنگ میرا مالک نہیں۔میں دوستوں کو بھی نہ چھوڑوں گی۔جن لڑکوں کے ساتھ میں جاتی ہوں وہ سب کے سب بہت اچھے ہیں۔مسٹر پین کے بارے میں بھی میرا خیال یہی تھا' کیونکہ وہ یہاں آیا کرتا تھا۔'خیر' میں نے بھی شادی کے لئے اس کا منہ سرخ ضرور کر دیا ہے'' وہ غصے سے بھڑک رہی تھی۔

''انطونیا تمہیں دونوں میں سے ایک بات تو کرنی ہوگی''۔مسز ہارلنگ نے فیصلہ کن انداز میں اسے بتایا۔''میں مسٹر ہارلنگ کی بات کو نہیں ٹال سکتی۔یہ گھر اس کا ہے''۔

''اچھا یہ ہے تو میں ابھی چلی جاؤں گی' مسز ہارلنگ۔عرصے سے لینا مجھے اپنے پاس جگہ ڈھونڈنے کو کہتی رہیے۔میری سو بوڈا ہوٹل میں کام کرنے کے لئے کٹر خاندان کا گھر چھوڑنے والی ہے۔میں اس کی جگہ لے سکتی ہوں''۔

مسز ہارلنگ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔''انطونیا اگر تم کٹر خاندان کے گھر کام کرنے گئیں تو پھر اس گھر میں دوبارہ نہ آسکو گی۔تم جانتی ہی ہو کہ وہ کیسا آدمی ہے۔تم خود کو برباد کر لو گی۔''

جوشیلے انداز میں ہنستے ہوئے ٹونی نے چائے کی کیتلی چھین لی اور ابلتا ہوا پانی گلاسوں کے اوپر انڈیلنے لگی۔''اوہ' میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں! میں کٹر سے زیادہ طاقتور

ہوں! وہ چارڈالرادا کرتے ہیں اور پھران کے بچے بھی نہیں۔کام تو بس ہے ہی نہیں۔ ہر شام میری اپنی ہوگی اور سہ پہریں بھی میں اکثر باہر گزار سکوں گی۔''

''میرا خیال تھا کہ بچے تمہیں اچھے لگتے ہیں۔تمہیں کیا ہو گیا ہے ٹونی۔''

''پتہ نہیں' پر کچھ ہوا ضرور ہے۔'' انطونیا کہنے لگی۔''میرے جیسی لڑکی کو' موقع ملے تو ضرور لطف اٹھانا چاہئے۔کون جانتا ہے کہ اگلے سال یہ خیمہ یہاں ہوگا کہ نہیں۔ میں تو بس یہ جانتی ہوں کہ دوسری لڑکیوں کی طرح میں بھی ناچنا چاہتی ہوں۔''

مسز ہارلنگ مختصر اور کرخت سی ہنسی ہنس دیں۔''تم اگر کٹر خاندان کے ہاں کام کرو گی تو شاید یوں پنجی جاؤ گی کہ پھر جلدی اٹھ نہ سکوں گی۔''

دادی اماں کو اور مجھے یہ قصہ سناتے ہوئے فرانسس نے بتایا تھا کہ جب اس کی والدہ باورچی خانے سے نکلیں تو الماریوں میں رکھے ہوئے برتن' تمام تھالیاں اور تمام پیالے کانپنے لگے تھے۔غصے اور تلخی کی کیفیت میں مسز ہارلنگ کہنے لگیں کہ کاش انہوں نے انطونیا کو چاہا نہ ہوتا۔

(11)

وک کٹر ساہوکار تھا جس نے غریب روسی پیٹر کا مال اڑایا تھا۔ جب کوئی کسان ایک بار اس کے پنجے میں پھنس جاتا تو پھر اس کا نکلنا مشکل ہوتا۔

کٹر کا پہلا نام وائی کلف تھا اور وہ اپنی پاکیزہ پال پوس کا چرچا کرتا رہتا تھا۔ ''جذبے کی خاطر'' وہ پروٹسٹنٹ گرجا گھروں کو باقاعدگی سے چندہ دیتا تھا۔ ایوا کے وہ ایک قصبے سے آیا تھا جس میں بہت سے سویڈش لوگ آباد تھے اور وہ تھوڑی بہت سویڈش زبان بول لیتا تھا۔سکینڈے نیویا سے تعلق رکھنے والے ابتدائی آبادکاروں کے معاملے میں اسے اس بات سے بہت فائدہ بھی پہنچا تھا۔

ہر سرحدی بستی میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو قید و بند سے بھاگ کر وہاں پناہ لیتے ہیں۔کٹر بلیک ہاک کے تیز طرار تاجروں میں سے ایک تھا۔ پرلے درجے کا وہ جواری تھا یہ اور بات ہے کہ اکثر ہار ہی اس کا مقدر بنی تھی۔ رات کو جب اس کے دفتر میں روشنی دکھائی دیتی تو ہم جان جاتے کہ پوکر کا کھیل جاری ہے۔کٹر شیخی بگارتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ اس نے کبھی شیری سے زیادہ تند شراب نہیں پی اور یہ کہ اپنی زندگی کا آغاز اس نے ان پیسوں کو بچا کر کیا تھا

MashalBooks.com

جو دوسرے نوجوان سگاروں میں اڑا دیتے ہیں۔ کسی کام کے سلسلے میں جب کبھی وہ ہمارے گھر آتا وہ میرے ساتھ ''غریب رچرڈ کی جنتری'' کا ذکر ضرور کرتا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا کہ اسے یہ جان کر خوشی ہوتی ہے کہ ایک شہری لڑکا ایسا بھی ہے جو دودھ دوھ سکتا ہے۔ دادی اماں کے ساتھ وہ خاص مروت سے پیش آتا۔ جہاں اور جب کہیں دونوں کی مڈبھیڑ ہوتی' وہ ''ماضی اچھے دنوں'' اور سادہ زندگی کا ذکر شروع کر دیتا۔ اس کا گلابی گنجا سر اور ہر وقت چمکتے ہوئے نرم گل مچھے مجھے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ سنا یہ تھا کہ جس طرح عورتیں اپنے بال سنوارتی ہیں' اس طرح وہ ہر رات اپنے گل مچھوں میں کنگھی کرتا تھا۔ سفید دانت اس کے مصنوعی دکھائی دیتے تھے۔ اس کی جلد سرخ اور کھردری تھی جیسے مسلسل دھوپ میں جلی ہوئی ہو۔ اشنان کے لئے وہ عموماً گرم چشموں پر جاتا کرتا تھا۔ عورتوں کے بارے میں اس کی بدچلنی کے قصے عام تھے۔ اس کے گھر میں ٹھہرنے والی دو سویڈش لڑکیوں کو اس کا بہت ہی تلخ تجربہ ہوا تھا۔ ان میں سے ایک وہ اوماہا لے گیا تھا اور اس پیشے میں اس کے قدم جما دیئے تھے جس کے لئے اسے تیار کیا تھا۔ اب بھی وہ اس سے ملنے کے لئے جایا کرتا تھا۔

بیوی کے ساتھ کٹر کا جھگڑا ہمیشہ چلتا رہتا تھا۔ لیکن بظاہر دونوں میں سے کسی کو بھی علیحدگی کا خیال نہ آیا تھا۔ وہ ایک ضرورت سے زیادہ سجے گھر میں رہتے تھے جس کا سفید جنگلا اور ایک باڑہ بھی تھا۔ کٹر سمجھتا تھا کہ اسے گھوڑوں کے بارے میں بہت سا علم حاصل ہے۔ عام طور پر اس کے پاس گھوڑے کا بچہ ہوتا جس کی وہ تربیت کرتا رہتا تھا۔ ہر اتوار کی صبح کو اسے کھلے میدانوں میں دیکھا جا سکتا تھا جہاں وہ ریس کورس کے گرد اپنی دلکی بگھی میں چکر لگاتا دکھائی دیتا تھا۔ اس نے پیلے دستانے اور سفید اور سیاہ چیک کی مسافرانہ ٹوپی پہنے ہوتی تھی۔ اگر اسے کوئی لڑکا دکھائی دے جاتا تو وہ اسے چھوٹا سا سکہ دے کر سٹاپ واچ پکڑنے کو کہتا۔ ساتھ ہی اس کو جتلا دیتا کہ اس کے پاس کھلے پیسے نہیں ہیں اور یہ کہ آئندہ وہ اس کی تلافی کر دے گا۔ کسی سے لان کٹوا کر یا بگی دھلوا کر وہ خوش نہ ہوتا۔ اپنے گھر بار کے معاملے میں بہت زیادہ نازک طبع اور تکلف شعار تھا۔

مسز کٹر کی صورت میں اسے صحیح جیون ساتھی مل گیا تھا۔ وہ ایک لمبی تگڑی ڈروانی شکل والی عورت تھی۔ بال اس کی سیاہی مائل خاکستری رنگ کے تھے جب کہ اس کا منہ ہر وقت تمتمایا رہتا تھا اور نمایاں ہسٹریائی آنکھیں تھیں۔ خوش گواری کے لمحوں میں وہ تیزی سے آنکھیں

گھماتی۔گھوڑے کی طرح اس کے دانت لمبے اور ٹیڑھے لوگوں کا کہنا تھا کہ اگر وہ کسی بچے کو مسکرا کر دیکھتی تو وہ خوف سے چیخنے لگتا تھا۔ خیر' میرے لئے اس کے چہرے میں ایک کشش تھی۔۔۔ وہ غصے کے رنگ روپ کو پیش کرتا تھا۔اس کی آنکھوں میں جنونی کیفیت جھلکتی تھی۔ میل ملاپ کے معاملے میں اس کے انداز رسمی تھے۔

چینی کے برتنوں پر مسز کٹر اس قدر تندہی اور التفات سے نقش نگاری کرتی تھی کہ نہانے کے برتن' صراحیاں اور اس کے شوہر کا شیونگ مگ بھی اس شوق سے محفوظ نہ رہا تھا۔ایک بار کٹر اپنی بیوی کے بیل بوٹے ایک مہمان کو دکھا رہا تھا کہ ایک شے اس کے ہاتھوں سے گر گئی۔ اس پر مسز کٹر اپنا رومال یوں ہونٹوں پر رکھ لیا جسے وہ بے ہوش ہونے والی ہو۔پھر اس نے بڑے رعب سے کہا''مسٹر کٹر سارے احکام خداوندی تم نے توڑ دیئے ہیں۔ان کو تو معاف کر دو!''

جونہی کٹر گھر میں قدم رکھتا' میاں بیوی میں تکرار شروع ہو جاتی اور رات کو سونے کے وقت تک وہ ایک دوسرے کے ساتھ تو تو میں میں کرتے رہتے۔نوکرانیاں ان کی ان باتوں کا ساری بستی میں چرچا کرتیں۔کئی بار یوں بھی ہوتا کہ مسز کٹر اخباروں میں سے بے وفا شوہروں سے متعلق خبریں اور قصے کاٹ کر خفیہ خط میں شوہر کو ڈاک کے ذریعے بھیج دیتی۔ دوپہر کو کٹر گھر واپس آتا۔ریک میں سے وہ اخبار اٹھاتا جن سے تراشے کاٹے گئے ہوتے تھے اور پھر فتح مندی کے احساس کے ساتھ تراشوں کو کاٹے ہوئے اخباروں میں فٹ کر دیتا۔ان میاں بیوی میں ساری صبح اس بات پر بھی جھگڑا ہو سکتا تھا کہ آیا کٹر کو موٹا پتلا انڈرویئر پہننا چاہئے اور ان کی شام اس فساد کی نذر ہو سکتی تھی کہ آیا کٹر نے کوئی ٹھنڈی چیز کھائی تھی یا نہیں۔

کٹروں کے پاس جھگڑے کے چھوٹے بڑے ہر طرح کے موضوعات تھے۔ان میں سے سب سے بڑا مسلہ وراثت کا تھا۔مسز کٹر نے یہ بات صاف صاف شوہر کو بتا دی تھی کہ اولاد کے نہ ہونے میں سارا قصور اس کا ہے۔جب کہ مسٹر کٹر کا اصرار تھا کہ بیوی جان بوجھ کے بے اولاد رہی تھی تا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد اپنے رشتے داروں میں تقسیم کر دے جن سے مسٹر کٹر کو بڑی چڑ تھی۔اس کے جواب میں مسز کٹر ہمیشہ یہ کہتی کہ اگر اس نے اپنا چال چلن نہ بدلا تو پھر وہ ضرور اس کی زندگی ہی میں مر جائے گا۔اپنی جسمانی حالت کے بارے میں بیوی کی طنزیہ لعن طعن سن کر کٹر مہینہ بھر کے لئے ورزش کر دیتا یا پھر صبح سویرے ایسے وقت اٹھنے لگتا جب کہ اس کی بیوی کو نیند کے مزے اڑانا بے حد پسند ہوتا۔تب شور وغل مچاتے ہوئے

لباس تبدیل کرتا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکل جاتا۔

ایک دفعہ کا قصہ یوں ہے کہ میاں بیوی میں گھریلو اخراجات پر جھگڑا ہوا تو مسز کٹر بروکیڈ اوڑھ کر مختلف دوستوں کے گھر گئی اور ان سے چینی کے برتنوں پر نقش نگاری کا کام حاصل کرنے کی استدعا کرنے لگی۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ مسٹر کٹر اسے نقاشی کے ذریعے اپنی روزی خود کمانے پر مجبور کر رہا ہے۔ اسے توقع تھی شوہر کو اس بات پر بڑی شرم آئے گی۔ لیکن ہوا یہ کہ وہ اس پر بہت خوش ہوا۔

کٹر اکثر اوقات صنوبر کے ان درختوں کو کاٹنے کی دھمکی دیا کرتا تھا جنہوں نے اس کے گھر کو چھپا رکھا تھا۔ بیوی اس پر گھر چھوڑ کے چلے جانے کی دھمکی دیتی۔ کیونکہ اس کا کہنا یہ تھا کہ درخت پردہ پوشی کرتے اور خلوت مہیا کرتے تھے۔ خیر وہ دھمکیاں ہی دیتا رہا اور درختوں کو ہاتھ نہ لگایا۔ لگتا تھا کہ کٹر میاں بیوی اپنے باہمی رشتے کو دلچسپ اور پر جوش خیال کرتے تھے۔ ہم لوگوں کی رائے بھی یہی تھی۔ وک کٹر ایک بالکل مختلف قسم کی شے تھا۔ البتہ اس کی بیوی جیسی عورتیں میں نے دنیا بھر میں ہر جگہ دیکھی ہیں۔

(12)

انطونیا جب کٹروں کے پاس رہنے کے لئے چلی گئی تو اس کی کایا پلٹ گئی۔ لگتا تھا کہ تقریبوں اور پارٹیوں میں شرکت کرنے اور مزے اڑانے کے سوا اسے کسی بات کی فکر نہ رہتی تھی۔ جب وہ ناچ کے لئے نہ جاتی تو آدھی رات تک سینے پرونے میں لگی رہتی۔ ہر جگہ اس کے نت نئے کپڑوں کا چرچا تھا۔ لینا کے کہنے پر اس نے سستے کپڑوں میں مسز گارڈنز کے لئے نئے تقاریبی لباس اور مسز سمتھ کے سٹریٹ کوسٹیوم کی اس قدر سلیقے سے نقل اتاری تھی کہ یہ دونوں خواتین بڑی برہم ہوئیں۔ مسز کٹر ان سے بہت جلتی تھی لہٰذا وہ اس بات پر خوش ہوئی۔

ٹونی کا حلیہ بدل گیا تھا۔ اب وہ دستانے اوڑھتی۔ اونچی ایڑی والی جوتی اور بے چھجے کی ڈوری والی ٹوپی پہنتی اور کم و بیش ہر شام کو ٹائنی لینا اور مارشل خاندان میں کام کرنے والی ناروی لڑکی اینا کے ساتھ شہر کو جانے لگی تھی۔ ہم جو ہائی سکول کے لڑکے تھے، سہ پہر کی چھٹی کے دوران کھیل کے میدان میں ڈٹے رہتے تا کہ ان لڑکیوں کہ پہاڑی کی طرف سے آتے ہوئے دیکھ سکیں۔ روز بروز ان لڑکیوں کا حسن نکھر رہا تھا۔ لیکن جب وہ پاس سے گزرتیں تو کسی

MashalBooks.com

قدر ناز کے ساتھ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ طلسماتی کہانی کی سنو وائٹ کی طرح انطونیا ان میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔

سینئر ہونے کے ناطے میں جلد سکول سے آجاتا کبھی کبھی میں ان لڑکیوں کو راستے میں جالیتا اور بہلا پھسلا کر آئس کریم کے کھوکھے کی طرف لے جاتا جہاں بیٹھ کر وہ ہنستیں، گپیں لگاتیں ور مجھے سارے علاقے کی خبریں بتاتیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک سہ پہر کو ٹائنی سوڈ وبال نے مجھے بہت ناراض کر دیا۔ وہ یہ چرچا کر رہی تھی کہ اس نے دادی اماں سے سنا ہے کہ وہ مجھے باپٹسٹ مبلغ بنانا چاہتی ہیں۔

''مجھے لگتا ہے کہ تمہیں رقص بند کر کے پھر سفید نکٹائی پہننا پڑے گی۔ اچھا لڑکیو، کیا یہ احمق نہ لگے گا؟''

لینا ہنسنے لگی۔ ''جم، تمہیں پھرتی سے کام لینا ہوگا، اگر تم مبلغ ہی بننے والے ہو تو پھر میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ بلکہ تمہیں ہم سب سے شادی کرنے اور پھر بچوں کو بپتسمہ دینے کا وعدہ کرنا چاہئے۔''

ہر وقت باوقار رہنے والی ناروی اینا نے جھڑک کے انداز میں اسے دیکھا۔

''باپٹسٹ بچوں کو بپتسمہ دینے میں یقین نہیں رکھتے۔ ٹھیک ہے ناں جم؟''

میں نے اسے بتایا کہ مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں اور نہ ہی میں کچھ جاننا چاہتا ہوں اور یہ کہ یقیناً میں مبلغ بننے کو کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

''بہت بری بات ہے'' ٹائنی بناوٹی ہنسی ہنسنے لگی۔ وہ چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں تھی۔ ''تم تو بہت اچھے مبلغ بن سکتے ہو۔ تم اس قدر پڑھنے لکھنے والے ہو۔ شاید تم پروفیسر بننا چاہو گے۔ ٹونی کو پڑھایا کرتے تھے ناتم؟''

انطونیا بیچ میں بول پڑی۔ ''میرا دل چاہتا ہے کہ جم ڈاکٹر بنے۔ بیماروں کے ساتھ تمہارا سلوک بہت اچھا ہوگا جم۔ دادی اماں نے بہت اچھی تربیت کی ہے تمہاری۔ میرے پاپا ہمیشہ کہتے تھے کہ تم بہت سمارٹ لڑکے ہو۔''

میں نے کہا کہ جو جی چاہے گا، میں بنوں گا۔ اچھا تو مس لینا تمہیں حیرانگی نہ ہوگی اگر میں شیطان کا روپ دھار لوں؟''

وہ سب ہنسنے لگیں۔ ناروی اینا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں ٹوکا، تو وہ چپ

ہوئیں۔شام کے کھانے کے لئے روٹی خریدنے کی خاطر ہائی سکول کے پرنسپل صاحب دکان کے اگلے حصے میں ابھی داخل ہوئے تھے۔اینا کو اس افواہ کی خبر تھی کہ میں بہت کائیاں ہوں۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ اس لڑکے میں ضرور کوئی عجیب وغریب بات ہوگی جو اپنی ہم عمر لڑکیوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔'البتہ ٹونی' لینا اور تینوں میری بہنوں کی صحبت میں خوب کھیلتا ہے۔

وینی جوڑے نے رقص کے لئے جو جوش وخروش پیدا کیا تھا' وہ یکدم ختم نہ ہوا۔قصبے سے خیمے کے جانے کے بعد یوچرے کلب نے آول کلب کا روپ لے لیا اور وہ میسونک ہال میں ہفتہ وار رقص کا اہتمام کرنے لگی۔شامل ہونے کی دعوت یوں تو مجھے بھی ملی تھی لیکن میں نے انکار کر دیا اس موسم سرما میں میں بہت مضطرب اور بے چین سا رہا اور ان لوگوں سے مجھے کوفت ہونے لگی جو روزانہ ہی دکھائی دیتے تھے۔چارلی ہارلنگ پہلے ہی انا پولس پہنچ چکا تھا' جب کہ میں ابھی تک بلیک ہاک میں بیٹھا تھا جہاں سکول میں روزانہ میں حاضری کا جواب دیتا' گھنٹی بجنے پر اپنے ڈیسک سے اٹھتا اور گرامر سکول کے بچوں کی طرح قدم اٹھاتا ہوا سکول سے روانہ ہوتا تھا۔انطونیا کی حمایت میں اب بھی کر رہا تھا' اس لئے مسز ہارلنگ میرے بارے میں قدرے سرد مہر ہوگئی تھیں۔شام کو آخر وہاں میرے کرنے کو ہوتا ہی کیا تھا؟ عام طور پر سکول سے آنے سے پہلے ہی میں دوسرے روز کا سبق یاد کر لیتا تھا۔آخر یہ تو محال تھا کہ میں ہمیشہ خاموش بیٹھا رہوں اور کتابیں پڑھتا جاؤں۔

لگی بندھی زندگی کے تھکا دینے والے بوجھ سے نجات پانے کی خاطر شاموں کو میں ادھر ادھر آوارہ گردی کیا کرتا تھا۔چاروں طرف برف سے ڈھکی ہوئی یا پھر کیچڑ سے لتھڑی جانی پہچانی گلیاں بانہیں پھیلائے ہوئے تھیں۔یہ گلیاں اچھے لوگوں تک لے جاتی تھیں جو اس وقت بچوں کو سلا رہے ہوتے یا پھر' اپنا کھانا ہضم کرتے ہوئے' چولہے کے سامنے خاموشی سے بیٹھے ہوتے تھے۔شراب خانے بلیک ہاک میں دو تھے ان میں سے ایک ایسا تھا کہ اس کے بارے میں چرچ کے لوگوں کو بھی اعتراف تھا کہ وہ اتنا معزز ہے جتنا کہ ایک شراب خانہ ہوسکتا ہے۔ خوبرو انطون جیلی نک اس کا مالک تھا۔وہ اپنے باڑے کو بھاڑے پر چڑھا کر اس قصبے میں آنکلا تھا۔اس کے شراب خانے میں لمبی لمبی میزیں تھیں جن پر جرمن اور بوہیمین کسان بیئر پینے کے لئے روزانہ گھر سے لائے ہوئے اپنے کھانے بھی کھا سکتے تھے۔ان غیر ملکیوں کو خوش رکھنے کی خاطر جیلی نک رائی کی روٹی اور درآمدی پنیر تیار رکھتا تھا۔اس کے بار روم میں جانا اور باتیں سننا

مجھے اچھا لگتا تھا۔لیکن ایک روز اس نے مجھے گلی میں آلیا اور میرے کندھے ٹھونکے۔

''جم'' اس نے کہا۔''میں تمہارا اچھا دوست ہوں اور تم سے ملنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ لیکن تمہیں پتہ ہی ہے کہ چرچ کے لوگ شراب خانوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ تمہارا دادا ہمیشہ میرے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔۔۔۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تم میرے شراب خانے میں آؤ۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسے یہ بات اچھی نہ لگے گی۔ وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا!''

یوں میرے لئے یہ دروازہ بند ہو گیا۔

چکر تو خیر ڈرگ سٹور کے بھی لگائے جا سکتے تھے۔ جہاں ہر شام کو بوڑھے لوگ اکٹھے ہوتے' سیاست پر بحث کرتے اور افواہوں کا تبادلہ کرتے تھے۔ سگار فیکٹری میں جا کر اس بڈھے جرمن سے بھی گپ لگائی جا سکتی تھی جو بیچنے کے لئے بلبلیں پالتا تھا۔لیکن ہوتا یہ تھا کہ بات چاہے جہاں سے بھی شروع ہو وہ تان جانوروں کی کھالوں میں بھس بھرنے کے فن پر توڑتا تھا۔ ہاں' ایک سٹیشن بھی تھا اور میں اکثر رات کی ٹرین کو آتے دیکھنے کی خاطر وہاں چلا جاتا تھا اور اس کے جانے کے بعد میں اس ناآسودہ ٹیلی گرافر کے پاس تھوڑی دیر کے لئے رک جاتا جسے ہمیشہ اوماہا یا ڈینور تبادلے کی آس لگی رہتی تھی۔یعنی''جہاں زندگی تھی۔'' وہ لازماً ایکٹرسوں اور ڈانسروں کی تصویریں نکال لاتا یہ تصویریں اس نے سگریٹوں کے کوپنوں کے ساتھ حاصل کی تھیں اور ان تصویروں کی خاطر اس نے سگریٹ پی پی کر برا حال کر لیا تھا ایسے ہی انحراف کی خاطر سٹیشن ایجنٹ کے ساتھ بھی باتیں کی جا سکتی تھیں۔لیکن وہ ایک اور پریشان حال شخص تھا اور فالتو وقت میں افسروں کو اپنے تبادلے کے لئے درخواستیں لکھتا رہتا تھا۔اس کی خواہش واپس وایومنگ جانے کی تھی جہاں ہر اتوار کو وہ ٹراؤٹ مچھلی کا شکار کر سکتا تھا۔ وہ بتایا کرتا تھا کہ جب سے وہ اپنے جڑواں بچوں سے محروم ہوا تھا' زندگی میں اس کے لئے ٹراؤٹ مچھلیوں کے علاوہ کوئی اور دلچسپی نہ رہی تھی۔

یہ تھے وہ چند مواقع جو مجھے حاصل تھے اور جن میں سے مجھے انتخاب کرنا ہوتا تھا۔ رات نو بجے کے بعد قصبے میں کوئی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔ستاروں کی روشنی والی راتوں میں' میں ان طویل اور سرد گلیوں میں سے گزرتا جن کے دونوں طرف گھروں میں لوگ خوابیدہ ہوتے۔طوفانی کھڑکیوں اور ڈھکی ہوئی ڈیوڑھیوں والے یہ دھان پان سے گھر تھے جن میں

سے اکثر ہلکی لکڑی سے تعمیر شدہ تھے۔لیکن ان ناتواں سے گھروں میں بہت سوں نے حسد و رقابت اور رنج والم کو سمیٹ رکھا تھا۔ان گھروں میں جاری وساری زندگی مجھے بہانہ بازی' ٹال مٹول اور انکار سے عبارت محسوس ہوتی تھی۔زندگی کا یہ انداز ظلم وتشدد کے ماتحت زندگی بسر کرنے جیسا تھا۔لوگوں کی باتیں ان کی آوازیں' ان کی نگاہیں سب کی سب وردیدہ اور دبی ہوئی تھیں۔ہر انفرادی ذوق اور ہر فطری خواہش پر احتیاط کا سایہ منڈلا رہا تھا۔ان گھروں میں خوابیدہ لوگ اپنے ہی باورچی خانوں کے چوہوں کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔۔۔کوئی شور شرابا نہ ہو' کوئی نشان باقی نہ رہے اور وہ اندھیرے میں چیزوں کے اوپر پھلتے رہیں۔ان گھروں کے پچھواڑوں میں راکھ اور ادھ جلے کوئلے کے بڑھے ہوئے ڈھیر اس امر کی واحد شہادت تھے کہ زندگی کا ضائع کرنے والا' خرچ کرنے والا عمل رواں دواں تھا۔ہر منگل کی شب آوَل کلب کی طرف سے رقص کا اہتمام ہوتا تو زندگی میں ذرا سی حرکت پیدا ہو جاتی اور آدھی رات گئے تک ادھر ادھر کوئی روشن کھڑکی دکھائی دینے لگتی۔لیکن دوسری ہی رات اندھیرا پھر سے ہر شے کو نگل لیتا۔

آوَل کلب میں شرکت سے انکار کرنے کے بعد میں نے فائر میز ہال میں ہفتے کی راتوں کو رقص میں شامل ہونے کا جرات مندانہ فیصلہ کیا۔میں جانتا تھا کہ اپنے بزرگوں کو ایسے کسی منصوبے سے آگاہ کرنا فضول ہوگا۔دادا جان کو تو خیر ناچ پسند ہی نہ تھا۔ان کا جواب بس یہ ہوتا کہ اگر میں ضرور ناچنا چاہتا ہوں تو پھر مجھے میسونک ہال جانا چاہئے جہاں ہمارے جاننے والے لوگ جاتے تھے۔لیکن میرا مسلہ ہی یہ تھا کہ میں چاروں طرف سے ان لوگوں کے نرغے میں تھا جن کو ہم جانتے تھے۔

میری خواب گاہ گراؤنڈ فلور پر تھی اور میں پڑھتا بھی وہیں تھا۔اس کمرے میں ایک چولہا بھی تھا۔ہفتے کی رات کو میں جلد اپنے کمرے میں چلا جاتا۔قمیض اور کالر تبدیل کرتا اور اپنا سنڈے کوٹ پہن لیتا۔پھر میں خاموشی چھانے اور بزرگوں کے سونے کا انتظار کرتا اور کھڑکی کے راستے صحن میں سے ہولے گزرتا ہوا اپنی راہ پر ہو لیتا۔پہلی بار جب میں نے اپنے دادی دادا کو فریب دیا تو قدرے الجھن سی ہوئی۔شاید دوسری بار بھی ایسے ہی ہوا۔تاہم جلد ہی میں نے اس بارے میں سوچنا بند کر دیا۔

ہفتہ بھر میں فائر منیز ہال میں ہونے والے رقص کا منتظر رہتا۔وہاں میری ملاقات

انہی لوگوں سے ہوتی جن کو میں وینی جوڑے کے خیمے میں دیکھا کرتا تھا۔کبھی کبھار وہاں ولبر کے مقام سے تعلق رکھنے والے بوہمین اور بسمارک سے آنے والے جرمن لڑکے بھی آنکلتے تھے۔ٹونی' لینا اور ٹائنی' تینوں بوہیمین میری نام کی لڑکیاں اور ڈنمارک کی لانڈری کی لڑکیاں تو خیر ہمیشہ وہاں رہتی تھیں۔

چاروں ڈنمارک کی لڑکیاں دھوبی اور اس کی بیوی کے ساتھ لانڈری کے پیچھے ان کے گھر میں رہتی تھیں۔گھر کے ساتھ ایک بڑا باغ بھی تھا جہاں سکھانے کے لئے کپڑے ڈالے جاتے تھے۔دھوبی ایک مہربان اور دانا بوڑھا تھا جو ان لڑکیوں کو اچھا معاوضہ ادا کرتا' ان کی دیکھ بھال کرتا اور انہیں ایک اچھا گھر مہیا کرتا تھا۔ایک بار اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی اپنی ایک بیٹی تھی جو کام کاج میں ماں کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہوتے ہی اس جہان سے رخصت ہوگئی تھی اور یہ کہ ''تب سے وہ اس بیٹی کی کمی دور کرنے کو کوشش کرتا رہا ہے۔'' گرمیوں کہ سہ پہروں کو وہ اپنی دکان کے سامنے پٹڑی پر بیٹھ جاتا۔اخبار اس کے کھٹنے پر پڑا ہوتا اور وہ دکان کی کھلی بڑی کھڑکی سے ان لڑکیوں کو کپڑے استری کرتے اور آپس میں ڈنمارک کی زبان میں باتیں کرتے دیکھتا رہتا۔گلی میں سے اٹھنے والے گرد وغبار کے سفید بادل یا اس کے سبزی کے باغ کو مرجھا دینے والی گرم ہوائیں کبھی اس کی دل جمعی اور دھیرج پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔اس کے تاثرات سے یوں لگتا تھا کہ گویا اس نے اطمینان قلب اور تناعت کا بھید پالیا ہو۔صبح شام وہ اپنے چھکڑے میں دھلے ہوئے کپڑے لوگوں کے گھروں تک پہنچاتا اور میلے کپڑے اکٹھے کر لاتا۔اس کی یہ لڑکیاں رقص کے موقع پر کبھی اتنی خوبصورت نہ لگتی تھیں جتنی کہ وہ استری کی میز پر کام کرتے ہوئے یا ٹب کے پاس کپڑے دھوتے ہوئے دکھائی دیتی تھیں۔تب ان کے گورے بازو اور گردنیں عریاں ہوتیں۔ان کے رخسار جنگلی گلابوں سے بھی زیادہ دمک رہے ہوتے اور ان کے سنہری بال ہوا میں لہلہا رہے ہوتے تھے۔انگریزی زبان انہوں نے زیادہ نہ سیکھی تھی اور نہ ہی انہوں نے ٹونی یا لینا جتنی تمنائیں اور امنگیں پال رکھی تھیں۔۔۔۔لیکن وہ نیک دل اور سادہ لڑکیاں تھیں اور ہر دم شادمان رہتی تھیں۔ان کے ساتھ ناچتے ہوئے ان کے صاف ستھرے اور تازہ استری کئے ہوئے کپڑوں سے مسٹر حبنیس کے باغ کے روز میری کے پتوں کی خوشبو آتی تھی۔

ان ناچوں میں زیادہ لڑکیاں شریک نہ ہوا کرتی تھیں۔پھر بھی ہر کوئی ٹونی اور لینا

کے ساتھ ناچنے کا آرزومند رہتا تھا۔

لینا رقص کے دوران کسی کوشش کے بغیر' بلکہ یوں کہیئے کہ بڑے سکون سے حرکت کرتی اور عموماً اس کا ہاتھ رقص کے ساتھی کے کندھے پر ہولے سے تال بجاتا رہتا۔ جب کوئی اس سے بات کرتا تو وہ مسکرا دیتی لیکن جواب کبھی کبھار ہی دیا کرتی تھی۔ موسیقی اسے نرم اور جاگتے خوابوں کی دنیا میں لے جاتی' اس کی بنفشی آنکھیں خوابیدہ سی دکھائی دیتیں اور لمبی پلکوں کے نیچے سے اعتماد کے ساتھ جھانکتی رہتیں۔ ''گھر پیارا گھر'' کی دھن پر لینا کے ساتھ ڈانس کرنا گویا بھاٹے کی لہروں پر جھولنا تھا۔ ہر رقص کو وہ والز کے انداز میں نبھاتی اور ہمیشہ ہی یہ ایک جیسا والز ہوتا۔۔۔ کیونکہ یہ رقص کسی کے واپسی کے متعلق ہوتا تھا' ایسی واپسی جو ناگریز تھی' جو مقدر میں لکھی تھی۔۔۔ یہ رقص تھوڑی ہی دیر میں مضطرب کر دیتا تھا' جس طرح گرمی کے کسی نرم اور حبس والے دن میں کوئی بے قرار ہو جاتا ہے۔

رقص کے فرش پر جب کوئی ٹونی کے ساتھ ناچتا تو پھر اسکی واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ہر ناچ ایسا ہوتا گویا کوئی نیا ایڈونچر ہو۔ ہر رقص میں اس کے نئے رنگ' نئے انداز سامنے آتے تھے۔ اس نے مجھے موسیقی کے آہنگ میں اور اس کے الٹ چلتے ہوئے رقص کرنا سکھایا۔ بارہا مجھے خیال آیا کہ ریل کی پٹڑی کے آخر تک جانے کے بجائے اگر بوڑھا مسٹر شمردا نیویارک ہی میں رک گیا ہوتا' تو پھر انطونیا کی زندگی کس قدر مختلف ہوتی۔

اکثر اوقات انطونیا لیری ڈونوون کے ساتھ ڈانس کے لئے جایا کرتی تھی۔ وہ پسنجر کنڈکٹر تھا اور ہم لوگوں میں عورتوں کے پیشہ ور محبوب نظر کے طور پر مشہور تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس رات سب لڑکے کس قدر للچائی ہوئی نظروں سے انطونیا کو دیکھ رہے تھے جب اس نے پہلی بار مسز گارڈنز کے سیاہ مخمل کے لباس جیسے بنے ہوئے ویلوٹ کے کپڑے پہنے تھے۔ اس کا حسن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا' آنکھیں اس کی چمک رہی ہوتیں اور جب وہ ناچ رہی ہوتی تو اس کے ہونٹ ہمیشہ تھوڑے سے کھلے ہوتے۔ اس کے رخساروں کا مسلسل گہرا رنگ کبھی تبدیل نہ ہوتا۔

ڈونوون کی غیر موجودگی میں ایک روز انطونیا ناروی اینا اور اس کے نوجوان دوست کے ہمراہ ہال میں آئی اور اس شب میں اسے واپس گھر لے کر گیا۔ جب ہم کٹروں کے صحن میں کھڑے تھے' جس پر سدا بہار درخت چھائے ہوئے تھے' تو میں نے اس سے کہا کہ اسے میرا

شب بخیری بوسہ لینا چاہئے۔

''لیکن کیوں جم'' اس کی آواز سنائی دی۔ پھر ایک لمحے بعد اس نے منہ پیچھے کر لیا اور برہمی سے سرگوشی کے انداز میں کہنے لگی ''جم تمہیں پتہ ہی ہے تمہارا مجھے اس طرح چومنا اچھا نہیں لگتا۔ تمہاری دادی اماں سے میں شکایت کروں گی!''

''لینا لنگارڈ تو مجھے چومنے دیتی ہے'' میں نے جواب دیا۔ ''حالانکہ میں اسے تم سے آدھا بھی نہیں چاہتا''۔

''ہیں' واقعی لینا؟'' ٹونی نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''اگر وہ تمہارے ساتھ کوئی گڑ بڑ کر رہی ہے تو میں اس کی آنکھیں نکال دوں گی!'' انطونیا نے دوبارہ مجھے بازو سے پکڑا اور ہم دروازے سے نکل کر پٹڑی کی طرف ہو لئے۔ ''اچھا اچھا' اب تم ان شہری چھوکروں کی طرح احمق نہ بن جانا۔ ساری عمر یہاں بیٹھ کر تمہیں قصے نہیں اڑاتے رہنا۔ تم سکول جا رہے ہو تمہیں زندگی میں کچھ بن کر دکھانا ہے۔ مجھے تو تم پر بہت ناز ہے۔ اب تم نے ان سویڈش لڑکیوں کے ساتھ کوئی میل ملاپ نہیں رکھنا۔ سنا تم نے؟''

''تمہارے سواہ مجھے کسی کی پراہ نہیں'' میں نے جواب دیا۔ ''اور میرا خیال ہے کہ تم ہمیشہ مجھے بچہ ہی سمجھتی ہو''۔

وہ ہنس دی اور مجھے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ ''ہاں سچ کہتے ہو' لیکن بچے تم ایسے ہو کہ جسے بہر حال میں بہت چاہتی ہوں۔ مجھے جیسے مرضی چاہو' پر اگر میں نے تمہیں لینا کے چکر میں دیکھ لیا تو پھر جم براؤن میں تمہاری دادی سے بات ضرور کروں گی۔ لینا بہت اچھی ہے۔ لیکن تمہیں پتہ ہی ہے کہ اس معاملے میں وہ ذرا کچی ہے۔۔۔ خیر قصور اس کا بھی نہیں۔ فطری سی بات ہے اس کے لئے''۔

اگر اسے مجھ پر ناز تھا تو مجھے اس پر اتنا گھمنڈ تھا کہ جب میں گہرے صنوبروں سے باہر نکلا اور اپنے پیچھے کٹروں کا دروازہ ہولے سے بند کیا' تو غرور سے میرا سر اونچا تھا۔۔۔ اس کا پر جوش اور دلکش چہرہ' اس کی مہربان بانہیں اور اس کا سچا دل۔۔۔ وہ' ہاں وہ ابھی تک میری انطونیا تھی! گھر جاتے ہوئے میں نے حقارت سے گردوپیش کے بے نور اور خاموش چھوٹے چھوٹے گھروں کو دیکھا اور ان احمق نوجوانوں کے بارے میں سوچنے لگا جو ان میں سے بعض گھروں میں خوابیدہ تھے۔ ہاں میں جانتا تھا کہ حقیقی عورتیں کہاں ہیں اور اگرچہ میں ایک لڑکا

تھا۔لیکن ان سے خائف نہ تھا۔

ناچوں سے واپس آنے پر مجھے اس خاموشی وساکت گھر میں داخل ہونے سے نفرت تھی۔اور نیند بھی مجھے دیر سے آیا کرتی تھی۔صبح کو میں سہانے خواب دیکھا کرتا تھا اور ان خوبوں میں کبھی کبھی میں اور انطونیا مل کر کھیلتے تھے بھاگتے دوڑتے تھے اور شرارتیں کیا کرتے تھے۔

ایک خواب تو میں نے کئی بار دیکھا اور ہر بار وہ ایک ہی جیسا تھا۔ میں ایک کھیت میں تھا جس میں کٹائی کے بعد غلے کے غٹھوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔لینا لنگارڈ ننگے پاؤں ٹھنٹھوں کے پاس سے گزرتی ہوئی چلی آئی۔اس نے مختصر سکرٹ پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں اس کے درانتی تھی اور وہ طلوع سحر کی مانند تمتا رہی تھی اور اسے دیکھ کر گلابی تابندگی کا احساس ہوتا تھا۔ میرے قریب بیٹھ کر اس نے ہولے سے آہ بھری اور میری طرف رخ کر کے کہنے لگی۔

''اب وہ سب لوگ جا چکے ہیں اور میں جی بھر کے تمہیں چوم سکتی ہوں''۔

میری خواہش ہوتی تھی کہ ایسا خواب لینا کے بجائے انطونیا سے متعلق ہوتا۔لیکن کبھی ایسا نہ ہوا۔

(13)

ایک سہ پہر کو میں نے محسوس کیا کہ دادی اماں روتی رہی تھیں۔گھر میں چلتے پھرتے انہیں پاؤں میں تکلیف ہو رہی تھی۔میز پر بیٹھا میں پڑھ رہا تھا۔وہاں سے اٹھ کر ان کے پاس گیا اور پوچھا کہ آیا وہ ٹھیک محسوس نہیں کر رہی ہیں اور یہ کہ آیا میں کام کاج میں ان کی مدد کر سکتا تھا۔

''نہیں جم، شکریہ۔ مجھے تکلیف تو ہے۔لیکن میرا خیال ہے کہ کچھ زیادہ مسلہ نہیں۔ شاید میں بوڑھی ہوتی جا رہی ہوں''۔

ہچکچاتے ہوئے میں نے پوچھ ہی لیا''دادی اماں آپ کس معاملے میں فکرمند ہیں؟ دادا جان کے کیا کچھ پیسے کھو گئے ہیں؟''

''نہیں۔ پیسے کی بات نہیں۔کاش یہی بات ہوتی لیکن میں نے کچھ چرچے سنے ہیں۔تمہیں پتہ ہونا چاہئے تھا کہ کبھی نہ کبھی مجھے علم ہو جائے گا وہ ایک کرسی پر ڈھیر ہو گئیں اور پیش بند سے منہ ڈھانپتے ہوئے رونے لگیں۔''میں نے کبھی دعوی نہ کیا تھا کہ بوڑھے لوگ

پوتے پوتیوں کی اچھی طرح پرورش کر سکتے ہیں۔لیکن مقدر میں یہی لکھا اور تمہارے لئے اس کے سوا کوئی راہ بھی نہ تھی''۔

میں نے بازو دادی اماں کے گرد حمائل کر دیئے۔انہیں روتا دیکھنے کی مجھ میں تاب نہ تھی۔

''بات کیا ہے دادی اماں؟ فائرمنسیز کے رقصوں کا قصہ تو نہیں؟''

انہوں نے سر ہلایا۔

''افسوس ہے کہ میں نے چوری چھپے یہ کام کیا۔مگر ان رقصوں میں کوئی برائی نہیں ہے' نہ ہی میں نے کوئی غلط کام کیا ہے۔وہ لڑکیاں مجھے اچھی لگتی ہیں اور ان کے ساتھ ڈانس کرنا مجھے پسند ہے۔بس اتنی سی بات ہے''۔

''لیکن ہمیں فریب دینا تو اچھا اور پھر اس سے ہم پر الزام بھی آتا ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ تم آوارہ ہوتے جا رہے ہو اور یہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں''۔

''لوگوں کی تو مجھے پرواہ نہیں۔ہاں' اگر آپ کو تکلیف پہنچی ہے تو پھر یہ معاملہ ٹھپ سمجھئے۔اب کبھی میں فائرمنیز ہال کا رخ نہ کروں گا۔

یہ وعدہ میں نے نبھا دیا' لیکن بہار کے مہینے نے کیف اور یاس انگیز ہو گئے۔شامیں اب میں گھر پر بوڑھوں کے ساتھ لاطینی پڑھتے گزارتا جو ہمارے سکول کے کورس میں نہ تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں گرمیوں میں کالج کے لئے درکار بہت کام کروں گا اور خزاں کے موسم میں شرائط کے بغیر یونیورسٹی کی خوواردگان کی جماعت میں شریک ہوں گا۔دراصل میں جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔

ناپسندیدگی سے مجھے تکلیف پہنچی۔۔۔یہاں تک کہ ان لوگوں کی ناپسندیدہ سے بھی جن کو میں اچھا نہ سمجھتا تھا۔بہار کی آمد کے ساتھ ساتھ میری تنہائی بڑھتی جا رہی تھی اور رفاقت کے لئے میں ٹیلی گرافر' سگار ساز اور اس کی بلبلوں کا محتاج ہو کر رہ گیا۔مجھے یاد ہے کہ بہار کے ان دنوں میں میں نے نینا ہارلنگ کے لئے منی باسکٹ لٹکا کر حزیں زدہ خوشی حاصل کی تھی۔ پھول میں نے ایک بوڑھی جرمن عورت سے خریدے تھے جس کے پاس ونڈو پلانٹس ہمیشہ دوسروں سے زیادہ ہوا کرتے تھے۔ایک سہ پہر میں نے تھیلے کی کانٹ چھانٹ کی نذر کر دی۔ شام ہوئی تو نیا چاند آسمان پر مسکرانے لگا تو میں خاموشی سے یہ نذرانہ لئے ہارلنگوں کے اگلے

دروازہ پر گیا' گھنٹی بجائی اور پھر رواج کے مطابق وہاں سے بھاگ گیا۔ بید مجنوں کی باؤ کے پیچھے سے میں نینا کو خوشی سے چلاتے ہوئے سن سکتا تھا۔ یونہی مجھے سکون سا محسوس ہوا۔

بہار کی ان خوش گوار شاموں کی میں اکثر اوقات قصبے کے مرکزی حصے سے گھر کی طرف فرانسس کے ساتھ پیدل آیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ میں اپنے منصوبوں اور اپنی پڑھائی کی باتیں کرتا۔ ایک شام اس نے مجھے بتایا کہ اس کے خیال میں مسز ہارلنگ میرے ساتھ زیادہ ناراض نہ تھیں۔

''میرے خیال میں ماما بہت کھلے دل کی ہیں۔ لیکن تمہیں پتہ ہی ہے کہ انطونیا کے معاملے میں انہیں رنج پہنچا تھا اور انہیں یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اپنے معیار کی لڑکیوں کو چھوڑ کر تم ٹنی اور لینا کی رفاقت کیوں پسند کرتے ہو''۔

''اچھا تو کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں آتی ہے؟'' میں نے اکھڑ پن سے سوال کر ڈالا۔

فرانسس ہنسنے لگی۔ ''ہاں' شاید۔ تم انہیں گاؤں کے دنوں سے جانتے ہو۔ پھر یہ بھی ہے کہ کئی لحاظ سے تم اپنے ہم عمر لڑکوں سے بڑے ہو۔ کالج کے امتحانات جب تم پاس کر لو گے تو ماما کے ساتھ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا اور وہ جان جائیں کہ تم سچے ہو''۔

''اگر تم لڑکا ہوتیں'' میں نے اصرار کیا' ''تو پھر تم بھی اوول کلب سے سروکار نہ رکھتیں۔ تمہارا حال بھی میرے جیسا ہوتا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں بھی اور نہیں بھی۔ میرا خیال ہے کہ ان دیہاتی لڑکیوں کو میں تم سے بہتر جانتی ہوں۔ تم ہمیشہ ان پر دلربائی کا غلاف چڑھا دیتے ہو۔ مسلہ جم تمہارے ساتھ یہ ہے کہ تم رومانٹک ہو۔ ماما تمہیں سند ملنے کی تقریب میں جانے والی ہیں۔ ابھی کل ہی وہ مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ تمہاری تقریر کس بارے میں ہو گی۔ وہ چاہتی ہیں کہ تم یہ کام سلیقے سے نبھاؤ''۔

میرے خیال میں تقریر میری بہت اچھی تھی۔ اس میں جو شیلے طریقے سے ان بہت سی باتوں کا ذکر تھا جو میں نے حال ہی میں دریافت کی تھیں۔ تقریب میں شرکت کے لئے مسز ہارلنگ اوپیرا ہاؤس آئیں اور تقریر کے دوران میں زیادہ تر انہی کو دیکھتا رہا۔ ان کی مشتاق اور ذہین آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ بعد میں وہ ڈریسنگ روم میں آئیں جہاں ہم سب جمع تھے

اور ڈپلومے ہمارے ہاتھوں میں تھے۔ میرے پاس آ کر انہوں نے خوش دلی سے کہا۔ ''جم تم نے تو مجھے حیران کر دیا۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ تم اس قدر عمدہ کارکردگی ظاہر کر سکتے ہو۔ یہ تقریر تم نے کتابوں سے تو نہیں نکالی''۔ گریجویشن کے موقع پر مجھے جو تحائف ملے' ان میں مسز ہارلنگ کی طرف سے ایک ریشمی چھاتا بھی شامل تھا۔ اس کے دستے پر میرا نام کندہ تھا۔

اوپیرا ہاؤس سے میں اکیلے ہی گھر کی طرف روانہ ہوا۔ میتھڈلسٹ چرچ کے پاس سے گزرتے ہوئے محرابی میپل درختوں کے نیچے' چھن کر آنے والی چاندنی میں مجھے تین سائے دکھائی دیئے جو آگے پیچھے حرکت کر رہے تھے۔ پھر وہ تیزی سے میری طرف لپکے۔ اصل میں وہ میرے ہی منتظر تھے۔ لینا' ٹونی اور انا ہنسن۔

''ارے جم' کیا ہی شاندار بات تھی'' ٹونی کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اور یہ ہمیشہ ہی ہوتا تھا جب اس کے جذبے اس کے لفظوں کو پچھاڑ دیتے تھے۔ ''بلیک ہاک میں تو ایک بھی وکیل نہیں جو ایسی تقریر کر سکے۔ ابھی تمہارے دادا کو روک کر میں نے یہی بات ان سے کہی ہے۔ وہ تم سے تو نہ کہیں گے' لیکن ہمیں انہوں نے بتایا کہ خود بھی وہ بہت حیران ہوئے ہیں۔ یہی بات ہے ناں لڑکیو؟''

دبکتے ہوئے لینا میرے قریب آئی اور چھیڑنے کے انداز میں کہنے لگی۔ ''یہ تم اس قدر سنجیدہ کیسے بن گئے تھے؟ لگتا ہے کہ سہمے ہوئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ تم اپنی بات بھول جاؤ گے''۔

حسرت بھرے انداز میں لینا کہنے لگی۔

''ضرور تمہیں خوشی ہوگی جم کہ ہر وقت تمہارے ذہن میں ایسے اچھے خیالات رہتے ہیں۔ پھر تمہارے پاس الفاظ بھی ہیں انہیں بیان کرنے کے لئے۔ تمہیں پتہ ہے سکول جانے کی میرے دل میں بڑی حسرت تھی''۔

''میں تو بس وہاں بیٹھی خواہش کر رہی تھی کہ کاش جم میرے پاپا بھی تمہیں سن سکتے''۔۔۔ انطونیا نے میرے کوٹ کے کالر پکڑ لئے۔۔۔ ''تمہاری تقریر میں کوئی ایسی بات تھی جو مجھے پاپا کی یاد دلاتی تھی''۔

''ٹونی' تقریر لکھتے ہوئے مجھے تمہارے پاپا کا خیال آیا تھا'' میں نے کہا۔ ''تقریر کا انتساب بھی انہی کے نام ہے''۔

بازو اس نے میرے گرد حمائل کر دیئے۔ اس کا پیارا مکھڑا آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ جب وہ چلی گئیں تو میں کھڑا ان سب کے لباس کی جھلملاہٹ دیکھتا رہا۔ اس سے زیادہ خوشیوں بھری کوئی اور کامیابی میرے حصے نہ آئی تھی۔

(14)

تقسیم اسناد کے دوسرے روز اپنی کتابیں اور میز اوپر کی منزل کے ایک خالی کمرے میں لے گیا۔ جہاں میں زیادہ یکسوئی سے پڑھ سکتا تھا۔ ساری توجہ میں نے پڑھائی پر مبذول کر دی۔ گرمیوں کے ایام میں نے علم مثلث کیلئے وقف کر دیئے اور اکیلئے ہی واجل کو پڑھنا شروع کر دیا۔ صحیحیں اسی طور گزر رہی تھیں۔ کبھی کبھی' جب میں شام کو مسز ہارلنگ کے گھر کے آگے سے گزر رہا ہوتا وہ مجھے اندر بلا لیتیں۔ چارلی کی کمی کو وہ شدت سے محسوس کر رہی تھیں اور چاہتی تھیں کہ کوئی لڑکا پاس رہے میرے بزرگوں کو جب کبھی کوشبہات پیدا ہوتے اور وہ یہ سوچنے لگتے کہ آیا اکیلئے کالج جانے کے لحاظ سے میں ابھی چھوٹا تو نہیں ہوں' تو ایسے موقعوں پر مسز ہارلنگ شد و مد سے میری وکالت کرتیں۔ دادا جان ان کی رائے کا بہت احترام کرتے تھے اور مجھے معلوم تھا کہ وہ اختلاف نہ کریں گے۔

گرمیوں کے پورے موسم میں میں نے صرف ایک چھٹی کی اور وہ بھی جون کے مہینے میں۔ قصبے کے مرکزی حصے میں میری ملاقات ہفتے کی سہ پہر کو انطونیا سے ہوگئی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ ٹونی اور لینا انا ہنسن' کے ساتھ دوسرے روز دریا پر جانے والی تھیں۔

''مارشلوں کی ڈیلیوری ویگن میں لینا ہمیں وہاں لے جائے گی۔ وہاں ہم شاندار کھانا کھائیں گے اور پکنک منائیں گے۔ بس ہم ہی ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا۔ جم' تم کیا ساتھ نہیں چل سکتے؟ پرانے دنوں کی یاد تازہ ہو جائے گی''۔

لمحہ بھر کو میں نے سوچا۔ ''ہاں چل تو سکتا ہوں' بشرطیکہ مجھے رکاوٹ نہ سمجھا جائے''۔

اتوار کے روز جلدی اٹھا اور مرغزاری گھاس پر ابھی شبنم کے موتی چمک رہے تھے کہ میں بلیک ہاک سے نکل گیا۔ گرما کے پھولوں کا موسم جوبن پر تھا۔ چاروں طرف رنگے برنگے پھول بہار دکھا رہے تھے۔ جنگلے کے پار اونچی گھاس میں مجھے سنگترے کے رنگ کے ملک وید پھولوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا۔ ہمارے علاقے میں یہ پھول شاذ و نادر ہی پائے جاتے تھے۔

MashalBooks.com

سڑک سے ہٹ کر میں مرغزار میں سے چلنے لگا۔ اتوار کی اس صبح سارے کا سارا علاقہ بے رونق تھا۔ بس لے دے کے چند چکاوک ہی دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن اس تنہائی نے علاقے کے حسن کو دوبالا کر دیا تھا اور لگتا تھا کہ جیسے ہر شے میرے بہت قریب آ گئی ہو۔

وسط گرما کے لحاظ سے دریا کا بہاؤ تیز تھا۔ ہمارے مغرب کی طرف کے علاقے میں ہونے والی بھاری بارشوں کے سبب دریا میں پانی کی فراوانی تھی۔ پل پار کر کے میں دریا کے درختوں سے بھرپور ساحل پر پانی کے بہاؤ کے رخ چلتے ہوئے ایک خوش گوار ڈریسنگ روم تک جا پہنچا۔ اس کے چاروں طرف جنگلی درخت اور بیل بوٹے اگے ہوئے تھے۔ اس کمرے میں میں پیراکی کیلئے کپڑے اتارنے لگا۔ ابھی لڑکیوں کے ادھر آنے کی کوئی امید نہ تھی۔ پہلی بار میرے ذہن میں خیال آیا کہ جب میں واپس چلا جاؤں گا تو اس دریا کی یاد مجھے ستائے گی۔ دریا کے یہ ریتیلے صاف ستھرے کنارے اور پھول بوٹے آزاد دنیا دکھائی دیتے تھے۔۔۔ یہ گویا نئی نویلی دنیا تھی جو بلیک ہاک کے لڑکوں کے لئے بنی تھی۔ چارلی ہارلنگ اور میں ان جنگلوں میں شکار کھیلتے اور مچھلیاں پکڑتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ دریا کے ساحل کے ایک ایک کونے سے واقف ہو گیا تھا اور ہر کونے کھدرے کے بارے میں دوستانہ احساس بھی رکھتا تھا۔

پیراکی کے بعد جب میں پانی سے یونہی دل بہلا رہا تھا تو مجھے پل پر سے گھوڑے کی ٹاپ اور پیوں کی آواز سنائی دی۔ دریا کے بہاؤ کے الٹ جاتے ہوئے جونہی مجھے کھلا چھکڑا دکھائی دیا' میں نے زور سے آواز لگائی۔ چھکڑے والوں نے گھوڑے کو لگام دی۔ اس کے پیندے سے دو لڑکیاں کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے اگلی نشست پر بیٹھی ہوئی دو لڑکیوں کے کندھوں کا سہارا لے رکھا تھا' تا کہ مجھے وہ بہتر طور پر دیکھ سکیں۔ یہ لڑکیاں محض تفریح کی خاطر اس طرف نکل آئیں تھیں اور مجھے یوں دیکھ رہی تھیں جیسے کوئی ہرن گنجان جھاڑیوں سے پانی پینے کے لئے نکل آیا ہو۔ پل کے قریب تہہ تلاش کر کے میں وہاں کھڑا ہو گیا اور ان لڑکیوں کو ہاتھ ہلانے لگا۔

''کیا ہی حسین لگ رہی ہو تم! میں نے کہا

''تم بھی لگ رہے ہو'' انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا اور پھر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگیں۔ انا ہنسن نے باگیں تھامیں اور وہ آگے چل دیں۔ اپنی منزل کی طرف واپس آ کر میں نے دھوپ میں اپنا جسم خشک کیا اور آہستہ آہستہ کپڑے پہنے۔ اس سرسبز جگہ سے واپس

جانے سے میں ہچکچا رہا تھا۔

جب میں سائے میں بندھے ہوئے مارشلوں کے گھوڑے کے قریب پہنچا تو لڑکیاں پہلے ہی اپنی ٹوکریاں لے کر جا چکی تھیں۔ لیکن میں ان کی آوازیں سن سکتا تھا۔ گھنی جھاڑیوں کے درمیان میں سے مویشیوں کی راہ گزرتا ہوا' میں ایک ڈھلوان تک پہنچ گیا جو اچانک دریا کے کنارے جا ملتی تھی۔ یہاں چاروں طرف جنگلی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ میں نے انہیں چھوا بھی نہیں۔ بلکہ یہاں کی پرسکون' خوابیدہ اور خوش گوار خاموشی مجھ پر حاوی ہوگئی۔ جنگلی مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور پانی کی قلقل کے سوا یہاں کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کنارے کے اوپر سے میں نے آواز پیدا کرنے والی چھوٹی سی ندی کو دیکھنے کو کوشش کی۔ کنارے کی نچلی ڈھلوان کی طرف مجھے انطونیا دکھائی دی۔ میری آواز سن کر اس نے اوپر کی طرف دیکھا اور مسکرا دی لیکن میں جان گیا کہ وہ وہاں بیٹھ کر روتی رہی تھی۔ نرم ریت پر اسکے پاس سرک کر میں نے سبب پوچھا۔

''جمی' یہ پھول اور خوشبو مجھے وطن کی یاد دلاتے ہیں'' اس نے ملامت سے جواب دیا۔ ''وہاں ہمارے پرانے وطن میں ایسے پھول بہت زیادہ تھے۔ وہ ہمارے صحن میں بھی کھلا کرتے تھے اور میرے پاپا نے جھاڑیوں کے نیچے ایک سبز کرسی اور میز رکھ چھوڑی تھی گرمیوں میں جب یہ پھول جوبن پر ہوتے تو پاپا بڑا بگل بجانے والے اپنے دوست کے ساتھ وہاں بیٹھا کرتے تھے۔ بچپن میں میں وہاں جا کر ان کی باتیں سنا کرتی تھی۔ ایسی خوبصورت باتیں ہوا کرتی تھیں وہ' کہ میں نے پھر کبھی ایسی باتیں نہیں سنیں''۔

''وہ کیا باتیں کرتے تھے؟'' میں نے سوال کیا۔

آہ بھرتے ہوئے اس نے سر ہلایا۔ ''بھائی مجھے نہیں معلوم! موسیقی کے متعلق' جنگلوں کے تعلق کے متعلق اور اپنی جوانی کے دنوں کے بارے میں انطونیا اچانک مڑی اور میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ ''تمہارا کیا خیال ہے جمی کہ میرے باپ کی روح انہی گم گشتہ جگہوں کو لوٹ گئی ہوگی؟''

میں نے اسے سردیوں کے اس روز کے اپنے احساسات کے بارے میں بتایا جب میرے بزرگ اس کے باپ کے مردہ جسم کے دیکھنے گئے تھے اور میں گھر میں اکیلا رہ گیا تھا۔ میں نے کہا کہ مجھے پکا یقین تھا کہ اس کی روح اپنے وطن کو لوٹ رہی تھی اور یہ کہ اب بھی جب میں اس کی قبر کے پاس سے گزرتا ہوں تو مجھے ہمیشہ یہی خیال آتا ہے کہ وہ انہی جنگلوں اور

کھیتوں میں ہوگا جن سے اسے بہت لگاؤ تھا''۔

انطونیا کی آنکھوں سے یقین اور اعتماد کی شعاعیں پھوٹنے لگیں۔

''یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتائی؟ یہ سن کر تو مجھے اس کے متعلق زیادہ یقین ہونے لگا ہے''۔ قدرے توقف کے بعد انطونیا کہنے لگی۔ ''جم تمہیں پتہ ہی ہے۔ میرا باپ میری ماں سے مختلف تھا۔ اسے میری ماں سے بیاہ نہیں کرنا چاہئے تھا اور جب اس نے کر ہی لیا تو اس کے سارے بھائی اس سے ناراض ہو گئے۔ گھر میں بڑے بوڑھوں کو اس بارے میں سرگوشیاں کرتے سنا کرتی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ میرے باپ کو چاہئے تھا کہ وہ میری ماں کو کچھ رقم ادا کر دیتا' لیکن اس سے شادی نہ کرتا۔ وہ میری ماں سے بڑی عمر کا تھا اور نیک دل اس قدر تھا کہ وہ ایسا سلوک کر ہی نہ سکتا تھا۔ وہ اپنی ماں کے گھر میں رہتا تھا جہاں شادی سے پہلے میری ماں کام کاج کرنے آیا کرتی تھی۔ وہ ایک غریب لڑکی تھی۔ جب میرے باپ نے اس سے شادی کر لی تو میری دادی اماں نے اپنے گھر کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے۔ میں صرف ایک بار ہی اپنی دادی اماں کے گھر گئی ہوں اور وہ بھی اس کی موت کے دن۔ تمہیں یہ بات عجیب سی نہیں لگتی؟''

جب وہ باتیں کر رہی تھی تو میں گرم ریت پر لیٹ کر نیلے آسمان کو دیکھے جا رہا تھا۔ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لیکن وہ پھولوں کے اوپر دھوپ میں رہتی تھیں اور پتوں کے سائے تلے نہ آ رہی تھیں۔ اس روز انطونیا مجھے بالکل وہی چھوٹی سی لڑکی لگ رہی تھی جو مسز شمرد اکے ساتھ ہمارے گھر آیا کرتی تھی۔

''کبھی نہ کبھی ٹونی میں تمہارے وطن جاؤں گا اور وہ چھوٹا سا شہر بھی دیکھوں گا جہاں تم رہتی تھیں۔ تمہیں وہ سب کچھ یاد ہے ناں؟''

''جم'' صاف گوئی سے اس نے اقرار کیا ''اگر مجھے آدھی رات کو بھی وہاں چھوڑ دیا جائے تو میں اس پورے شہر میں اپنا راستہ تلاش کر سکتی ہوں اور دریا کے ساتھ ساتھ دوسرے قصبے تک جا سکتی ہوں جہاں میری دادی رہتی تھیں۔ جنگل میں جتنی بھی گزرگاہیں ہیں میرے پاؤں ان سب سے آشنا ہیں۔ وطن مجھے کبھی بھولا نہیں ہے''۔ ہمارے اوپر شاخوں میں کچھ چڑ چڑاہٹ ہوئی اور لینا لنگارڈ نیچے دریا کی طرف دیکھنے لگی۔

''ارے او کاہلو' وہ چیخی' یہ ساری بیلیں اور یہ تم۔۔۔ یہاں پڑے ہو۔ ہماری آواز کیا

تم تک نہ پہنچی تھی؟'' شرم سے وہ اسی طرح سرخ ہوگئی جیسے وہ میرے خواب میں ہوا کرتی تھی اور پھر کنارے پر جھک کر وہ پھولوں کے اس پگوڑے کو گرانے لگی جو ہم نے بنایا تھا۔ ایسی پھرتیلی تو وہ مجھے کبھی دکھائی نہ دی تھی۔ جذبے سے وہ کانپ رہی تھی اور پسینے کے قطرے اس کے بالائی ہونٹ پر دکھائی دے رہے تھے۔ اپنے قدموں پر اچھل کر میں کنارے کی طرف بھاگ گیا۔

دوپہر ہو چکی تھی اور گرمی سے پھول مرجھانے لگے تھے۔ لنچ باسکٹ کو میں ایک کھریالی چٹان کی چوٹی پر لے گیا' جہاں حبس کے دنوں میں بھی ہوا کے جھونکے چلتے رہتے تھے۔ ہموار سطح کے بیچ وخم کھانے والے شاہ بلوط کے چھوٹے چھوٹے درخت گھاس پر ہلکے سائے پیدا کر رہے تھے۔ نیچے ہم دریا کو بل کھاتے ہوئے بہتے دیکھ سکتے تھے۔ درختوں میں گھرا ہوا بلیک ہاک کا قصبہ دکھائی دے رہا تھا۔ ہم جانے پہچانے فارم ہاؤسوں اور پون چکیوں کو شناخت کر سکتے تھے۔ ہر لڑکی میری توجہ اس سمت کی طرف دلا رہی تھی جس سمت میں اس کے باپ کا فارم ہاؤس تھا۔ ساتھ ہی لڑکیاں یہ بھی بتا رہی تھیں کہ ان کے کھیتوں میں اس سال کتنے ایکڑ میں گندم کاشت ہوئی ہے اور کتنے ایکڑ غلہ۔

''میرے بزرگوں نے'' ٹنی سوڈر بال بتانے لگی بیس ایکڑوں میں رائی کاشت کی ہے۔ چکی پر وہ اسے پیس لیتے ہیں اور روٹی اس سے اچھی بنتی ہے۔ لگتا ہے کہ جب سے باپ نے رائی کا آٹا مہیا کرنا شروع کیا ہے' میری ماں کو وطن بھول گیا ہے''۔

''ہماری ماؤں کے لئے یہ تو بڑی مصیبت ہوگئی'' لینا کہنے لگی' کہ وہ یہاں آ کر آباد ہوئیں اور انہیں بالکل مختلف حالات سے پالا پڑا۔ میری ماں تو ہمیشہ شہر میں رہی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ کھتی باڑی کا کام اسے آتا ہی نہ تھا وہ ہمیشہ اس معاملے میں اناڑی رہی''۔

''ہاں سچ ہی ہے۔ نیا ملک بوڑھوں پر کبھی کبھار گراں گزرتا ہے'' انا نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''میری دادی اماں یہاں کمزور ہوتی جا رہی ہیں اور ان پر اضطراب کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ اس ملک کو تو وہ فراموش ہی کر چکی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ اب بھی اپنے وطن ناروے ہی میں ہیں۔ میری ماں سے وہ دریا اور مچھلی منڈی کی طرف لے جانے کا تقاضا کرتی رہتی ہیں۔ مچھلی کی تمنا انہیں ہر وقت رہتی ہے۔ جب بھی میں گھر جاتی ہوں' ان کے لئے سامن اور میکریل مچھلی لے جاتی ہوں''۔

MashalBooks.com

''خدایا کس قدر گرم ہے'' لینا نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ وہ ایک چھوٹے سے شاہ بلوط درخت کے نیچے آرام کر رہی تھی اور اونچی ایڑی والے جوتے اس نے اتار رکھے تھے جو وہ ہمیشہ جلدی میں پہن آئی تھی۔ ''ادھر آؤ' جم۔ بالوں سے تم ریت کبھی نکالتے ہی نہیں''۔ آہستہ آہستہ وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

انطونیا نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ ''اس طرح تو کام نہ بنے گا'' اس نے تیزی سے کہا۔ ''اب یہ جوتے لینا تمہیں نہیں پہننے چاہیں۔ تمہارے پاؤں سے یہ بہت چھوٹے ہیں۔ بہتر ہے کہ یولکا کے لئے یہ جوتے تم مجھے دے دو''۔

''ٹھیک ہے'' لینا نے خوش دلی سے کہا۔ سکرٹ کے نیچے وہ اپنی سفید جرابیں اوپر چڑھانے لگی۔ ''یولکا کو ساری چیزیں تو تم سمیٹ لیتی ہو' ٹھیک ہے ناں؟ کاش فارم مشینری کے معاملے میں ابو جان کی قسمت اس قدر خراب نہ ہوتی۔ تب میں اپنی بہنوں کے لئے زیادہ چیزیں خرید سکتی تھی۔ آئندہ خزاں میں میری کے لئے میں ایک نیا کوٹ خریدوں گی۔۔۔ بس یہ ہے کہ اس اکل کھڑے ہل کی قیمت نہ ادا کرنی پڑے۔''

ٹونی نے اس سے پوچھا کہ وہ کرسمس کے بعد تک رک کیوں نہیں جاتی' کیونکہ تب کوٹ سستے ہو جاتے ہیں۔ ''مجھ بدقسمت کے بارے میں سوچتی کیا ہو'' اس نے مزید کہا۔ ''گھر میں چھ بچے ہیں اور سب کے سب مجھ سے چھوٹے۔ وہ سمجھتے یہ ہیں کہ میں امیر ہوں۔۔۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب میں واپس جاتی ہوں تو بہت اچھے کپڑے پہن کر جاتی ہوں۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ ''لیکن تمہیں پتہ ہی ہے کہ کھلونے میری کمزوری ہیں اور مجھے ان کی ضرورت کی چیزوں سے زیادہ ان کے لئے کھلونے خریدنا پسند ہیں''۔

''وجہ اس کی مجھے معلوم ہے'' انا کہنے لگی۔ جب ہم پہلے پہل یہاں آئے تھے اور میں چھوٹی سی تھی' تو ہم لوگ اس قدر غریب تھے کہ کھلونے خرید نہ سکتے تھے۔ وہ گڑیا مجھے اب تک نہیں بھولی جو ناروے سے آنے سے پہلے کسی نے دی تھی۔ کشتی پر ایک لڑکے نے اسے توڑ پھوڑ دیا تھا اور اس لئے میں آج تک اس سے نفرت کرتی ہوں''۔

طنزیہ انداز میں لینا نے جواب دیا۔ ''اور میرا خیال ہے کہ یہاں آنے کے بعد' میری طرح تمہیں بھی بہت سی زندہ گڑیائیں پالنی پڑی ہوں گی''۔

''ہاں ہاں' یہاں تو بچوں کا اضافہ ہی ہوتا گیا۔ جن کی پرواہ میں نے بھی نہیں کی بچے

مجھے اچھے لگتے تھے سب سے چھوٹے بچے، جن کو ہم سے کوئی بھی نہ چاہتا تھا۔ اب وہ ہمیں سب سے پیارے ہیں۔''

لینا نے آہ بھری۔'' بچے تو خیر ٹھیک ہیں۔ بس یہ ہے کہ وہ سردیوں میں پیدا نہ ہوں۔ ہمارے تقریباً سبھی سردیوں میں ہی پیدا ہوئے تھے۔ خدا جانے مائیں یہ کیونکر برداشت کر لیتی ہیں۔ لڑکیو، میں کیا کہہ رہی تھی''۔۔۔۔۔ اچانک پھرتی کے ساتھ وہ بیٹھ گئی۔۔۔'' میں اپنی ماں کو گھاس پھونس کے اس بوسیدہ گھر سے عنقریب نکال کر لاؤں گی جہاں وہ کئی برسوں سے رہ رہی ہے۔ رہے مرد تو انہیں معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ جونی، اور یہ مرے سب سے بڑے بھائی کا نام ہے اسے تو اب بس اپنی شادی کی فکر ہے۔ ماں کے بجائے وہ اپنی دلہن کے لئے گھر بنانا چاہتا ہے۔ مسز تھامس کا کہنا ہے کہ ان کے خیال میں جلد ہی میں کسی اور شہر کو منتقل ہو سکتی ہوں اور وہاں اپنا کاروبار کر سکتی ہوں۔ کاروبار نہ کیا تو پھر شاید میں کسی امیر جواری سے شادی کر لوں گی''۔

'' آگے بڑھنے کا یہ کوئی اچھا طریقہ نہ ہوگا'' انا طنز کے انداز میں کہنے لگی۔'' میری آروز دتو یہ ہے کہ سلمہ کرون کی طرح میں بھی سکول میں پڑھاؤں۔ ذرا سوچو تو، ہائی سکول میں پوزیشن حاصل کرنے والی وہ سکینڈ نیویا کی پہلی لڑکی ہوگی۔ ہمیں اس پر فخر کرنا چاہئے''۔

سلمہ ایک پڑھاکو لڑکی تھی۔ ٹنی اور لینا کی طرح اسے مزے اڑانے کا شوق نہ تھا۔ پھر بھی یہ لڑکیاں اس کا ذکر تعریفی انداز میں کیا کرتی تھیں۔

بے چینی سے ٹہلتے ہوئے ٹنی تنکوں والے ہیٹ سے خود کو پنکھا بھی جھلتی جا رہی تھی۔

'' کاش میں اس جیسی سمارٹ ہوتی۔۔۔ لیکن وہ تو پیدا ہی سمارٹ ہوئی تھی۔۔۔ اور یہ بھی دیکھو کہ اس کے باپ نے تربیت کیسے کی ہے! اپنے پرانے وطن میں وہ کوئی بڑی شے تھا''۔

'' میرا نانا بھی بڑا آدمی تھا''' لینا بڑبڑائی۔'' لیکن اس سے حاصل کیا ہوا! میرا دادا بھی سمارٹ تھا، مگر تھا شتر بے مہارا۔ اس نے ایک لاپ گھر ڈال لی تھی۔ میرے خیال میں یہی مسئلہ ہے میرے ساتھ کہتے ہیں کہ لاپ کا خون رنگ دکھاتا ہے''۔

'' لینا، کیا ایک حقیقی لاپ''، میں نے پوچھا'' اس قسم کی جو کھال اوڑھتی ہیں؟''

'' خدا جانے وہ بی بی کھال اوڑھتی تھی یا نہیں۔ مگر تھی وہ لاپ اور اس کے رشتہ

داروں کو یہ بات پسند نہ آئی تھی۔ میرا دادا سرکاری ملازم تھا اور اس سلسلے میں اسے قطب شمالی کی طرف بھیجا گیا تھا' جہاں وہ اس کی زلف کا اسیر ہوا اور شادی کر لی۔''

''لیکن میرا خیال تھا کہ کاپ لینڈ کی عورتیں موٹی اور بھدی ہوتی ہیں اور چینیوں کی طرح ان کی آنکھیں بھنگی ہوتی ہیں۔'' میں نے نکتہ اٹھایا۔

''شاید یونہی ہو پتہ نہیں مجھے۔ پھر بھی لاپ لڑکیوں میں کوئی نہ کوئی جادو ضرور ہوگا۔ ماں کہتی ہے کہ جاروی لوگوں کو ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ ان کے بیٹے ان لڑکیوں کے پیچھے بھاگیں گے''۔

سہ پہر کو جب گرمی کی شدت کم ہوئی تو ہم ''مانو کونا مانگتی ہے والا دلچسپ کھیل کھیلنے لگے۔ لینا بے چاری کو اتنی بار مانو بننا پڑا کہ تنگ آ کر اس نے کھیلنے سے ہی انکار کر دیا۔ تب ہم تھک ہار کر گھاس پر بیٹھ گئے۔

''جم' انطونیا نے خوابیدہ سے انداز میں کہا۔ ''میں چاہتی ہوں کہ جیسے تم اور چارلی ہارلنگ ذکر کیا کرتے تھے' اس طرح ان لڑکیوں کو بتاؤ کہ ہسپانوی لوگ پہلے پہل کیسے یہاں آئے تھے۔ میں انہیں بتانے کو کوشش کرتی رہی ہوں' لیکن بہت کچھ بھول جاتی ہوں''۔

وہ سب شاہ بلوط کے ایک چھوٹے سے درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ ٹونی نے تنے کے ساتھ ٹیک لگا لی اور باقی لڑکیاں ایک دوسرے کے ساتھ مل کے بیٹھ گئیں اور سات سنہری شہروں کی تلاش کے بارے میں کورونیڈو کی مہم کا تذکرہ سننے لگیں۔ سکول میں ہمیں پڑھایا یہ گیا تھا کہ کورنیڈو شمال میں نیراسکا تک دور نہیں گیا تھا بلکہ کینا س ہی میں کسی جگہ اپنی مہم ترک کر کے واپس چلا گیا تھا۔ تاہم ہارلنگ اور میرا پختہ اعتقاد تھا کہ اس نے ہمارے اس دریا کے ساتھ ساتھ سفر کیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ ہمارے گاؤں کے شمال میں واقع ایک گاؤں کا کسان گھاس کے تودے توڑ رہا تھا تو ایک عمدہ پیتل کی رکاب اور ایک تلوار اس کے ہاتھ لگی۔ تلوار کے پھل پر ہسپانوی زبان میں کچھ کندہ تھا۔ یہ آثار اس کسان نے مسٹر ہارلنگ کو رعایتاً دیئے جو وہی اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ چارلی اور میں نے مل کر انہیں رگڑ کر صاف کیا اور پورے موسم گرما میں ہارلنگ کے دفتر میں ان کی نمائش ہوتی رہی۔ پادری' فادر کیلی نے تلوار پر ہسپانوی مستری کا کان اور قرطبہ کے شہر کا مخفف تلاش کر لیا۔

''میں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھا'' انطونیا نے کامیابی کے احساس کے

ساتھ دخل اندازی کی۔ ''لہذا جم اور چارلی درست ثابت ہوئے اور استاد غلط!''

لڑکیاں حیران ہونے لگیں۔ یہ ہسپانوی اس قدر دور کیوں نکل آئے تھے؟ اس زمانے میں یہ علاقہ کیسا ہوگا؟ کورینڈو ہسپانیہ میں اپنے خزانوں اپنے قلعوں اور اپنے بادشاہ کے پاس واپس کیوں نہ گیا تھا؟ اس سوالوں کا جواب میں نہ دے سکتا تھا۔ مجھے تو بس یہ معلوم تھا کہ سکول کی کتابوں کے مطابق ''وہ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کسی ویرانے میں مر گیا تھا''۔

''کتنا بڑا کارنامہ تھا اس کا'' انطونیا نے اداسی سے کہا اور بڑبڑاہٹ میں لڑکیاں اس کی تائید کرنے لگیں۔

ہم علاقے پر نگاہیں دوڑانے لگے اور سورج کے غروب ہوتے دیکھنے لگے۔ ہمارے گردوپیش کی کھنگریالی گھاس غروب ہوتے ہوئے سورج کی روشنی میں دمک رہی تھی اور شاہ بلوط کے درختوں کی چھال تانبے کی مانند سرخ نظر آ رہی تھی۔ مٹیالے دریا کی سطح پر چمکیلی لہریں نمایاں ہونے لگی تھیں۔ ہوا ساکت ہوگئی تھی۔ ندی کے کنارے ایک فاختہ غمناک لہجے میں پکارنے لگی اور جھاڑیوں میں کہیں ایک الو کی چیخ ابھر ایک دوسرے کا سہارا لئے لڑکیاں بے چینی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ سورج کی لمبی شعاعیں ان کی پیشانیوں کو چوم رہی تھی۔

اچانک ہم نے ایک عجیب شے دیکھی۔ آسمان بالکل صاف تھا اور بادلوں کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ بے ابر آسمان پر سورج غروب ہوتا جا رہا تھا۔ دور افق تک پھیلے ہوئے کھتیوں پر سورج جب ڈوبنے کو تھا تو اس کے پاس منظر میں اچانک ایک بڑی اور سیاہ شے نمایاں ہوئی۔ ہم سب اچھل کر اسے دیکھنے لگے۔ جلد ہی ہم نے اسے پہچان لیا۔ دور کسی کھیت میں ایک ہل پڑا تھا۔ سورج بالکل اس کی پشت پر غروب ہو رہا تھا۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی افقی شعاعوں نے اس کے خدوخال کی نمایاں کر دیا تھا اور وہ بالکل سورج کے سامنے دکھائی دے رہا تھا اور سورج پر بنی ہوئی تصویر کی مانند نظر آ رہا تھا۔

ابھی ہم اس کے بارے میں سرگوشیاں ہی کر رہے تھے کہ سورج نے آخری ہچکی لی اور اس کے ساتھ ہی نظر آنے والی وہ عجیب شے بھی غائب ہوگئی۔ کھیت اندھیرے میں ڈوب گئے تھے۔ آسمان زرد ہو رہا تھا وہ فراموش شدہ ہل گھاس کے میدان میں اپنے اصلی روپ میں آ گیا تھا۔

اگست کے اواخر میں کٹر خاندان چند دنوں کے لئے اوماہا چلا گیا اور گھر کی دیکھ بھال

کی ذمہ داری انطونیا کے سپرد ہوئی۔ جب سے سویڈنی لڑکی کے بارے میں سکینڈل منظر عام پر آیا تھا' وک کٹر نے اپنی بیوی کے اکیلے بلیک ہاک سے نکلنے کا خطرہ مول لینا بند کر دیا تھا۔

کٹروں کی روانگی کے دوسرے روز انطونیا ہم سے ملنے کے لئے آئی۔ دادی اماں نے بھانپ لیا کہ وہ پریشان اور مشکل میں دکھائی دیتی تھی۔ ''انطونیا لگتا ہے کہ تمہارے ذہن پر کوئی بوجھ ہے'' انہوں نے تشویش کے ساتھ پوچھا۔

''ہاں' مسز برڈن۔ کل رات میں ٹھیک طرح سے سو نہیں سکی''۔ پہلے تو ہچکچائی' لیکن پھر اس نے ہمیں بتا ہی دیا کہ جانے سے پہلے مسٹر کٹر کا رویہ کس قدر عجیب وغریب تھا۔ ساری چاندی اس نے ایک ٹوکری میں ڈالی اور اسے اپنی چارپائی نے نیچے چھپا دیا۔ ساتھ ہی اس نے کاغذات کا ایک صندوق بھی رکھا جن کے بارے میں اس کا کہنا تھا کہ یہ بہت قیمتی کاغذات ہیں۔ اس نے انطونیا سے وعدہ لیا کہ اس کی غیر موجودگی میں وہ شام کو دیر سے گھر سے نہ نکلے گی۔ مسٹر کٹر نے اسے اپنی کسی جاننے والی لڑکی کو رات اپنے ساتھ ٹھہرانے سے بھی سختی سے منع کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ انطونیا ہر لحاظ سے محفوظ رہے گی کیونکہ اس نے ایک نیا ژیل تالہ سامنے والے دروازے پر لگا دیا تھا۔

ان تفصیلات کے بارے میں کٹر نے اس قدر اصرار کیا تھا کہ اب انطونیا وہاں تنہا رہنے سے گھبرانے لگی تھی۔ اسے یہ بھی پسند نہ تھا کہ وہ بار بار باورچی خانے میں آ کر اسے ہدایات دے اور نہ ہی اس کے دیکھنے کا انداز اسے اچھا لگا۔ ''مجھے لگتا ہے کہ وہ پھر سے اپنا کوئی داؤ کھیل رہا ہے اور کسی نہ کسی طریقے سے مجھے ڈرانے کو کوشش کر رہا ہے''۔

دادی اماں تو فوراً ہی پریشان ہو گئیں۔ ''میرے خیال میں خدشے کے ساتھ' تمہارا وہاں اکیلئے رہنا ٹھیک نہیں۔ خیر یہ بھی مناسب نہ ہو گا کہ اس گھر کہ تنہا چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ تم وہاں رہنے کا وعدہ کر چکی ہو۔ شاید جم وہاں جانے اور رات کو وہیں سونے پر تیار ہو جائے۔ پھر تم رات کو یہاں آ سکتی ہو۔ مجھے یہ جان کر زیادہ اطمینان ہو گا کہ تم میرے ہاں ہو۔ میرا خیال ہے کہ جم ان کی چاندی اور پرانے سود خوروں کے نوٹوں کی حفاظت ویسے ہی کر سکتا ہے جیسے کہ تم کر سکتی ہو''۔

متمنی نگاہوں سے انطونیا مجھے دیکھنے لگی۔ ''جم تو کیا تم تیار ہو؟ میں اپنا بستر تمہارے لئے بہت عمدہ اور صاف ستھرہ بنا دوں گی۔ کمرہ وہ بہت ٹھنڈا ہے اور بستر کھڑکی کے بالکل

ساتھ۔گزشتہ رات تو مجھے کھڑکی کھلی چھوڑنے سے ڈر آ رہا تھا۔

اپنا کمرہ مجھے پسند تھا اور کٹروں کا گھر تو مجھے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔لیکن انطونیا اس قدر پریشان دکھائی دیتی تھی کہ میں نے اس انتظام کو آزمانے پر حامی بھر لی۔میں کٹروں کے گھر میں جی بھر کر سویا اور صبح کو جب اپنے گھر پہنچا تو انطونیا نے میرے لئے بہت اچھا ناشتہ تیار کر رکھا تھا۔عبادت سے فارغ ہو کر وہ میز پر ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔لگتا تھا کہ جیسے پرانے' بھولے بسرے دن لوٹ آئے ہوں۔

کٹروں کے گھر جب میں تیسری رات سو رہا تھا تو اچانک اس احساس کے ساتھ میری آنکھ کھل گئی کہ میں نے کسی دروازے کو کھلتے اور بند ہوتے سنا ہے۔تاہم وہاں ہر شے ساکت تھی جلد ہی شاید میں دوبارہ سو گیا۔

اس کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چارپائی کے کنارے پر بیٹھا ہو۔غنودگی کی کیفیت طاری تھی۔ پھر بھی طے میں نے یہ کیا کہ آنے والا کوئی بھی ہو' میں اسے کٹروں کی چاندی لے جانے دوں۔اگر میں چپ چاپ لیٹا رہوں تو پھر شاید وہ میرے لئے کوئی مصیبت کھڑی کئے بغیر' چاندی سمیٹ کر چلا جائے گا۔سانس روک کر میں چپ چاپ لیٹا رہا۔ایک ہاتھ آہستہ سے میرے کندھے کی طرف بڑھا اور اسی لمحے مجھے محسوس ہوا جیسے کوئی بالوں والی اور خوشبودار شے میرے چہرے کو مس کر رہی ہے۔کمرہ اگر بجلی سے اچانک روشن ہو جاتا تو بھی میں اس کراہت انگیز باریش صورت کو زیادہ صاف طور پر نہ دیکھ سکتا تھا جو میرے خیال میں میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔گل مچھوں کو پکڑ میں نے کھینچا اور ساتھ ہی کچھ پکارا بھی۔نتیجہ یہ ہوا جو ہاتھ میرے بازو پر تھا' وہ فوراً ہی میری گردن پر آ گیا۔لگتا تھا کہ وہ شخص پاگل ہو گیا ہے۔اس نے بے تحاشا مجھے پیٹنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ گالیاں بکتا جا رہا تھا۔

''اچھا تو میری غیر حاضری میں وہ یہ گل کھلاتی ہے۔کہاں ہے وہ حرام کار؟ کہاں ہے؟ کمینی' کیا تم بستر کے نیچے چھپی ہو؟ مجھے تمہارے لچھنوں کا پتہ ہے۔ابھی تمہاری خبر لیتا ہوں!تمہارے اس الو کے پٹھے کا تو میں کچومر نکال دوں گا۔یہ تو قابو آ گیا ناں!''

کٹر نے جب تک گردن سے پکڑے رکھا' میں بے بس رہا۔لیکن اس کا انگوٹھا میرے قابو آ گیا اور میں نے اسے مڑوڑنا شروع کر دیا۔یہاں تک کہ وہ چیختا ہوا پیچھے کو ہٹا۔میں اٹھا اور دھکا دے کر اسے فرش پر چت کر دیا اور کھڑکی کے راستے باہر کود گیا۔

MashalBooks.com

اچانک میں نے اپنے آپ کو بلیک ہاک کے شمالی کونے میں رات کے لباس میں بھاگتے ہوئے پایا۔۔۔۔ یہ سارا منظر ایسے ہی تھا جیسے کوئی شخص اپنے بارے میں ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہو۔ گھر پہنچ کر میں باورچی خانے کی کھڑکی سے اندر داخل ہوا۔ ناک اور ہونٹ میرے خون میں لت پت تھے' لیکن بے زار اس قدر تھا کہ میں نے پرواہ ہی نہ کی۔ ہیٹ ریک پر سے مجھے ایک چادر اور کوٹ مل گیا' جنہیں لے کر میں دیوان خانے کے صوفے پر لیٹ گیا۔ زخموں کے باوجود نیند نے مجھ پر غلبہ پالیا۔

صبح ہوئی تو دادی اماں نے مجھے وہاں دیکھا۔ خوف سے ان کی چیخ نکل گئی جس نے مجھے بیدار کر دیا۔ زخموں سے میرا برا حال تھا۔ دادی اماں جب مجھے میرے کمرے کی طرف لے جا رہی تھیں تو آئینے میں مجھے اپنی ایک جھلک دکھائی دی۔ میرا ہونٹ کٹ کر تھوتھنی بنا ہوا تھا۔ جب کہ ناک بڑا سا آلو بخارا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک آنکھ سوجی ہوئی تھی اور اس کا رنگ بھی بگڑا ہوا تھا۔ دادی اماں فوراً ہی ڈاکٹر کو بلوانا چاہتی تھیں۔ لیکن میں نے بے حد منت کی کہ وہ ڈاکٹر کو نہ بلائیں۔ اتنی منت سماجت میں نے پہلے کبھی نہ کی تھی۔ میں نے انہیں بتایا کہ جب تک لوگوں کو میرے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کی اطلاع نہ ہو' میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں۔ اس سے میں نے یہ التجا بھی کی کہ دادا جان کو بھی میرے کمرے میں نہ آنے دیں۔ میری حالت اگرچہ خراب ہو رہی تھی اور میں تفصیل سے بات بھی نہ کر سکتا تھا' تاہم لگتا تھا کہ دادی اماں میری بات سمجھ گئی ہیں۔ جب انہوں نے میری نائٹ شرٹ اتاری تو چھاتی اور بازوؤں پر انہیں اس قدر خراشیں اور زخم دکھائی دیئے کہ وہ رونے لگیں۔ صبح کا سارا وقت انہوں نے میرے زخم دھونے اور مرہم پٹی میں صرف کیا۔ دروازے کے باہر سے انطونیا کی سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔ لیکن میں نے دادی اماں سے کہا کہ وہ اسے روانہ کر دیں۔ مجھے یوں لگا جیسے اب دوبارہ کبھی اسے دیکھنا گوارا نہ کروں گا۔ اس سے مجھے اتنی ہی نفرت ہو گئی تھی جتنی کٹر سے۔ وہی میری کراہت کی جڑ تھی۔ دادی اماں لیکن یہی کہتی رہیں کہ ہمیں اس بات پر شکر ادا کرنا چاہئے کہ انطونیا کے بجائے میں وہاں تھا۔ میں اپنا سوجھا ہوا منہ دیوار کی طرف کئے لیٹا رہا اور شکر گزاری کا کوئی احساس میرے دل میں پیدا نہ ہوا۔ پرواہ مجھے صرف اس بات کی تھی کہ دادی اماں کسی کو میرے قریب نہ آنے دیں کیونکہ یہ قصہ اگر ایک بار چل نکلتا تو پھر اس نے کبھی ختم نہ ہونا تھا۔ میں اندازہ کر سکتا تھا کہ ڈرگ سٹور پر اڈہ جمانے والے بڈھے اس سے کیا مطلب

نکالیں گے۔

دادی اماں جب میرا دل بہلانے میں مصروف تھیں تو دادا جان ریلوے سٹیشن کی طرف نکل گئے۔ وہاں انہیں معلوم ہوا کو وک کٹر رات کی ایکسپریس ٹرین سے مشرق کی طرف سے آیا تھا اور صبح چھ بجے والی ٹرین سے ڈینور کو چلا گیا تھا۔ ایجنٹ نے یہ بھی بتایا کہ اس کے منہ پر پٹیاں بندھی تھیں اور بایاں گال پٹی میں لٹکی رہا تھا۔ وہ اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ ایجنٹ نے جب اس سے ماجرا پوچھا تو وہ گالیاں بکنے لگا اور دھمکی دی کہ اس بدتمیزی کی وجہ سے وہ اسے نوکری سے نکلوا دے گا۔

اس سہ پہر کو جب میں سو رہا تھا تو انطونیا اپنا صندوق واپس لانے کے لئے دادی ماں کے ہمراہ کٹروں کے گھر چلی گئی۔ گھر کو تالا لگا ہوا تھا۔ اس لئے انطونیا کے کمرے میں داخل ہونے کے لئے انہیں کھڑکی توڑنی پڑی۔ کمرے میں ہر شے بکھری ہوئی تھی۔ انطونیا کے کپڑے صندوق سے نکال کر کمرے کے درمیان میں پھینکے ہوئے تھے اور انہیں روندا اور پھاڑا بھی گیا تھا۔ میرے اپنے کپڑوں کے ساتھ اس قدر برا سلوک کیا گیا تھا کہ دوبارہ میں نے انہیں کبھی نہ دیکھا۔ دادی اماں نے انہیں کٹروں کے باورچی خانے میں جلا دیا تھا۔

انطونیا جب اپنا صندوق تیار کر رہی تھی اور اپنے کمرے کو درست کر رہی تھی تو باہر کے دروازے کی گھنٹی تیزی سے بجی۔۔۔ مسز کٹر وہاں کھڑی تھی۔ لیکن وہ اندر داخل نہ ہو سکتی تھی' کیونکہ کٹر نے جو نیا تالا لگایا تھا اس کی چابی مسز کٹر کے پاس نہ تھی۔ غصے سے وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ بعد میں دادی اماں نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے مسز کٹر کو خود پر قابو پانے کے لئے کہا تھا ورنہ وہ غش کھا کر گر پڑتی۔

دادی اماں نے اسے انطونیا سے ملنے نہ دیا۔ اس کے بجائے وہ اسے دیوان خانے میں لے گئیں اور رات کا سارا ماجرا سنایا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ انطونیا دہشت زدہ ہو گئی ہے اور اب کچھ عرصے کے لئے گھر جا رہی ہے۔ نیز یہ کہ اس سے پوچھ گچھ بے سود ہو گی' کیونکہ اسے کسی بات کی خبر نہیں۔

اس کے بعد مسز کٹر نے اپنی کہانی سنائی۔ اس واقعہ سے پہلے صبح کو وہ اور اس کا شوہر اکٹھے روما ہا سے گھر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ بلیک ہاک کی ٹرین کے انتظار میں انہیں کئی گھنٹوں تک وے مور کے جنکشن پر رکنا پڑا تھا۔ اس دوران میں کٹر نے اسے سٹیشن پر چھوڑا اور

کسی کام کے لئے وے موبنک چلا گیا۔ واپسی پر اس نے بتایا کہ رات بھر کے لئے اسے یہاں رکنا ہوگا' تاہم وہ اکیلی گھر جاسکتی ہے۔ اس نے بیوی کی ٹکٹ لاکر ٹرین پر بٹھا دیا۔ ساتھ ہی اس نے بیوی کے ہینڈ بیگ میں ٹکٹ رکھتے ہوئے بیس ڈالر کا نوٹ بھی چپکے سے ڈال دیا تھا۔ مسز کٹر کا کہنا تھا کہ اس بات پر ہی اسے چوکنا ہو جانا چاہئے تھا۔۔۔۔ لیکن اس نے پرواہ ہی نہ کی۔

چھوٹے شہروں میں ٹرینوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کی جاتی۔ ٹرینوں کے اوقات کا ہر کسی کو پتہ ہوتا ہے۔ مسٹر کٹر نے کنڈیکٹر کو بیوی کا ٹکٹ دکھایا اور ٹرین چلنے سے پہلے اسے سیٹ پر بٹھایا دیا۔ تقریباً آدھی رات کے وقت اسے پتہ چلا کہ وہ کینساس شہر کو جانے والی ٹرین پر سوار ہے اور یہ کہ اس کا ٹکٹ بھی اسی شہر کے لئے تھا اور یہ کہ اس کا سارا منصوبہ کٹر ہی نے بنایا ہوگا۔ کنڈکٹر نے اسے بتایا کہ وے مور سٹیشن پر کینساس شہر کے لئے ٹرین کی روانگی کے بارہ منٹ بعد بلیک ہاک جانے والی ٹرین آنے والی تھی۔ وہ فوراً ہی سمجھ گئی کہ اس کے شوہر نے اکیلئے ہی بلیک ہاک جانے کی خاطر یہ سارا کھیل رچایا تھا۔ لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کینساس شہر جاتی اور وہاں سے گھر واپسی کے لئے ٹرین پکڑتی۔

ظاہر ہے کہ بیوی سے ایک دن پہلے گھر پہنچنے کے لئے کٹر کسی اور حیلے بہانے سے بھی کام لے سکتا تھا۔ مثلاً اسے اوماہا ہوٹل میں ٹھہرا کر کہہ سکتا تھا کہ وہ چند روز کے لئے شکاگو جا رہا تھا۔ تاہم لگتا ہے کہ بیوی کو اشتعال دلا کر لطف حاصل کرنے کی خاطر اس نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔

مسز برڈن' مسٹر کٹر کو اس کرتوت کی سزا ملے گی۔ ہاں ہاں' تم دیکھ لینا'' غصے میں جل بھن کر مسز کٹر کہہ رہی تھی۔

دادی اماں کا جواب یہ تھا کہ اس بارے میں انہیں کوئی شبہ نہیں۔ بلاشبہ کٹر کو یہ پسند تھا کہ بیوی اسے شیطان خیال کرے۔ اس کی ہسٹریائی فطرت کو اشتعال دلانے میں اسے مزہ آتا تھا۔ غالباً اپنے لفنگا اور اوباش ہونے کا احساس اسے اپنے کسی تجربے کی بجائے بیوی کے اشتعال ہی سے حاصل ہوتا تھا۔ عیاشی کے لئے اس کا ولولہ تو ختم ہوسکتا تھا' لیکن اس میں مسز کٹر کا یقین کبھی نہ ختم ہونے والا تھا۔ ایک احمقانہ آوارگی کے بعد بیوی کے ساتھ مڈبھیڑ پر وہ اس طرح انحصار کرسکتا تھا جس طرح طویل ڈنر کے بعد آخری تیز شراب پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ بیوی کے ساتھ جھگڑے کا مزہ ایسا تھا کہ اس کے بغیر اس کا گزارہ نہ تھا۔

MashalBooks.com

لینا لنگارڈ

خوش قسمتی سے میں یونیورسٹی میں جلد ہی ایک قابل اور متاثر کن سکالر کے زیر اثر آ گیا۔ لاطینی شعبے کے سربراہ کے فرائض سنبھالنے کی خاطر گاسٹن کلرک مجھ سے صرف چند ہفتے پہلے ہی لنولن آیا تھا۔ اٹلی میں ایک طویل بیماری نے اس کی صحت کو سخت نقصان پہنچایا تھا اور وہ اپنے طبیبوں کے مشورہ پر مغرب کی جانب آ نکلا تھا۔ میں نے جب داخلہ کے امتحان دیئے تو وہ میرا ممتحن تھا اور میرے کورس کا اہتمام اس کی نگرانی میں ہوا تھا۔

پہلے موسم گرما کی چھٹیاں آئیں تو میں گھر نہ گیا' بلکہ لنکولن ہی میں رہا۔ یہ وقت میں نے یونانی زبان کے مطالعے میں بسر کیا جو کہ نئی جماعت میں داخلہ کے لئے واحد شرط تھی۔ کلرک کے ڈاکٹر نے اسے نیو انگلینڈ واپس نہ جانے کا مشورہ دیا۔ یوں کولوریڈو میں چند ہفتے گزارنے کے علاوہ وہ گرمیوں کے باقی دن لنکولن ہی میں رہا۔ ہم دونوں ٹینس کھیلتے' پڑھتے اور لمبی سیریں کرتے۔ ذہنی بیداری کے ان ایام کو میں اپنی زندگی کے ایک مسرور ترین زمانے کے طور پر ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ گاسٹن کلرک نے مجھے خیالات کی دنیا سے متعارف کروایا۔ جب کوئی پہلے پہل اس طلسماتی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو باقی سب کچھ دھندلا جاتا ہے۔ لگتا ہے کہ جو کچھ اس سے پہلے تھا وہ گویا فریب نظر تھا۔ پھر بھی میں نے کسی قدر ماضی کو بچا ہی لیا۔ ایام گزشتہ کی بعض صورتیں نئی زندگی میں میری منتظر دکھائی دیں۔

اس زمانے میں طالب علموں میں بہت ایسے سنجیدہ نوجوان موجود تھے جو کم آباد ریاست میں پھیلے ہوئے دیہاتوں اور چھوٹے چھوٹے قصبوں سے آئے تھے۔ ان میں سے بعض سیدھے کھیتوں ہی سے چلے آئے تھے اور ان کے پاس صرف موسم گرما کے اخراجات ہی تھے۔ وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس خوراک کی کمی کا شکار رہتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ چار

سالہ کورس بڑے ایثار و قربانی سے مکمل کرتے تھے۔ ہمارے معلم بھی عجیب و غریب تھے۔ ان میں گھومنے پھرنے والے اساتذہ سے لے کر گریجویٹ مدرسوں سے نئے نئے فارغ ہونے والے جوشیلے نوجوان تک شامل تھے۔ اس نئے کالج کے بارے میں روشن امیدوں توقعات اور جدوجہد کا ایک ماحول سا بن گیا تھا۔ جس نے شمالی امریکہ کے گھاس کے میدانوں میں صرف چند سال پہلے ہی خود کو نمایاں کیا تھا۔

ہماری نجی زندگی ویسے ہی آزاد تھی جیسے کے ہمارے معلمین کی زندگی تھی۔ کالج کی طرف سے رہائش کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ہم جہاں رہ سکتے اور جیسے بھی رہ سکتے ویسے ہی رہتے تھے۔ میں نے ایک عمر رسیدہ جوڑے کے ہاں جگہ تلاش کر لی تھی۔ وہ لوگ لنکولن کے ابتدائی آبادکاروں میں سے تھے۔ بال بچوں کی شادیاں کر دی تھیں اور اب شہر کیکنارے پر کھلی جگہ کے قریب خاموشی سے زندگی کے دن بسر کر رہے تھے۔ محل وقوع کے اعتبار سے یہ گھر طلبہ کے لئے موزوں نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے ایک کمرے کے معاوضے پر دو کمرے مل گئے۔؛ میری خواب گاہ کو گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ یہ کمرہ اس قدر چھوٹا تھا کہ پلنگ بھی مشکل ہی آتا تھا۔ تاہم اس کمرے کی وجہ سے دوسرے کو میں اپنے مطالعہ کا کمرہ بنانے کے قابل ہو گیا۔ ڈریسر اور اخروٹ کی لکڑ کے بنے ہوئے شاندار وارڈ روب کو میں نے کونے میں لگا رکھا تھا۔ میرے لئے تو ان کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ وارڈ روب میں میرے سارے کپڑے، یہاں تک کہ ہیٹ اور جوتے بھی رکھے ہوئے تھے۔ میں سبز سطح والی ایک کشادہ میز پر کام کرتا تھا جو مغربی سمت کی کھڑکی کے عین سامنے رکھی ہوئی تھی۔ اس کھڑکی سے گھاس کے میدان کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ میرے دائیں جانب کے کونے میں میری ساری کتابیں شیلفوں میں رکھی ہوئی تھیں۔ شیلف میں نے خود بنائے تھے اور ان پر رنگ بھی خود ہی کیا تھا۔ میری بائیں جانب خالی دیوار پر پرانے طرز کا وال پیپر لگا ہوا تھا۔ اس پیپر کو قدیم روم کے ایک بڑے سے نقشے نے ڈھانپ رکھا تھا جو کسی جرمن سکالر نے تیار کیا تھا۔ کلرک نے جب کتابیں باہر سے منگوائی تھیں تو میرے لئے اس نقشے کا آرڈر دیا تھا۔ کتابوں کی الماری کے اوپر پومپائی کے ٹریجک تھیٹر کی تصویر آویزاں تھی جو اس نے مجھے اپنے مجموعے میں سے دی تھی۔

کام کے لئے جب میں بیٹھتا تو کسی قدر میرا سامنا ایک پوشش والی کرسی سے ہوتا جو میری میز کے کونے میں رکھی تھی اور جس کی بلند پشت دیوار کے ساتھ لگی تھی۔ بڑی چاہت سے

میں نے اسے خریدا تھا۔ میرا انسٹرکٹر شام کی مٹرگشت کو نکلتا تو کبھی کبھی میری طرف آ نکلتا۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں اسے بیٹھنے کے لئے آرام دہ کرسی بنیڈ کٹائن کی ایک بوتل اور کافی تعداد میں اس کے پسندیدہ سگریٹ مہیا کرتا تو وہ عموماً زیادہ دیر کے لئے ٹھہر جاتا اور باتیں بھی زیادہ کرتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے اخراجات کے معاملے میں وہ کنجوس تھا۔ یہ بات اس کے عمومی کردار سے میل نہ رکھتی تھی۔ بسا اوقات تو خاموش اور غمگین دکھائی دیتا۔ اس عالم میں وہ چند طنزیہ جملے کہہ کر لنکون کی گلیوں کی خاک چھاننے چلا جاتا جو بلیک ہاک کی گلیوں جیسی ہی خاموش تھیں۔ کبھی کبھار وہ آدھی رات تک بیٹھا رہتا۔ لاطینی اور انگریزی شاعری کے بارے میں باتیں کرتا یا پھر اٹلی میں اپنے طویل قیام کے قصے سناتا رہتا۔

اس کی باتوں کے لطف و وضاحت کی میں کوئی مثال نہیں دے سکتا۔ ہجوم میں وہ کم و بیش ہمیشہ ہی خاموش رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی جماعت کے لئے بھی اس کے پاس کوئی رسمی باتیں یا استادانہ واقعات کا کوئی ذخیرہ نہ تھا۔ جب وہ تھکا ہوا ہوتا تو اس کا لیکچر مبہم اور بے مزہ ہوتا۔ البتہ جب وہ دلجمعی سے پڑھاتا تو اس کے لیکچر بہت شاندار ہوتے۔ میرا اندازہ یہ تھا کہ گاسٹون کلیرک کے ایک بڑا شاعر بننے میں بس تھوڑی سی کسر رہ گئی تھی۔ کبھی کبھی مجھے یوں لگتا کہ تخیلاتی گفتگو کی بھرمار نے اس کی شاعرانہ صلاحیت کو شدید ضعف پہنچایا تھا۔ نجی ابلاغ کی حدت میں وہ بہت کچھ ضائع کر دیتا تھا۔ بارہا میں نے اس کیفیت میں دیکھا کہ وہ اپنی گہری تیوریاں سمیٹتا دیوار پر کسی شے یا قالین کی کسی صورت پر اپنی نظریں گاڑھتا اور پھر جو کچھ اس کے دماغ میں ہوتا اسے لیمپ کی روشنی میں دیکھنے لگتا۔ وہ قدیم زندگی کے ڈرامے کو سایوں میں سے نکال کر ہمارے روبرو لا سکتا تھا۔ میں کبھی اس کا چہرہ بھلا نہ سکوں گا جیسا کہ وہ ایک رات اس وقت دکھائی دے رہا تھا جب وہ مجھے ہسپٹیم کے مقام پر سمندری معبدوں کے درمیان بسر ہونے والے ایک تنہائی زدہ دن کے بارے میں بتا رہا تھا۔ بے چھت ستونوں کے درمیان سبک رفتار ہوا چل رہی تھی اور دلدلی گھاس کے اوپر پرندے بجلی پرواز کر رہے تھے۔ نقری پہاڑیوں پر روشنی کے زیر و بم پھیلتے جا رہے تھے۔ گرما کی مختصر شب کے لئے وہ جان بوجھ کر وہاں رک گیا تھا۔ کوٹ اور نمدے میں خود کو لپیٹے وہ ستاروں کے جھرمٹ پر نظریں جمائے رہا' یہاں تک کہ سمندر سے کہن سالہ ٹھٹونس کی دلہن برآمد ہوئی اور صبح کے اجالے میں پہاڑیاں نظر آنے لگیں۔ یہی موقع تھا کہ جب وہ اس بخار کے شکنجے میں آ گیا جس نے اسے یونان روانہ

ہونے کے موقع پر روکے رکھا اور جس کی وجہ سے وہ نیپلز میں طویل عرصے تک بستر علالت پر رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ابھی تک اس کا کفارہ ادا کر ہرا تھا۔

ایک اور شام بھی مجھے خوب یاد ہے جب کسی شے نے ہمیں ورجل کے لئے دانتے کے احترام پر گفتگو پر اکسایا تھا۔ کلیرک دانتے کی ''کامیڈی'' کے طویل اجزا یکے بعد دیگرے سناتا رہا اور دانتے اور اس کے ''پیارے گورو'' کے مقابلے کو دہراتا رہا۔ اس دوران سگریٹ انجانے میں اس کی انگلیوں کے درمیان جلتے جلتے راکھ ہو گیا۔ اب بھی میں اسے شاعر سٹیٹیس کے شعر سناتے ہوئے سن سکتا ہوں جو دانتے کے لئے گویا ہوا تھا ''میں ایک ایسے نام کے ساتھ زمین پر مشہور تھا جو طویل ترین عرصے تک سب سے زیادہ احترام کے ساتھ باقی رہا میری گرم جوشی کے بیج اس خدائی شعلے کے شرار جس کے ذریعے ہزاروں شمعیں روشن ہوئی ہیں۔ میں ''اینیڈ'' کا ذکر کرتا ہوں جو شاعری میں میری ماں اور میری دایہ تھی۔''

کلیرک کے علم و فضل کا تو میں مداح تھا' لیکن اپنے بارے میں مجھے کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ میں جانتا تھا کہ مجھے کبھی بھی عالم فاضل نہیں بننا چاہئے۔ میں خود کو لاشخصی چیزوں میں زیادہ عرصے تک گم نہ کر سکتا تھا۔ ذہنی شوق مجھے میری اپنی دھرتی اور اس پر رہنے سہنے والوں کی طرف متوجہ کرتا تھا۔ جب میں نئی سورتوں کی آرزو کے عمل میں تھا' جن سے کلیرک نے مجھے روشناس کرایا تھا' تو میرے ذہن کی دنیا اچانک مجھ سے بچھڑ جاتی اور میں اپنے آپ کو اپنے چھوٹے سے ماضی سے متعلقہ لوگوں اور جگہوں کے بارے میں خیالوں میں گم پاتا۔ سورج کے پس منظر میں ہل کی طرح وہ اب زیادہ توانا اور سادہ تر دکھائی دیتے۔ میری یادوں کی دنیا میں جیک' اوٹو اور روسی پیٹر نے جو جگہ گھیر رکھی تھی' مجھے اس پر تلملاہٹ ہوتی' کیونکہ یہ جگہ میں دوسری چیزوں کو دینا چاہتا تھا' لیکن جب کبھی میرا شعور متحرک ہوتا یہ سارے پرانے دوست بھی اس میں متحرک ہو جاتے اور ایک عجب سے انداز سے وہ میرے نئے تجربوں میں سے میرے ساتھ گزرتے۔ میرے اندر وہ اس قدر زندہ تھے کہ حیرانگی کے ساتھ میں سوچا کرتا تھا کہ آیا وہ کسی اور جگہ بھی زندہ ہیں۔۔۔۔ اور کیسے زندہ ہیں؟

(2)

سال اول کے دوران مارچ کی ایک شام کو کھانے کے بعد میں اپنے کمرے میں

اکیلا بیٹھا تھا۔ یہ ایک گرم دن تھا جہاں کہیں گزشتہ موسم سرما کی بچی کھچی برف رہ گئی تھی، وہ پگھل رہی تھی اور اس سے آنے والے ہوا کے جھونکوں نے مجھ پر کاہلی سی طاری کر دی تھی۔ گھاس کے میدان کے کنارے پر، جہاں سورج غروب ہوا تھا، آسمان فیروزی مائل نیلا سا تھا۔۔۔ جیسے کوئی جھیل ہو جس میں سنہری روشنیاں جھلملا رہی ہوں۔ دوسری طرف مغربی ڈھلوان کی واضح صفائی میں، شام کا ستارہ نقری زنجیروں سے بندھے چراغ کی مانند لٹک رہا تھا۔۔۔ اس چراغ جیا جو قدیم لاطینی کتابوں کے سرورق پر کندہ کیا جاتا ہے، جو ہمیشہ نئے آسمان میں ظاہر ہوتا ہے اور انسانوں میں نت نئی امنگوں اور خواہشوں کو بیدار کرتا ہے۔ بہرطور اس نے مجھے کھڑکی بند کر کے اپنا چراغ روشن کرنے کی یاد دلائی۔ بوجھل دل کے ساتھ میں نے یہ کام کیا۔ کمرے میں چراغ روشن ہونے کے ساتھ ہی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی چیزیں نمایاں ہو گئیں۔

کتاب کھول کر میں نے ''جیور جکس'' والے صفحے سے بے چینی کے ساتھ پڑھنا شروع کی۔ کل سبق اسی صفحے سے شروع ہوتا تھا۔ یہ صفحہ اس اداس کر دینے والے سبق کے ساتھ شروع ہوتا تھا۔ کہ انسانوں کی زندگی کے بہترین دن پلک جھپکتے ہی بیت جاتے ہیں۔

میں نے کتاب سوم کے آغاز سے پڑھنا شروع کیا جس کا مطالعہ ہم نے اسی صبح کلاس میں کیا تھا۔ ''اگر میں زندہ رہا تو پہلا شخص ہوں گا جو شاعری کی دیوی کو اپنے وطن میں لائے گا۔'' کلیرک نے ہمیں بتایا تھا کہ یہاں ''وطن'' کا مطلب ملک بلکہ صوبہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد نیسکو کی ایک چھوٹی سی دیہی بستی ہے جس میں شاعر پیدا ہوا تھا۔ یہ کوہ کن ترانی یا ڈینگ بھی نہیں، بس ایک امید، ایک امنگ ہے جو بیک وقت جرات مندانہ ہے اور بیحد عاجزانہ بھی۔۔۔ کہ وہ شاعری کی دیوی کو (جو اپنے ابر آلود یونانی پہاڑوں سے اطالیہ کی طرف نکل گئی تھی (روم کے دارالسلطنت کے بجائے اپنے چھوٹے سے وطن میں اپنے باپ کے کھیتوں میں لائے گا۔۔۔ کھیت جو دریا اور ٹوٹی ہوئی چوٹیوں والے ساحلی درختوں تک ڈھلوانی صورت میں چلے گئے تھے۔

کلیرک نے بتایا کہ اس کے خیال میں ورجل جب برنڈسی کے مقام پر زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا تو اسے یہ عبارت ضرور یاد آئی ہو گی۔ جب وہ اس تلخ حقیقت کا گھونٹ پی چکا کہ اس کی ''اینیڈ'' کو نامکمل حالت میں چھوڑنا تھا اور جب وہ اپنا یہ فیصلہ سنا چکا تھا کہ عظیم کینوس کو، جو انسانوں اور دیوتاؤں کی صورتوں سے لدا پھندا تھا، اس کے بعد نامکمل

چھوڑنے کے بجائے جلا کر راکھ کر دیا جائے' تو اس کا ذہن لازماً جیور جکس کی کاہل تقریر کی طرف گیا ہوگا۔ اور ایک نیک انسان کی منونیت کے احساس کے ساتھ اس نے ضرور اپنے آپ سے یہ کہا ہوگا کہ ''ہاں میں وہ پہلا شخص تھا جو شاعری کی دیوی کو اپنے وطن لایا تھا۔''

خاموشی سے ہم لوگ کلاس روم سے اس احساس کے ساتھ نکل آئے کہ ایک عظیم جذبے نے ہماری روح کو چھو لیا تھا۔ ویسے میں غالباً اکیلا ہی تھا جو کلیرک کو اس قدر نزدیک سے جانتا تھا کہ اس جذبے کا اندازہ ہو سکے۔ شام کو جب میں اپنی کتاب دیکھ رہا تھا تو اس کی آواز کی گرم جوشی مجھے صفحے پر رقصاں محسوس ہوتی تھی۔ تعجب کے ساتھ میں سوچ رہا تھا کہ آیا نیو انگلینڈ کے ساحل کی وہ خالص پتھریلی پٹی' جس کا وہ میرے ساتھ اکثر ذکر کیا کرتا تھا' کلیرک کا وطن تھا۔ مطالعہ ابھی میں نے زیادہ نہ کیا تھا کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے رکاوٹ پیدا کر دی۔ جلدی سے میں نے دروازہ کھولا تو اندھیرے ہال میں مجھے ایک عورت کھڑی دکھائی دی۔

''جم' میرے خیال میں تم مجھے مشکل ہی سے جانتے ہو۔''

آواز جانی پہچانی لگتی تھی' لیکن جب تک وہ میری دہلیز کی روشنی میں نہ آئی' میں اسے پہچان نہ سکا۔۔۔ میں حیران رہ گیا۔۔۔۔ وہ لینا لنگارڈ تھی! شہری کپڑوں میں وہ اس قدر بدل چکی تھی کہ اگر سرراہ مڈبھیڑ ہوتی تو میں اسے دیکھے بغیر گزر گیا ہوتا۔ اس کا سیاہ لباس اس کے خدوخال سے خوب مناسبت رکھتا تھا۔ ساتھ ہی اس نے پیلی پٹیوں والا سیاہ ہیٹ بھی اوڑھ رکھا تھا۔

میں اسے کلیرک کی کرسی کی طرف لے گیا۔۔۔ اور بس یہی آرام دہ کرسی میرے پاس تھی۔۔۔ پھر گھبراہٹ کے عالم میں اس سے سوال کرنے لگا۔

میری گھبراہٹ سے وہ بدحواس نہ ہوئی۔ اس سادہ لوح تجسس کے ساتھ اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا' جو آج بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ''یہاں تم بڑے آرام سے ہو' ٹھیک ہے نا؟ جم' میں بھی اب لنکن میں رہتی ہوں۔ اپنا کاروبار کر رہی ہوں۔ اور سٹریٹ پر میری لباس سازی کی دکان ہے۔ بھئی بہت اچھا آغاز کیا ہے میں نے۔''

''لینا مگر تم آئیں کب؟''

''ارے' میں تو ساری سردیاں یہاں رہی ہوں۔ کیا دادی اماں نے تمہیں لکھا تھا؟ کئی بار تم سے ملنے کا خیال آیا' لیکن یہ چرچے تو ہم نے سن ہی رکھے تھے کہ تمہیں کس قدر محنتی بننا

ہوگا۔ پھر مجھے شرم بھی تو آتی تھی۔معلوم نہ تھا کہ مجھے دیکھ کرتم خوش بھی ہوگے یا نہیں'' وہ اپنی رسیلی سی ہنسی ہنس دی۔۔۔کوئی کبھی نہیں جان سکتا کہ آیا وہ بے ساختہ ہنسی تھی یا اس کے پیچھے کوئی گہرائی تھی۔''تم ویسے ہی دکھائی دیتے ہو۔۔۔بس یہ ہے کہ اب تم جوان ہو۔کیا خیال ہے' میں بدل گئی ہوں؟''

شاید خوبصورت زیادہ ہوگئی ہو۔۔۔ویسے تم ہمیشہ ہی خوبصورت تھیں۔غالباً اس لباس نے تمہیں نکھارا ہے۔''

''اچھا تو تمہیں یہ کپڑے پسند آئے؟ اپنے کاروبار میں مجھے دلکش لباس پہننا پڑتا ہے۔''

اس نے جیکٹ اتاری اور نرم و نازک سلک سے بنے ہوئے اپنے بلاؤز میں زیادہ آرام کے ساتھ بیٹھ گئی۔یہاں میرے کمرے میں وہ پہلے ہی بے تکلف تھی۔بلا جھجک یوں اندر آ گئی تھی جیسے وہ ہر جگہ جاتی تھی۔اس نے مجھے بتایا کہ اس کا کاروبار ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا اور یہ کہ اس نے تھوڑی بہت رقم جمع کر لی تھی۔

''ان گرمیوں میں ماں کے لئے میں گھر بنواؤں گی جس کا میں بہت چرچا کرتی رہی ہوں۔میں چاہتی ہوں کہ زیادہ بوڑھا ہونے سے پہلے ماں اس گھر سے لطف اندوز ہو لے۔ اگلی گرمیوں میں میں اس کے لئے نیا فرنیچر اور قالین خریدوں گی۔یوں ساری سردیوں میں اسے آس سی لگی رہے گی۔''

لینا کو آرام و آرائش سے وہاں بیٹھا دیکھ کر مجھے وہ دن یاد آئے جب وہ ننگے پاؤں گھاس کے میدانوں پر بھاگا کرتی تھی اور پاگل میری کھیتوں میں اس کا پیچھا کیا کرتی تھی۔ مجھے یہ بات شاندار لگی کہ کیسے لینا نے زندگی میں اپنا مقام بنا لیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ کامیابی صرف اس کی اپنی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

''لینا تمہیں اپنے پر ناز ہونا چاہئے'' میں نے خوش دلی سے کہا۔''مجھے دیکھو۔زندگی میں ایک ڈالر بھی نہیں کمایا اور پتہ نہیں کبھی اس قابل ہو بھی سکوں گا یا نہیں۔''

''ٹونی کا کہنا ہے کہ ایک روز تم مسٹر ہارلنگ سے بھی زیادہ امیر ہو جاؤ گے۔پتہ ہے وہ ہر وقت تمہارے متعلق شیخیاں بگھارتی رہتی ہے۔''

''یہ بتاؤ ٹونی ہے کیسی؟''

MashalBooks.com

''ٹھیک ٹھاک ہے۔ اب وہ ہوٹل پر مسز گارڈنز کے لئے کام کرتی ہے۔ وہاں ہاؤس کیپر ہے۔ مسز گارڈنز کی صحت پہلے جیسی نہیں رہی اور نہ ہی وہ پہلے کی طرح ہر شے کی دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ ٹونی پر اسے بڑا اعتماد ہے۔ ہارلنگوں کے ساتھ بھی ٹونی کی صلح ہوگئی ہے۔ اصل میں ننھی نینا ٹونی کی اس قدر دیوانی ہے کہ مسز ہارلنگ جیسی عورت کو بھی ہار ماننا پڑی۔''

کیا وہ لیری ڈونوون کے ساتھ اب بھی جاتی ہے؟''

''ہاں' بلکہ معاملہ پہلے سے بھی بڑھ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی منگنی ہوگئی ہے۔ ٹونی تو اس کا ذکر یوں کرتی ہے جیسے وہ ریل روڈ کا لاٹ صاحب ہو۔ ہر کوئی اس بات پر ہنستا ہے' کیونکہ وہ رام ہونے والی لڑکی نہ تھی۔ ایک لفظ تک نہیں سنتی وہ اس کے خلاف۔ ایسی معصوم قسم کی چیز ہے۔''

''میں نے اسے بتایا کہ لیری مجھے پسند نہیں اور نہ ہی کبھی ہوگا۔''

لینا کے چہرے پر ہلکی سی لہر پیدا ہوئی۔ ''ہم میں سے بعض اسے باتیں بتا سکتے تھے' لیکن اس کا فائدہ کوئی نہیں۔ وہ تو بس اسی کی سنتی ہے۔ انطونیا کی یہی کمزوری ہے۔ جن لوگوں کو وہ اچھا سمجھتی ہے' ان کے خلاف کوئی بات نہیں سنتی۔''

''میرے خیال تھا کہ تم ایسا کر چکے ہو گے'' لینا نے بے تکلف خوش دلی کے ساتھ مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ اچھی بات ہے کہ ہارلنگ خاندان کا رویہ اس کے بارے میں پھر سے دوستانہ ہے۔ لیری ان سے ڈرتا ہے۔ ہارلنگ لوگ اس قدر غلہ ارسال کرتے ہیں کہ ریلوے کے لوگوں پر ان کے اثر و رسوخ بن چکا ہے۔ خیر' تم پڑھ کیا رہے ہو'' اپنی پلکیں میز پر جھکاتے ہوئے اس نے میری کتاب اپنی طرف کھینچ لی۔ بنفشے کی مجھے ہلکی سی خوشبو آئی۔ اچھا تو یہ لاطینی ہے' ٹھیک ہے نا؟ بڑی مشکل لگی ہے۔ کبھی کبھار تم تھیٹر بھی جاتے ہو' میں نے تمہیں وہاں دیکھا تھا۔ جم تم تو اچھے ڈرامے کے شوقین ہو۔ قصبے میں اگر کوئی اچھا ڈرامہ پیش کیا جا رہا ہو تو پھر میں شام کو گھر میں نہیں رہ سکتی۔ تھیٹروں والی جگہ رہنے کے لئے تو میں غلاموں کی طرح محنت کرنے پر بھی تیار ہوں۔''

''یہ بات ہے تو ہم دونوں ساتھ ساتھ ڈرامہ دیکھنے جائیں گے۔ مجھے یہ اجازت ہے ناں کہ تمہیں ملنے کے لئے آ جایا کروں؟''

''تم آنا چاہو گے؟ مجھے تو بہت خوشی ہوگی۔ چھ بجے کے بعد مجھے کوئی کام نہیں ہوتا۔

ساڑھے پانچ بجے میں سلائی کرنے والی لڑکیوں کو فارغ کر دیتی ہوں۔ وقت بچانے کے لئے کھانا کھاتی ہوں۔ ہاں کبھی کبھی اپنے لئے پکانے سے مجھے خوشی ہوگی۔ اچھا۔۔۔'' اس نے اپنے سفید دستانے پہننے شروع کر دیئے تھے۔ ''جم' تم سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی ہے۔''

''جلدی کی کیا بات ہے۔ کوئی کام ہے کیا۔ ابھی تو تم نے کوئی بات بھی نہیں کی۔''

''جب تم ملنے آؤ گے تو ہم ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ میرے خیال میں یہاں تمہارے پاس مہمان عورتیں کم ہی آتی ہیں۔ نیچے جو بڑھیا ہے' وہ مجھے اوپر آنے نہیں دے رہی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں تمہارے شہر سے آئی ہوں اور یہ کہ میں نے تمہاری دادی اماں سے تم سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا حیرانی ہوگی مسز برڈن کو!'' اٹھتے ہوئے لینا ہولے سے بولی۔

میں نے ہیٹ اٹھایا تو لینا نے سر ہلایا۔ ''نہیں' میں نہیں چاہتی کہ تم میرے ساتھ جاؤ۔ ڈرگ سٹور پر میں نے چند سویڈش خاتونوں سے ملنا ہے۔ تمہیں ان کی پرواہ نہ ہوگی۔ میں تو بس تمہارا کمرہ دیکھنے چلی آئی تھی تاکہ ٹونی کو اس کے بارے میں لکھ سکوں' لیکن مجھے اسے یہ بھی بتانا چاہئے کہ کیسے میں نے تمہیں کتابوں کے درمیان یہیں الوداع کہا تھا۔ اسے تو بس یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی تمہیں لے بھاگے گا۔'' لینا نے جیکٹ پہنی جو میں نے تھام لی تھی اور آہستہ سے بٹن بند کرنے لگی۔ دروازے تک میں اسے چھوڑنے گیا۔ ''تنہائی جب ستائے تو ملنے کو چلے آنا لیکن شاید تمہارے من چاہے دوست سبھی یہاں ہیں' کیا واقعی؟'' اپنا پھول جیسا رخسار نے اس نے میری طرف کر دیا۔ ''ہیں نا؟'' چھیڑنے کے انداز میں اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ پھر پل بھر میں وہ سڑھیوں سے غائب ہوگئی۔

کمرے میں میں واپس آیا تو یہ جگہ پہلے سے کہیں زیادہ خوشگوار محسوس ہونے لگی۔ لیمپ کی روشنی میں لینا کوئی محبت بھری شے چھوڑ گئی تھی۔ اسے دوبارہ ہنستے ہوئے سننے کی مجھے کتنی چاہ تھی؟ کیسی نرم' پرسکون اور چاہت بھری ہنسی تھی۔۔۔۔ جو ہر شے کو ایک خوشگوار رنگ عطا کر دیتی تھی۔ جب آنکھیں بند کرتا تو ان سب کو۔۔۔۔۔ لانڈری پر کام کرنے والی ڈنمارکی دوشیزاؤں اور تین بوہیمین میری نام والی لڑکیوں کو۔۔۔۔۔ ہنستے ہوئے سن سکتا تھا۔ لینا ان سب کی یادیں میرے پاس لے آئی تھی۔ ان جیسی دوشیزاؤں اور ورجل کی شاعری کا ناطہ پہلے کبھی مجھ پر یوں وارد نہ ہوا تھا۔ دنیا میں اگر ایسی کومل لڑکیاں نہ ہوتیں' تو شاعری بھی نہ ہوتی۔ پہلی بار یہ حقیقت مجھ پر واضح طور پر آشکار ہوئی۔ یہ انکشاف مجھے بے حد گراں قدر لگا اور میں

نے اسے یوں سمیٹ لیا جیسے وہ اچانک غائب ہو جائے گی۔

آخر کار جب میں دوبارہ کتاب لے کر بیٹھا تو لینا کے بارے میں میرا پرانا خواب حقیقی محسوس ہونے لگا جس میں وہ مختصر سکرٹ پہنے کھیتوں میں گزرتی نظر آتی تھی۔ تصویر کی مانند یہ خواب میرے روبرو کتاب کے صفحے پر ناچنے لگا۔۔۔ اور اس کے نیچے افسردہ کرنے والی سطر تھی: بہترین ایام سب سے پہلے ختم ہوتے ہیں۔

(3)

لنکن میں تھیٹر کی رت کا بہترین حصہ دیر سے شروع ہوا۔۔۔ اور وہ بھی اس وقت جب نیویارک اور شکاگو میں بہت سارا وقت گزارنے کے بعد اچھی کمپنیوں نے وہاں ایک رات کے لئے پڑاؤ کیا۔ اس موسم بہار میں لینا میرے ساتھ ''رپ وان ونکل'' نامی کھیل میں جوزف جیفرسن کو دیکھنے اور ایک جنگ کے متعلق ڈرامہ ''شینان دودھ'' دیکھنے گئی۔ وہ اپنا ٹکٹ خود خریدنے پر اصرار کرتی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ کاروبار کر رہی ہے اور اسے یہ پسند نہیں کہ کوئی سکول بوائے اپنے پیسے اس پر خرچ کرے۔ لینا کے ساتھ ڈرامہ دیکھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ ہر شے اس کے لئے تعجب انگیز تھی اور سچی بھی۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے کسی ہر لمحہ تبدیل ہونے والے شخص کے ساتھ احیائی مجلسوں میں جانا۔ تقدیر پرست قسم کی سپردگی کے ساتھ وہ اپنے جذبے اپنے احساسات اداکاروں سے منسوب کر دیتی تھی۔ منظر اور کاسٹیوم کے معاونین میرے مقابلے میں اسے زیادہ متاثر کرتے تھے۔ ''رابن ہڈ'' دیکھتے ہوئے تو وہ مدہوش سی ہو گئی تھی۔ مدھم سروں میں گیت ''او۔۔۔ وعدہ کرو میرے ساتھ'' گانے والی عورت نے اسے بے خود کر دیا تھا۔

اپریل کے اواخر میں اشتہار لگانے والے تختوں پر، جن کا میں ان دنوں بغور جائزہ لیا کرتا تھا، ایک صبح چمک دار سفید اشتہار چسپاں تھا۔ ان اشتہاروں میں نیلے گوتھک حروف میں دو نام نمایاں طور پر چھپے ہوئے تھے۔ ایک نام ایسی اداکارہ کا تھا جس کا میں نے بہت چرچا سن رکھا تھا اور دوسرا نام تھا۔۔۔ ''کمیل۔''

ہفتے کی شام کو میں لینا کو لینے ریلے بلاک گیا اور پھر ہم دونوں پیدل تھیٹر کی طرف روانہ ہوئے۔ موسم گرما اور حبس والا تھا اور اس نے ہم دونوں میں چھٹی والی موج پیدا کر دی۔ ہم وقت سے پہلے وہاں پہنچ گئے کیونکہ لینا کو لوگوں کو آتے دیکھنا پسند تھا۔ پروگرام کے ساتھ

ایک نوٹ میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ ''ضمنی موسیقی'' اوپرا ''تراویاتا'' سے لی گئی ہے۔ جس کی تشکیل بھی اس کہانی سے ہوئی تھی جس پر یہ ڈرامہ مبنی ہے۔ ہم دونوں میں سے کسی نے بھی یہ ڈرامہ نہیں پڑھا تھا۔ اس لئے ہمیں معلوم نہ تھا کہ اس کا موضوع کیا ہے۔۔۔ البتہ مجھے دھندلا سا یاد تھا میں نے کبھی سنا تھا کہ اس کھیل میں بڑی بڑی اداکارائیں حصہ لیتی ہیں۔ اس سرما میں میں نے جیمز او' نیل کا کھیل ''دی کاؤنٹ آف مونٹی کرسٹو'' دیکھا تھا الیگزنڈر ڈوما کی طرف سے تھا۔ یہ کھیل اس کے بیٹے نے پیش کیا تھا اور میں خاندانی مشابہت کی توقع کر رہا تھا۔ لیکن وہاں کچھ اور ہی ہونے والا تھا۔

پردہ اٹھتے ہی ہمارا ولولہ بڑھنے لگا جب ہم نے آگ کے پاس بیٹھے ہوئے وارویل کو دیکھا جو نینین سے سوال جواب کر رہا تھا۔ ان دونوں کے مکالمے میں بلاشبہ ایک نئی بات تھی۔ قبل ازیں میں نے تھیٹر میں زندگی سے اس قدر بھرپور جملے کبھی نہ سنے تھے۔ سٹیج پر نینین کے دوستوں کی آمد سے پہلے کا مکالمہ واقعی یادگار تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایسا چنچل منظر ابھرا کہ جیسا کبھی نظر میں نہ آیا تھا۔ اس سے پہلے میں نے سٹیج پر شیمپین کو بوتلیں کبھی کھلتے نہ دیکھی تھیں۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی اور جگہ بھی یہ نہ دیکھی تھیں۔ اس شام کے کھانے کی یاد آج بھی میری بھوک کو چمکا دیتی ہے۔۔۔ جب کہ ان ایام میں وہ منظر۔۔۔ جب کہ کھانے کو میرے پاس صرف طالب علم کو بورڈنگ ہاؤس کا کھانا ہوا کرتا تھا۔۔۔ تھوڑا سا تکلیف دہ تھا۔ شاندار کرسیاں اور میزیں (جن کو سفید دستانے اور جرابیں پہننے والے ملازمین نے جلدی جلدی ترتیب دیا تھا) دودھیا سفید چادریں' چمکتے ہوئے گلاس' نقرئی برتن' بہت سا پھل اور سرخ گلاب اب مجھے کچھ یاد سے آتے ہیں۔ خوبصورت عورتیں اور البیلے نوجوان کمرے میں اکٹھے ہنستے باتیں کرتے گھس آئے تھے۔ مردوں نے زیادہ تر اس زمانے کا لباس زیب تن کر رکھا تھا جس میں یہ ڈرامہ لکھا گیا تھا۔ البتہ عورتوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ پھر بھی مجھے کسی تضاد کا احساس نہ ہوا۔ ان کی گفتگو سننے والے کو اس شاندار دنیا میں لے جاتی محسوس ہوتی تھی جس کے وہ باسی تھے۔ ہر جملہ بزرگی اور دانائی بڑھاتا تھا۔۔۔ ہر بذلہ سنجی دائرہ نگاہ کو پھیلاتی تھی۔ ڈرامے کے کردار جب ایک ساتھ ہی بولنے لگتے تو ان کے بعض جملے گرفت میں نہ آتے تھے۔ یوں مجھے افسوس سا ہوتا تھا۔ ہر لفظ کو' ہر جملے کو سننے کے لئے میں اپنی آنکھوں اور کانوں پر زور ڈال رہا تھا۔

مارگریٹ کا کردار ادا کرنے والی اداگارہ اس زمانے میں بھی پرانے طرز کی تھی۔ وہ

ڈالی کی مشہور نیویارک کمپنی کی رکن رہ چکی تھی اور بعد ازاں اس کی زیر ہدایت ''سٹار'' کی حیثیت حاصل کر چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایسی عورت تھی جس کو سکھانا محال تھا۔ تاہم وہ ایک ناپختہ اور خام فطری قوت کی مالک تھی جو ان لوگوں پر چھا جاتی جن کے جذبے قابل باریابی ہوتے اور جن کے مزاج لطیف و نازک نہ ہوتے۔ پہلے ہی وہ بوڑھی ہو رہی تھی۔ حرکت کرنا اس کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔۔۔ میرا خیال ہے کہ پاؤں میں اس کے کوئی خرابی تھی۔۔۔ شاید میں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی کے کسی روگ کا قصہ بھی کبھی سنا تھا۔ اس کے مقابل کردار ادا کرنے والا اداکار نوجوان اور پھرتیلا تھا اور وہ حیران و پریشان بھی دکھائی دیتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے حسن و جمال کے ذریعے اس نوجوان کا دل موہ لینے پر قادر تھی۔ میرے دل میں خواہش ہوئی کہ فٹ لائٹس عبور کر کے آگے بڑھوں اور اس کو یہ جتلانے میں نوجوان کی مدد کروں کہ دنیا میں ابھی تک وفا اور خلوص موجود ہیں۔ دل لگی سے عروج پر اس کی اچانک بیماری' بیماری سے پیدا ہونے والی زردی' ہونٹوں سے رگڑنے والے رومال اور گاسٹن کے پیانو بجانے کے دوران ہنسی میں چھپائی جانے والی کھانسی نے مجھے رنجیدہ کر دیا۔ تاہم بعد میں اپنے محبوب کے ساتھ طویل مکالمے میں اس نے جس ترش روئی کا مظاہرہ کیا اس نے میرے دل کو زیادہ ہی ٹھیس لگائی۔ اس کی بے یقینی پر شبہ کرنے سے میں کس قدر دور تھا! آرکسٹرا کے آہنگ میں نوجوان جب اسے اپنی وفاؤں کا یقین دلا رہا تھا تو بھی وہ اپنے تلخ شکوک سے دستبردار نہ ہوئی۔ پردہ گرنے سے پہلے آخری منظر یہ تھا کہ نوجوان کو اس کے پھولوں سمیت رخصت کر دیا گیا تھا اور وہ دوسروں کے ساتھ مل کے بے نیازی سے ناچ رہی تھی۔

ڈرامے کے ایکٹوں کے درمیان فراموشی کے لئے کوئی لمحہ نہ تھا۔ آرکسٹرا اپنی طربیہ اور اداس کن دھنوں کے ساتھ جاری رہا تھا۔ دوسرے ایکٹ کے بعد میں لینا کو ڈرامے کے انجام کے بارے میں آنسو بھری آنکھوں سے سوچتا چھوڑ کر لابی میں تمبا کو نوشی کے لئے چلا گیا۔ وہاں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے میں نے اپنے آپ کو اس بات پر مبارک باد دی کہ میں کسی لنکن لڑکی کو ساتھ نہیں لایا تھا جو وقفوں کے دوران فضول باتوں سے میرا سر کھا جاتی۔ لینا بہر طور ایک عورت تھی اور۔۔۔ میں مرد تھا۔

مارگریٹ اور بزرگ ڈیووال کے پورے منظر کے دوران لینا مسلسل روتی رہی اور میں دم سادھے بیٹھا رہا کہ مبادا یہی محبت کا یہ منظر اپنے انجام کو پہنچ جائے اور وہ نوجوان کہیں پھر

سے سٹیج پر نہ آ جائے جس کی بے پایاں مسرت اس کی بدبختی کا محض پیش خیمہ تھی۔

میرے خیال میں کوئی عورت بھی اپنے وجود' آواز اور مزاج کے اعتبار سے ڈوما کی پرکشش ہیروئن سے زیادہ دور نہیں ہو سکتی جتنی کہ وہ آزمودہ کار اداکار تھی جس نے پہلے پہل مجھے ہیروئن سے متعارف کرایا۔ انداز گفتگو کی طرح کردار کے بارے میں اس کی تصور بھی بوجھل اور بے لچک تھا اور اس پر ایک المیہ اسلوب چھایا ہوا تھا۔ کردار یا صعوبیت کے ہلکے پن کا سے کوئی احساس نہ تھا۔ اس کی آواز بھی گہری اور بوجھل تھی۔ ''آرآرؤمنڈ!'' وہ یوں پکارتی گویا اسے عدالت میں طلب کیا جا رہا ہو۔ پھر بھی مکالمے ہی کافی تھے' اسنے تو بس انہیں ادا ہی کرنا تھا اور وہ مکالمے خود بخود ہی کردار تخلیق کر دیتے تھے۔

خواب گاہ کا ایک منظر تو میرے دل پر نقش ہو گیا ہے۔ اس وقت تک میرے اعصاب بری طرح شل ہونے لگے تھے۔ صرف نینین ہی مجھے رلانے کے لئے کافی تھی۔ نینین اور گاسٹن دونوں سے مجھے لگاؤ تھا۔ سال نو کے تحفے کافی نہ تھے اور اب تو کچھ بھی زیادہ نہ تھے۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جب وہ جان بلب خاتون اپنے محبوب کے بازوؤں میں آخری بار سمٹی ہے' تو اس وقت تک میری سامنے کی جیب کا رومال بھی' جو استعمال کرنے کے بجائے محض زیبائش کے لئے ہوتا ہے' آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔

تھیٹر کے دروازے پر جب ہم پہنچے تھے تو گلیاں بارش سے چمک رہی تھیں۔ تقسیم اسناد کی تقریب کی موقع پر مسز ہارلنگ نے جو مفید تحفہ مجھے دیا تھا' عقل مندی سے کام لیتے ہوئے میں اسے ساتھ لیتا آیا تھا۔ چنانچہ لینا کو میں اسی کے زیر سایہ گھر پہنچایا۔ اسے الوداع کہنے کے بعد میں ہولے ہولے شہر کے اس کھلے علاقے کی طرف قدم اٹھانے لگا' جہاں میں رہتا تھا۔ صحنوں میں بکائن کے پھول جوبن پر تھے اور بارش کے بعد اس کے نئے پتوں اور پھولوں کی خوشبو مل کر ایک اجب سی تلخ مٹھاس کا احساس پیدا کر رہی تھی۔ مارگریٹ گوتیر کے لئے سوگواری میں ٹپکتے ہوئے درختوں اور گڑھوں میں سے گزرتا چلا جا رہا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ جیسے وہ کل ہی مری ہو۔

(4)

وہ خلوت گاہ مجھے اب بھی اچھی طرح یاد ہے جہاں میں لینا کا انتظار کیا کرتا تھا۔۔۔

گھوڑوں کے بالوں والا سخت فرنیچر جو کسی نیلام میں خریدا گیا تھا' ایک لمبا سا آئینہ اور دیوار پر آویزاں فیشن پلیٹیں۔ لمحہ بھر کو اگر میں بیٹھ جاتا تو رنگ دار ریشم کے دھاگے اور ٹکڑے میرے کپڑوں سے چپک جاتا کرتے تھے۔ لینا کی کامیابی نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ وہ بے فکری قسم کی لڑکی تھی' دوسروں کو دھکیل کر آگے بڑھنے والوں میں سے نہیں تھی' جو کاروبار میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے' وہ مسلسل ترقی کرتی جا رہی تھی۔ وہ ایک دیہاتی دوشیزہ تھی اور جب لنکن آئی تھی تو سوائے مسز ٹومس کے چند کزنوں کے' جو یہاں رہتے تھے' کسی سے اس کا تعارف نہ تھا اور اب حالت یہ تھی وہ فیشن کی دلدادہ نوجوان شادی شدہ عورتوں کے لباس تیار کرنے لگی تھی۔ ایک بات تو واضح ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنے اس کام کے لئے فطرمیلان رکھتی تھی۔ جیسا کہ وہ خود کہتی تھی' اسے خوب معلوم تھا کہ ''لوگ کس لباس میں اچھے لگتے ہیں۔'' فیشن بکس سے استفادہ کرنے سے وہ کبھی گریزاں نہ تھی۔ کبھی کبھار میں دیکھتا کہ وہ اپنے کام کرنے والے کمرے میں تنہا ہے اور اطمینان کے مسرور کن اظہار کے ساتھ کام میں مگن ہے۔ رہ رہ کر مجھے خیال آتا کہ برس ہا برس لینا نے یوں گزارے تھے کہ اس کے پاس تن ڈھانپنے کے لئے بھی کافی کپڑے نہ ہوا کرتے تھے۔ اس محرومی نے شاید انسانوں کو لباس پہنانے میں اس کی انتھک دلچسپی کو جنم دیا تھا۔ لینا کے گاہک کہا کرتے تھے کہ ''اسے سلیقہ آتا ہے'' اور وہ اس کی خامیوں کی نظر انداز کر دیتے تھے۔ مثلاً جہاں تک مجھے یاد ہے اس نے کبھی کام وعدے کے مطابق مکمل نہ کیا تھا۔ اس طرح وہ کپڑے پر اس سے زیادہ رقم خرچ کر دیتی تھی' جتنی رقم کی منظوری گاہک دیتے تھے۔ ایک بار جب میں چھ بجے وہاں پہنچا تو لینا ایک پریشان ماں اور اس کی بھدی اور موٹی تازی بیٹی کو وداع کر رہی تھی۔ عورت نے لینا کو معذرت کرنے کی خاطر دروازے پر روک لیا۔

''مس لنگارڈ تم میری خاطر اسے پچاس سے کم رکھنے کی کوشش کرو گی نا؟ تمہیں پتہ ہی ہے کہ وہ ابھی چھوٹی ہے اور اسے کسی مہنگے درزی کے پاس نہ آنا چاہئے تھا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ دوسروں کے مقابلے میں تم اس سے بہتر طور پر نمٹ سکتی ہو۔''

''فکر نہ کریں میز ہیرن۔ سب ٹھیک ہو جائے گا'' لینا نے خوش دلی سے جواب دیا۔

خریداروں کے ساتھ اس کے طور طریقے میرے خیال میں ٹھیک ہی تھے اور مجھے تعجب تھا کہ اس نے یہ سیکھا کہاں سے تھا۔

MashalBooks.com

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا کہ میری صبح کی کلاسز کے خاتمے پر، شہر کے مرکزی حصے میں، لینا سے میری مڈبھیڑ ہو جاتی۔ اس نے ویلوٹ کا سوٹ کے ساتھ چھوٹا سیاہ ہیٹ پہن رکھا ہوتا اور چہرے پر نقاب میں وہ صبح بہار کی طرح تر و تازہ دکھائی دیتی۔ جب ہم ایک کینڈی سٹور کے پاس سے گزرتے تو اس کے پاؤں ڈگمگانے لگتے۔ ''مجھے اس کے اندر نہ جانے دیتی'' وہ بڑبڑاتی۔ مٹھائیوں سے اسے عشق تھا، لیکن ساتھ ہی موٹا ہونے کا ڈر بھی ستاتا تھا۔

لینا کے گھر ہم دونوں اتوار کے روز مزیدار ناشتوں سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ کام کرنے کے اس کے لمبے کمرے کی پشت پر باہر کی طرف ایک دالان تھا۔ جس میں ایک بکس، کاؤچ اور ایک پڑھنے والی میز آسانی سے رکھی جا سکتی تھی۔ پردے ہم کھینچ دیتے تو کمرہ الگ ہو جاتا اور یہیں بیٹھ کر ہم ناشتہ کرتے۔ سورج کی شعاعیں آتیں تو میز پر رکھی ہوئی چیزیں چمکنے لگتیں اور الکوحل لیمپ کا شعلہ بالکل غائب ہو جاتا۔ لینا کا کتا پرنس، ہمارے ساتھ ہوتا۔ کوچ پر وہ لینا کے ساتھ بیٹھ جاتا اور اس وقت تک پرسکون رہتا جب تک ہال کے دوسری طرف وائلن کا پولش استاد ریاضت شروع نہ کر دیتا۔ جونہی وائلن کی آواز آتی، کتا بے چین ہو کر بھونکنے لگتا۔ یہ کتا لینا کے مالک مکان، بوڑھے کرن ریلے نے اسے دیا تھا۔ پہلے پہل وہ اس پر خوش نہ تھی۔ اصل میں وہ زندگی کا اتنا بڑا حصہ جانوروں کی دیکھ بھال پر صرف کر چکی تھی کہ اب اس کے پاس ان کے لئے زیادہ احساسات نہ تھے۔ تاہم پرنس کی بات ہی اور تھی اور وہ اسے چاہنے لگی۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں کتے کو سبق دینے لگتا تھا۔۔۔ مردہ کتے کا کرتب کرنا، ہاتھ ملانا، اور سپاہی کی طرح کھڑا ہونا۔۔۔ ہم لوگ میری کیڈٹ ٹوپی اس کے سر پر رکھ دیتے۔۔۔ یاد رہے کہ یونیورسٹی میں مجھے فوجی ڈرل بھی کرنا پڑتی تھی۔۔۔ کتے کے کرتبوں پر ہم خوش ہوا کرتے تھے۔

لینا کی باتیں مجھے اچھی لگتی تھیں۔ انطونیا کا انداز اور تھا۔ آسانی سے انگریزی بولنا سیکھنے کے بعد بھی اس کی بات چیت میں ایک اضطراری اور اجنبی پہلو موجود تھا۔ لینا کی بات اور تھی۔ اس نے ان تمام روایتی محاوروں پر گرفت حاصل کر لی تھی جو اس نے مسز تھامس کی لباس سازی کی دکان پر سنے تھے۔ لینا اپنی ملائم آواز میں انہیں ادا کرتی تو ان کی کشش بڑھ جاتی تھی۔

اس روشن کونے میں کافی کی چسکیاں لینے میں ہم بہت سا وقت صرف کرتے تھے۔

صبح کے وقت لینا کا حسن اور بھی بکھر جاتا تھا۔ ہر شب کے خاتمے پر وہ تازہ دم اٹھتی تھی۔ اس سے اس کی آنکھوں کا رنگ ان پھولوں کی طرح زیادہ گہرا ہوتا تھا جو پہلے پہل کھلنے پر زیادہ نیلے ہوا کرتے ہیں۔ اتوار کی ساری صبح میں بیٹھا اسے تکتا رہتا تھا۔ اول بنیسن کا پاگل پن اب میرے لئے اچنبھے کی بات نہ رہی تھی۔

''اول میں کوئی برائی نہ تھی'' ایک بار لینا نے کہا۔ ''لوگوں کو اس معاملے میں دخل دینے کی ضرورت نہ تھی۔ اسے تو بس یہ پسند تھا کہ آئے اور کھلی جگہ پر بیٹھ کر اپنے سارے غم بھلا دے۔ مجھے اس کی رفاقت اچھی لگتی تھی۔ جب سارا دن مویشیوں کے ساتھ بسر ہوتا تو پھر رفاقت کوئی بھی ہو، اچھی لگتی ہے۔''

''لیکن کیا وہ ہر وقت آزردہ نہ رہتا تھا'' میں نے پوچھ لیا۔ ''لوگ کہتے ہیں کہ وہ تو بس خاموش ہی رہتا تھا۔''

''نہیں۔ وہ بولتا تھا ناروی زبان میں۔ کسی انگریزی کشتی میں وہ ملاح کا کام کرتا رہا تھا اور اس نے بہت سے اجنبی دیس دیکھ رکھے تھے۔ اس کے جسم پر کئی عجیب وغریب نقش گدے ہوئے تھے۔ ہم بیٹھ کر گھنٹوں انہیں دیکھا کرتے تھے۔ دیکھنے کے لئے گردوپیش میں اور تھا بھی کیا اور تو تصویری کتاب کی طرح تھا۔ ایک بازو پر جہاز اور سٹروبری دوشیزہ کا نقش تھا جب کہ اس کے دوسرے بازو پر ایک چھوٹے سے گھر کے آگے کھڑی لڑکی کا نقش بنا ہوا تھا جو اپنے محبوب کی منتظر تھی۔ بازو کے اوپر والے حصے میں جو نقش بنا تھا اس میں اس کے محبوب ملاح کو آتے اور اسے چومتے دکھایا گیا تھا۔ وہ اسے ''ملاح کی واپسی کا نام دیا کرتا تھا۔''

میں نے مانا کہ گھر میں بھیانک عورت کے ہوتے ہوئے یہ تعجب کی بات نہ تھی کہ اول کبھی کبھی کسی خوبصورت لڑکی کو دیکھنے کو خواہش کرتا تھا۔

''میں تمہیں بتاؤں'' لینا نے راز داری کے ساتھ کہا ''میری سے اول نے شادی اس لئے کی تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ میری مضبوط ذہن کی عورت ہے اور وہ اسے سیدھا رکھے گی۔ ساحل پر اس کے طور طریقے کبھی اچھے نہ رہے تھے۔ گزشتہ بار جب وہ لیورپول میں اترا، تو وہ دوسالہ بحری سفر پر تھا۔ ایک صبح اسے اس کا معاوضہ ادا کیا گیا، لیکن دوسری صبح اس کے پلے کچھ بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی گھڑی اور کومپس سے محروم ہو چکا تھا۔ چند عورتوں کے دام میں وہ پھنس گیا تھا جو اس کی ہر شے لے اڑی تھیں۔ ایک چھوٹی مسافر کشتی کے ذریعے وہ وطن واپس

پہنچا۔ میری کشتی میں ملازمہ تھی اور اس نے اول کو بدلنے کی کوشش کی۔ وہ سمجھا کہ اسے سیدھا رکھنے کی خاطر ایسی ہی عورت کی ضرورت ہے۔ بے چارہ اول! اپنے فیڈ بیگ میں چھپا کر وہ شہر سے میرے لئے مٹھائی لایا کرتا تھا۔ کسی لڑکی کی کوئی فرمائش وہ ٹال ہی نہ سکتا تھا۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ اپنے جسم پر بنے ہوئے نقوش سے چھٹکارا پالیتا۔ ان لوگوں میں سے ایک ہے جن کے لئے میرا دل دکھتا ہے۔''

لینا کے ساتھ اگر میں کوئی شام بسر کرتا اور مجھے وہاں دیر ہو جاتی تو ہمسائے میں رہنے والا پولش وائلن ماسٹر باہر نکل آتا اور میری واپسی کی نگرانی کرتا۔ اس دوران وہ یوں دھمکی انداز میں بڑبڑائے جاتا کہ اس کے ساتھ جھگڑا مول لینا دشوار نہ تھا۔ ایک بار لینا نے اس سے یہ کہا تھا کہ وہ اس کے وائلن کی آواز سے بہت مسحور ہوتی ہے' تب سے وہ اپنا دروازہ کھلا رکھتا تھا اور آنے جانے والوں کو دیکھتا رہتا تھا۔

لینا کے سبب وائلن نواز اور مالک مکان کے مابین سرد مہری سی پیدا ہوگئی تھی۔ کہن سالہ کرنل ریلے کیشکی سے لنکن آیا تھا اور روز افزوں قیمتوں کے زمانے میں اس نے وراثت میں ملنے والے پیسے سے جائیداد خرید لی تھی۔ اب وہ روزانہ ریلے بلاک میں واقع اپنے دفتر میں بیٹھ کر اپنے روپے پیسوں کا حساب کرتا رہتا تھا۔ وہ رنڈوا تھا اور اس بے نیاز مغربی شہر میں اسے خوشگوار رفاقت کم ہی میسر آتی تھی۔ لینا کی دلکشی اور خوش اطواری نے اسے متوجہ کر لیا تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ لینا کی آواز اسے جنوبی علاقے کی آوازوں کی یاد دلاتی ہے۔۔۔۔ اور جہاں تک اس کے بس میں ہوتا وہ اس آواز کو سننے کے مواقع حاصل کر لیتا۔ اس موسم بہار میں اس نے لینا کے کمروں میں رنگ روغن کروائے' دیواروں پر کاغذ لگوائے اور غسل خانے میں ایک پرانے ٹب کی جگہ نیا ٹب لگوا دیا۔ جس سے پرانا کرایہ دار گزارہ کرتا رہا تھا۔ مرمت کا یہ کام جب جاری تھا تو لینا کی مرضی معلوم کرنے کی خاطر وہ بڈھا اکثر اوقات یہاں آنکلتا تھا۔ مزے لے کے لینا نے مجھے یہ قصہ سنایا تھا کہ ایک شام وائلن ماسٹر' آرڈنسکی اس کے دروازے پر آکر کہنے لگا کہ اگر وہ مالک مکان کے آنے جانے سے تنگ آگئی ہو تو وہ اس کو فوراً روک سکتا ہے

''صحیح بات تو یہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کیا کروں۔'' لینا نے سر جھٹکتے ہوئے کہا تھا۔ ''ہر وقت وہ خود سر سا رہتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ اس نفیس بڈھے سے کوئی سخت

بات کہے۔ یہ کرنل بڑے دم والا ہے۔ خیر' وہ ہے بھی تنہائی کا مارا ہوا۔ میرا خیال نہیں کہ وہ بھی آرڈنسکی کا کوئی خیال کرتا ہے۔ ایک بار اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر مجھے ہمسایوں کے خلاف کوئی شکایت ہو تو مجھے ہچکچانا نہ چاہئے۔''

ہفتے کی ایک شام میں لینا کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ اس کے ملاقات کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وائلن ماسٹر وہاں آنکلا۔۔۔ کوٹ کے بغیر' ڈریس شرٹ اور کالر میں۔ لینا کا کتا' پرنس' پنجے مارتے ہوئے بڑے سے کتے کی طرح غرانے لگا۔ ملاقاتی نے یہ کہتے ہوئے اندر آنے سے معذرت کی کہ اس کا لباس مناسب نہیں ہے اور ساتھ ہی لینا سے چند سیفٹی پنیں مانگیں۔

''نہ نہ' مسٹر آرڈنسکی' آپ اندر آئیں نا اور مجھے پتہ چلے کہ بات ہے کیا'' لینا نے یہ کہتے ہوئے اس کے پیچھے سے دروازہ بند کر دیا۔ ''جم' تم ذرا اس پرنس کے بچے کو قابو کرو۔''

پرنس کے ناک پر میں نے ایک چپت لگائی۔ اس دوران آرڈنسکی بتانے لگا کہ کئی دنوں سے اس نے اپنا ڈریس نہ پہنا تھا اور یہ کہ آج جب وہ ایک کونسرٹ میں شرکت کے لئے جانے لگا تو معلوم ہوا کہ اس کی واسکٹ پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ درزی کے پاس جانے سے پہلے وہ واسکٹ پر پنیں ہی لگا لے۔

لینا نے اسے کہنی سے پکڑ کر دوسرے رخ موڑ دیا اور پھر کپڑے میں لمبا شگاف دیکھ کر ہنسنے لگی۔ ''آرڈنسکی صاحب اسے تو آپ پن نہیں کر سکتے۔ اتاریئے۔ دس منٹوں کے اندر میں یہاں نیا کپڑا لگا دیتی ہوں۔'' واسکٹ لے کر وہ اپنے کام والے کمرے میں چلی گئی۔ ادھر میں اور آرڈنسکی اکیلے رہ گئے۔ وہ غریب کسی چوبی مجسمے کی طرح دروازے کے آگے کھڑا تھا۔ بازو تہہ کرتے ہوئے اس نے مجھے گھورا۔ چاکلیٹ ڈراپ کی مانند اس کا سر تھا اور وہ خشک اور بھوسے جیسے بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اب تک تو یہی ہوتا رہا تھا کہ جب بھی میں اس کے قریب سے گزرتا وہ بڑبڑانے لگتا۔ لہذا اب وہ مجھ سے مخاطب ہوا' تو مجھے بڑا تعجب ہوا۔

''مس لنگارڈ ایسی نوجوان عورت ہے جس کا میں بے حد احترام کرتا ہوں'' اس نے کسی قدر تمکنت کے ساتھ کہا۔

''ہاں' میں بھی کرتا ہوں'' سرد مہری سے میں نے جواب دیا۔

میرے جملے پر کوئی توجہ دئے بغیر وہ اپنی قمیض کی آستینوں پر تیزی سے انگلیاں

MashalBooks.com

پھیرنے لگا۔

پھر وہ چھت پر نظریں جما کر کہنے لگا۔''اس قسم کی جگہوں پر دل کی نیکی اور جذبوں کو سمجھا نہیں جاتا۔ جفیس اور نیک اوصاف کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ان جاہل اور فریب خوردہ کالج کے چھوکروں کو نفاست سے کیا سروکار!''

خود پر قابو پاتے ہوئے میں نے سنجیدگی سے بات کرنے کی کوشش کی۔

''مسٹر آرڈنسکی' اگر آپ کا اشارہ میری طرف ہے' تو میں آپ کو بتا دوں کہ میں مس لنگارڈ کو ایک عرصے سے جانتا ہوں اور اس کے لطف و کرم کا معترف بھی ہوں۔ ہم دونوں کا تعلق ایک ہی قصبے سے ہے اور ہم ایک ساتھ پلے بڑھے تھے۔''

نظریں اس کی آہستہ آہستہ چھت سے اتر کر مجھ پر رک گئیں۔''اچھا تو کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ کو اس نوجوان عورت کی بہتری دل سے عزیز ہے؟ یہ کہ آپ اس کے لئے کوئی مسلہ پیدا نہیں کرنا چاہئے؟''

''خیر' یہاں ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے آرڈنسکی۔ اپنی روزی خود کمانے والی لڑکی اپنے بارے میں کسی چرچے کے بغیر کسی کالجی لڑکے کو کھانے پر بلا سکتی ہے۔ یہ تو سیدھی سی بات ہے۔''

''اچھا یہ ہے تو پھر میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے جھکتے ہوئے کہنے لگا۔''مس لنگارڈ' تو بہت ہی اعتماد کرنے والی ہے۔ لگتا ہے اس نے زندگی کے کٹھن سبق نہیں سیکھے۔'' وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔

واسکٹ لئے لینا واپس آ گئی۔''باہر جاتے ہوئے اپنی صورت ہمیں دکھاتے جانا مسٹر آرڈنسکی۔ میں نے کبھی آپ کو ڈریس سوٹ میں نہیں دیکھا۔'' اس کے لئے دروازہ کھولتے ہوئے لینا نے کہا۔

چند ہی لمحے بعد وہ اپنا واکنگ لئے دوبارہ رونما ہوا۔۔۔ گردن کے گرد اس نے بوجھل مفلر اوڑھ رکھا تھا اور دبلے ہاتھوں پر اونی دستانے تھے۔ لینا نے دل لبھانے والی باتیں کیں اور پھر وہ اس قدرناز نخرے کے ساتھ روانہ ہوا کہ جب لینا نے دروازہ بند کیا تو ہم دونوں ہنسنے لگے۔''غریب'' لینا نے ناز برداری سے کہا۔''ہر بات کو دل پر لگا لیتے ہو۔''

بعد ازاں میرے ساتھ آرڈنسکی کا رویہ دوستانہ ہو گیا اور وہ یوں پیش آنے لگا جیسے

ہمارے درمیان کوئی گہری مفاہمت ہو۔ چند روز بعد اس نے ایک غضب ناک مضمون لکھا جس میں اہل شہر کے موسیقی کے ذوق پر چوٹ کی گئی تھی۔ مجھ سے اس نے التجا کی کہ یہ مضمون اخبار کے ایڈیٹر کے پاس لے جاؤں اور اگر ایڈیٹر مضمون کو شائع کرنے سے انکر کرے تو میں اسے بتا دوں کہ وہ ''بذات خود'' آرڈنسکی کے آگے جوابدہ ہوگا۔ یہ امر اس نے پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ وہ اپنے مضمون کا ایل لفظ بھی واپس نہ لے گا اور اس کی پوری ذمہ داری قبول کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے تمام شاگردوں سے محروم ہونے پر تیار تھا۔ خیر مضمون شائع ہو گیا۔۔۔ ٹائپ کی اس میں غلطیوں کی بھرمار تھی اور وہ انہیں ارادی قرار دیتا تھا۔۔۔ باوجودیکہ کسی شخص نے کبھی اس سے اس مضمون کا ذکر نہ کیا تھا' پھر بھی وہ اپنے اس اعتقاد سے خاص قسم کی تسکین حاصل کرتا تھا کہ لنکن کے شہریوں نے انکساری سے اپنے لئے ''بدذوق وحشیوں'' کا تکبہ قبول کر لیا ہے۔ ''تمہیں بتاؤں بات کیا ہے'' ایک بار اس نے مجھ سے کہا۔ ''جہاں دلاوری نہ ہو' وہاں عشق ومحبت کے معاملات بھی نہ ہوں گے۔'' طور طریقوں میں اس کے اب اور بھی زیادہ اکڑ پیدا ہو گئی تھی۔ لینا کو اس نے بتایا کہ وہ کبھی یہ بات فراموش نہ کر سکے گا کہ جب سارا شہر اس پر تنقید کر رہا تھا تو میں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

یہ وہ دن تھے کہ جب میں مقصد سے دور ہو گیا تھا۔ لینا نے میرا سنجیدہ موڈ ختم کر دیا تھا اور پڑھائی میں میرا دل نہ لگتا تھا۔ میں لینا اور پرنس کے ساتھ کھیلتا۔ آرڈنسکی کے ساتھ دل لگی کرتا۔ بوڑھے کرنل کے ساتھ گھوڑ سواری پر نکل جاتا۔ وہ اب میرا دوست بن گیا تھا اور میرے ساتھ لینا اور ان حسین دوشیزاؤں کا ذکر کیا کرتا تھا جن سے جوانی میں اس کا میل ملاپ تھا۔۔۔ ہم تینوں لینا کی محبت میں گرفتار تھے۔

یکم جون سے پہلے گاسٹون کلیرک کو ہارورڈ کالج انسسٹرکٹر کے عہدے کی پیش کش ہوئی' جو اس نے قبول کر لی۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ میں بھی موسم خزاں میں اس کے پیچھے چلا جاؤں اور اپنا کورس ہارورڈ میں مکمل کروں۔ کسی نے اسے لینا کا قصہ سنا دیا تھا اور وہ سنجیدگی سے مجھ سے گفتگو کرنے لگا۔

''یہاں تم اب کچھ کرنے کے نہیں۔ بہتر ہے کو سکول چھوڑ کر کوئی اور کام کرو یا پھر کالج تبدیل کرو اور دل لگا کر پڑھائی کرو۔ اس خوبصورت ناروی لڑکی کی رفاقت میں تم خود پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ ہاں' تھیٹر میں تمہیں میں نے اس کے ساتھ دیکھا ہے۔ وہ واقعی دلربا

ہے۔۔۔اور میں یہ بھی کہوں گا کہ بالکل غیر ذمہ دار بھی ہے۔''

کلیرک نے دادا جان کو لکھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ ایسٹ لے جانا چاہتا ہے۔ میرے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب دادا جان کی طرف سے جواب یہ آیا کہ اگر میں چاہوں تو اس کے ساتھ جا سکتا ہوں۔ خط موصول ہونے کے دن میں خوش تھا اور رنجیدہ بھی۔ ساری شام میں کمرے میں رہا اور سوچ بچار کرتا رہا۔ میں نے اپنے تئیں یہ تک جتلانے کو کوشش کی کہ میں لینا کی راہ میں رکاوٹ بن رہا ہوں۔۔۔دل بہلانے کو اگر اسے میری رفاقت حاصل نہ ہوئی تو پھر شاید وہ شادی کر لے گی اور اپنا مستقبل محفوظ بنائے گی۔

دوسری شام میں لینا سے ملنے گیا۔ وہ کھڑکی کے ساتھ والی کاؤچ پر لیٹی تھی۔ لگتا تھا کہ اس کے پاؤں پر کوئی چوٹ آئی تھی۔ ساتھ والی میز پر آغاز گرما کے پھولوں کی ایک ٹوکری رکھی تھی جو آرڈنسکی حادثے کی خبر سن کر وہاں رکھ گیا تھا۔ وہ ہمیشہ ہی یہ جاننے کا اہتمام کر لیتا تھا کہ لینا کے کمرے میں کیا گزر رہی ہے۔

اپنے ایک گاہک کے بارے میں لینا مجھے کوئی دلچسپ قصہ سنا رہی تھی تو میں نے اسے روکا اور پھولوں کی ٹوکری اٹھا لی۔

''لینا یہ بڈھا کسی نہ کسی روز تم سے شادی کی درخواست کر بیٹھے گا۔''

''اوہ۔۔۔وہ تو اکثر کرتا ہے! وہ بڑبڑائی۔

''کیا! تمہارے انکار کے بعد بھی؟''

''انکار کا وہ برا نہیں مناتا۔ لگتا ہے اسے یہ ذکر چھیڑ کر خوشی ہوتی ہے۔ پتہ ہے یہ بڈھے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو محسوس کرنے لگتے ہیں۔

''کرنل تو تم سے شادی سے جھٹ پٹ تیار ہو جائے گا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تم کسی بڈھے سے شادی نہ کرو گی' چاہے وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہو۔''

لینا نے تکیہ بدلہ اور تعجب سے مجھے دیکھنے لگی۔

''کیوں میں تو کسی سے بھی شادی نہ کروں گی۔

''مگر کیوں نہیں'' ایسی بات کیوں کہتی ہو تم؟'' میں نے اصرار کیا۔

لینا ہنس پڑی۔

''خیر' اس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ مجھے شوہر نہیں چاہئے۔ دوستوں کے طور پر مرد خوب

ہوتے ہیں۔لیکن جونہی ان سے شادی کی جائے وہ خبطی بوڑھے باپ۔۔۔ بلکہ یوں کہو کہ وحشی باپ۔۔۔۔ بن جاتے ہیں۔ پھر وہ اچھائی برائی کا درس دینے لگتے ہیں اور ہر وقت تمہیں گھر میں بند رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے تو یہ اچھا لگتا ہے کہ جب چاہوں احمقانہ حرکتیں کروں اور کوئی مجھے پوچھنے والا نہ ہو۔''

''لیکن اس طرح تو تم تنہائی کا شکار ہو جاؤ گی۔اس طرز زندگی سے عاجز آ جاؤ گی اور گھر بار کی تمنا کرو گی۔''

''نہ نہ۔ میں بس اکیلی ہی رہنا چاہتی ہوں۔ جب میں نے مسز ٹومس کے ہاں کام شروع کیا تھا تو میری عمر انیس برس تھی اور میری زندگی کی ایک رات بھی یوں نہ گزری تھی کہ میں اکیلی سوئی ہوں۔کم از کم تین لوگ ہوا کرتے تھے۔ بستر پر۔ مویشی چرانے کے سوا مجھے اپنے لئے ایک لمحہ بھی نصیب نہ ہوا کرتا تھا۔''

عموماً ہوتا یہ تھا کہ لینا جب کبھی گاؤں میں بیتی ہوئی زندگی کا ذکر کرتی تو کسی مزاحیہ یا ہلکے سے طنزیہ جملے سے آگے نہ بڑھا کرتی تھی۔لیکن آج رات لگتا تھا کہ اس کا ذہن اس ماضی میں اٹک کر رہ گیا تھا۔اس نے مجھے بتایا کہ وہ دن اسے یاد نہیں جب وہ اس قدر چھوٹی تھی کہ کسی بچے کو اٹھائے رکھے' بچوں کے کپڑے دھونے میں ہاتھ بٹائے یا ان کے منہ ہاتھ دھلائے۔اس کی یادوں میں گھر ایسی جگہ کے طور پر بسا ہوا تھا جہاں بچوں کی بھرمار تھی' ایک چڑچڑا مرد تھا اور ایک بیمار عورت تھی جس کے گرد ہر وقت کام جمع رہتے تھے۔

''اس میں ماں کا قصور نہ تھا۔اس کے بس میں ہوتا تو ہمیں سکھ لا دیتی۔ وہاں لڑکی کی زندگی تھی ہی کیا۔ جب میں مویشیوں کی نگہبانی کرنے اور دودھ دوہنے کے قابل ہوئی تو مویشیوں کی بو گویا میرا مقدر بن گئی۔ایک پل کے لئے میں اس سے نجات نا پا سکتی تھی جو چند زیر جامہ میرے پاس تھے انہیں چھپا چھپا کر رکھتی تھی۔ ہفتے کی راتوں کو' جب سب لوگ سو جاتے تھے تو میں نہایا کرتی بشرطیکہ تھکاوٹ سے چور نہ ہوتی۔ پانی لانے کے لئے پون چکی کے دو پھیرے لگاتی اور پھر چولہے پر اسے گرم کرتی۔ جب پانی گرم ہو رہا ہوتا تو میں کٹیا سے نہانے کا ٹب لاتی اور باورچی خانے ہی میں نہا لیتی۔ پھر میں صاف سا نائٹ گاؤں پہن کر دوا ور بچوں کے ساتھ بستر پر لیٹ جاتی۔اور ان بچوں کی حالت یہ تھی کہ جب تک میں انہیں نہ نہلاتی وہ یونہی گزارہ کرتے۔خاندانی زندگی کا تم مجھے کوئی درس نہیں دے سکتے۔ بہت گزاری ہے میں

نے وہ زندگی۔''

''لیکن یہ ساری بات تو نہیں ہے۔'' میں نے اعتراض کیا۔

''تقریباً ساری ہی ہے۔ یہ تو کسی کا چاکری والا قصہ ہے لیکن تمہارے ذہن میں ہے کیا جم؟ کیا تمہیں خدشہ ہے کہ کسی روز میں تمہیں شادی پر مجبور کروں گی؟''

یہ وہ لمحہ تھا جب میں نے اسے بتایا کہ میں وہاں سے جانے والا تھا۔

دور تم کیوں جانا چاہتے ہو جم؟ میں نے کیا تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا؟''

''یہ بات نہیں لینا۔ تم میرے ساتھ بہت ہی اچھی رہی ہو۔'' میں پھوٹ پڑا۔ مجھے کسی اور کی پرواہ نہیں رہی۔ تمہاری قربت میں میں کسی اور چیز کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ لیکن یہاں پڑا رہا تو میں زندگی میں کچھ کر نہ پاؤں گا۔ سمجھ گئی ہو نا!''

اس کے قریب بیٹھ کر میں فرش کو تکنے لگا۔ لگتا تھا جیسے میں اپنی تمام معقول وضاحتیں بھول گیا تھا۔

''یہ قصہ مجھے شروع ہی نہ کرنا چاہئے تھا۔ ٹھیک ہے نا؟'' وہ بڑبڑائی۔ مجھے اس پہلی بار تم سے ملنے جانا ہی نہ چاہئے تھا۔ لیکن کیا کرتی مجبور تھی۔ شاید ہمیشہ ہی سے میں تمہارے متعلق تھوڑی سی پاگل رہی ہوں۔ معلوم نہیں پہلے پہل کس نے تمہاری طرف متوجہ کیا تھا۔ شاید یہ انطونیا تھی جو ہر وقت مجھے یہ درس دیتی رہتی تھی کہ تمہارے ساتھ کوئی حماقت نہ کروں۔ پھر بھی بہت سا عرصہ میں نے تمہیں اکیلئے چھوڑے رکھا' ہیں نا؟''

اپنے پیاروں کے لئے یہ لینا لنگارڈ بھی بڑی میٹھی شے تھی۔

بالآخر ترک تعلق کے میٹھے اور طویل بوسے کے ساتھ اس نے مجھے الوداع کیا۔

''تمہیں افسوس تو نہیں کہ اس روز میں تم سے ملنے آئی تھی'' اس نے سرگوشی کی۔ ''مجھے تو یہ بالکل فطری بات لگتی تھی۔ میں سوچا کرتی تھی کہ تمہاری اولین محبوبہ بنوں گی۔ کیا خوب لڑکے تھے تم بھی!''

ہمیشہ وہ یوں چومتی تھی جیسے کسی کو دکھ اور دانائی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے رخصت کر رہی ہو۔

لنکن چھوڑنے سے پہلے میں نے بارہا اسے خدا حافظ کہا' لیکن مجھے روکنے کی اس نے کبھی کوشش نہ کی۔ تم جا رہے ہو۔۔۔ لیکن ابھی گئے کہاں ہو تم'' وہ کہا کرتی تھی۔

MashalBooks.com

میری زندگی کا لنکن کا باب اچانک ہی ختم ہو گیا۔ چند ہفتوں کے لئے دادی اماں سے ملنے گھر چلا گیا۔ بوسٹن کلیرک کے ساتھ شامل ہونے سے پہلے ورجینا میں میں نے اپنے عزیزوں سے ملاقات کی۔ اس وقت میری عمر انیس برس تھی۔

MashalBooks.com

پایونئر عورت کی کہانی

لنکن کو چھوڑنے کے دو سال بعد میں نے ہارورڈ میں اپنا تعلیمی کورس مکمل کر لیا۔ قانون کے مدرسے میں داخلے سے پہلے، موسم گرم کی تعطیلات گزارنے کی خاطر میں گھر گیا۔ وہاں آمد کی رات مسز ہارلنگ، فرانسس اور سیلی میری خیر و عافیت پوچھنے کو آئیں۔ ہر شے معمول کے مطابق دکھائی دیتی تھی۔ دادی اماں اور دادا جان دونوں قدرے عمر رسیدہ دکھائی دے رہے تھے۔ فرانسس ہارلنگ کی شادی ہو چکی تھی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ مل کر بلیک ہاک میں اپنے خاندانی مفادات کی نگہداشت کر رہی تھی۔ ہم سب لوگ جب دادی اماں کے دیوان خانے میں جمع ہوئے، تو مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ میں اتنا عرصہ یہاں سے دور رہا ہوں۔ خیر، اپنائیت کے احساس کے باوجود، ایک موضوع ایسا بھی تھا، جس سے ہم سب جان بوجھ کر کترا رہے تھے۔

مسز ہارلنگ کو ان کے دروازے پر چھوڑنے کے بعد جب میں فرانسس کے ساتھ گھر واپس آ رہا تھا تو اس نے بس اس قدر کہا تھا: ''بیچاری انطونیا کے بارے میں تم خیر تم جانتے ہی ہو''۔

بیچاری انطونیا! تلخی سے میں نے سوچا کہ اب تو ہر کوئی یہی کہتا ہوگا۔ میں نے جواب دیا کہ دادی اماں نے خط میں مجھے لکھا تھا کہ لیری ڈونوون سے شادی کرنے کی خاطر انطونیا اس جگہ چلی گئی تھی جہاں وہ کام کرتا تھا۔ اور یہ کہ بعد میں اس نے انطونیا سے منہ موڑ لیا تھا۔۔۔۔ اور یہ کہ اب اس کا ایک بچہ بھی ہے۔ مجھے بس یہی معلوم تھا۔

''اس نے انطونیا سے شادی کی ہی نہ تھی'' فرانسس کہنے لگی۔ ''جب سے وہ واپس آئی ہے، میں نے اسے دیکھا نہیں۔ وہ گھر میں اپنے فارم پر رہتی ہے۔ ایک بار وہ ماما کو بچہ

MashalBooks.com

دکھانے کے لئے لائی تھی۔ میرے خیال میں اب ساری زندگی اسے امبروش کی نوکرانی بن کر گزارنا ہوگی''۔

انطونیا کو میں نے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔ سخت مایوس کیا تھا اس نے مجھے۔ میں اسے اس بات پر معاف نہ کرسکتا تھا کہ وہ ایک قابل رحم شے بن کر رہ گئی تھی جب کہ لینا لنگارڈ' جس کے بارے میں لوگ مصائب کی پیش گوئی کیا کرتے تھے' اب لنکن کی ایک نمایاں لباس ساز تھی اور بلیک ہاک میں اس کا احترام کیا جاتا تھا۔ لینا کا دل چاہتا تھا تو وہ دل لگی کر لیتی تھی' لیکن اپنے دماغ کو اس نے کاروبار کے لئے مخصوص رکھا تھا اور دنیا میں اپنا مقام بنالیا۔

ان ایام میں رواج سا ہوگیا تھا کہ لینا کا ذکر مروت سے کیا جائے اور ٹائنی سوڈربال پر نکتہ چینی کی جائے جو ایک برس پہلے اپنا مقدر آزمانے کی خاطر خاموشی سے ویسٹ کی طرف نکل گئی تھی۔ سیاٹل سے آنے والے بلک ہاک کا ایک لڑکا یہ اطلاع لایا تھا کہ ٹائنی وہاں محض مہم جوئی کی خاطر نہ گئی تھی' جیسا کہ اس نے لوگوں کو تاثر دیا تھا بلکہ اس کے پاس سوچے سمجھے منصوبے تھے۔ بات اصل میں یہ تھی کہ مسز گارڈنر کے ہوٹل میں ٹھہرنے والے گشتی پروموٹرز میں سے ایک کی سٹیل کے مقام پر ساحل کے ساتھ غیر استعمال شدہ جائیداد تھی اور اس نے اپنی خالی عمارتوں میں سے ایک میں ٹائنی کو کاروبار کروا کر دینے کی پیش کش کی تھی۔ وہ اب وہاں ملاحو کے ایک مسکن کا اہتمام کر رہی تھی۔ ہر کسی کا کہنا تھا کہ یہ ٹائنی کا انجام تھا۔ آغاز اگر اس نے ایک اچھی جگہ کا بندوبست کرنے سے کیا بھی ہے تو وہ اس کو چلا نہیں سکتی۔ بات یہ ہے کہ ملاحوں کے تمام بورڈنگ ہاوس ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔

اس مسئلے پر سوچتے ہوئے مجھے معلوم ہوا کہ ٹائنی کو میں کبھی اس قدر نہ جانتا تھا جس قدر کہ دوسری لڑکیوں کو۔ مجھے یہ تو یاد تھا کہ وہ برتنوں سے لدی ہوئی ٹرے اٹھا کر ڈرائنگ روم میں اپنی اونچی ایڑی کی جوتی سے ٹپ ٹپ کیا کرتی تھی اور بنے ٹھنے مسافروں کو شوخ نظروں سے دیکھا کرتی تھی۔ میلے کچیلے مسافر اسے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے اور شاید وہ بھی ٹائنی سے خائف رہتے تھے یونہی اب مجھے خیال آیا کہ شاید ملاح بھی اس سے ڈرتے ہوں۔ فرانسس ہارلنگ کے گھر کے فرنٹ پورچ میں ٹائنی سے متعلق باتیں کرتے ہوئے اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اس کا مستقبل کیا ہے' یقیناً ہمیں بہت تعجب ہوتا۔ بلیک ہاک میں اکٹھے پلنے بڑھنے والی تمام لڑکیوں اور لڑکوں میں سے ٹائنی سوڈربال سب سے زیادہ مہم بازی کی زندگی بسر کرنے والی تھی

اور سب سے زیادہ ٹھوس دنیاوی کامیابی کا سہرا بھی اس کے سر بندھا تھا۔

ٹائنی کے ساتھ ہوا یہ کہ جب وہ سیاٹل کے مقام پر اپنا لاجنگ ہاؤس چلا رہی تھی تو الاسکا میں سونا دریافت ہو گیا۔ کانکن اور ملاح نارتھ سے حیرت انگیز کہانیوں اور سونے کے تھیلوں کے ساتھ آنے لگے۔ ٹائنی ان تھیلیوں کو دیکھتی اور ہاتھوں میں ان کا وزن کرتی۔ یوں اس کے اندر کی وہ جانباز عورت بیدار ہو گئی جس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ کاروبار فروخت کر کے وہ سرکل سٹی کو روانہ ہو گئی۔ ساتھ اپنے وہ ایک ترکھان اور اس کی بیوی کو بھی بہلا پھسلا کر لے گئی۔ جس روز یہ لوگ سرکل سٹی پہنچے اسی روز بعض سیواش انڈینز بستی میں یہ خبر لے کر آئے تھے کہ دریا کے ساتھ آگے کی طرف کلون ڈائک کھاڑی کے مقام پر سونے کی بڑی مقدار موجود ہے۔ دو روز بعد ٹائنی اور اس کے ساتھ بلکہ یوں کہئے کہ سرکل سٹی کا تقریباً ہر باسی سرما آمد سے پہلے یوکون کی طرف جانے والے آخری سٹیمر میں کلون ڈائک کی طرف جا رہا تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ڈاوسن شہر کی بنیاد رکھی۔ چند ہفتوں کے اندر کیمپ میں پندرہ سو بے گھر لوگ جمع ہو گئے۔ ٹائنی اور ترکھان کی بیوی ایک خیمے میں ان کے لئے کھانا پکانے لگیں۔ کانکنوں نے ٹائنی کو ایک عمارت کا سامان مہیا کر دیا اور ترکھان نے ایک چوبی ہوٹل کھڑا کر دیا۔ یہاں بسا اوقات وہ ایک دن میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو افراد کا کھانا مہیا کرنے لگی۔ بیس میل دور تک کے علاقے سے کان کن تازہ روٹی کی تلاش میں ٹائنی کے پاس آتے اور سونے کی صورت میں اسے قیمت ادا کرتے تھے۔

اس موسم سرما میں ٹائنی نے اپنے ہوٹل میں ایک سویڈش شخص کو پناہ دیئے رکھی جس کی ٹانگیں ایک رات برفانی طوفان میں اپنا کیبن تلاش کرنے کی تگ و دو میں منجمد ہو گئی تھیں۔ وہ غریب اس بات کو اپنی خوش قسمتی سمجھ رہا تھا کہ اس کی دیکھ بھال ایک عورت کر رہی تھی اور عورت بھی وہ جو اس کی اپنی زبان بولتی تھی۔ اسے جب بتایا گیا کہ اس کا پاؤں کاٹنا ضروری ہو گیا ہے تو اس نے کہا کہ اسے صحت یاب ہونے کی امید نہیں۔ اس کٹھن زندگی میں کوئی محنت کش پاؤں کے بغیر کر بھی کیا سکتا ہے۔ 'خیر' واقعہ یہ ہے کہ وہ غریب آپریشن کے دوران ہی مر گیا' لیکن اس سے پہلے ہونکر کھاڑی پر اپنا کلیم ٹائنی کو منتقل کر گیا تھا۔ ٹائنی نے اپنا ہوٹل فروخت کیا' اپنی نصف دولت ڈاوسن بلڈنگ قرعہ اندازیوں میں لگائی اور باقی دولت اس نے اپنے کلیم کو ترقی دینے میں صرف کی۔ جنگلوں میں جا کر وہ اپنے کلیم والے قطعہ اراضی میں رہنے لگی۔

ناکام رہنے والے کانکنوں سے اس نے مزید کلیم بھی خرید لئے۔

بہت سی دولت سمیٹ کر' لگ بھگ دس سال بعد ٹائنی رہنے کے لئے سان فرانسسکو چلی آئی۔ 1908 میں سالٹ لیک سٹی میں میری اس سے ملاقات ہوئی۔ تب وہ چھریرے بدن کی سخت چہرے والی خوش لباس اور مہذب عورت تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ اسے دیکھ کر مجھے مسز گارڈنر کی یاد آئی جس کے لئے وہ برسوں پہلے بلیک ہاک میں کام کیا کرتی تھی۔ اس نے ان خطرات کا ذکر کیا جو اس نے سونے کے علاقے میں مول لئے تھے' لیکن اب ان کا جوش و ولولہ ختم ہو چکا تھا۔ صاف گوئی سے اس نے اعتراف کیا کہ دولت سے بڑھ کر اب اسے کسی شے میں دلچسپی نہ رہی تھی۔ صرف دو ہی ایسے لوگ تھے جن کا ذکر اس نے کسی قدر جذبے کے ساتھ کیا۔ ان میں سے ایک سویڈش' جانسن تھا جس نے اسے اپنا کلیم دیا تھا اور دوسری تھی لینا لنگارڈ۔ اس نے لینا کو سان فرانسسکو آنے اور وہاں کاروبار کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔

''لنکولن اس کے لئے کبھی بھی موزوں جگہ نہ تھی'' ٹائنی کہنے لگی۔ ''اس چھوٹے سے شہر میں تو ہر وقت اس کے بارے میں قصے مشہور ہوتے رہیں گے۔ سان فرانسسکو ہی اس کے لئے مناسب ہے۔ بہت اچھا کام وہ جانتی ہے اور اب بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ ہمیشہ تھی۔ میرے جاننے والوں میں بس وہی ایسی عورت ہے جو وقت کی زد میں نہیں آتی۔ اسے یہاں اپنے پاس رکھنا میرے لئے اچھی بات ہے۔ وہ مجھ پر نگاہ رکھتی ہے اور مجھے بدلباس نہ ہونے دے گی۔ جب بھی وہ سمجھتی ہے کہ مجھے نیا لباس درکار ہے' وہ بنا کر بھیج دیتی ہے۔۔۔۔ ہاں یہ بھی بتا دوں کہ لباس کے ساتھ لمبا چوڑا بل بھی ہوتا ہے!''

چلتے ہوئے ٹائنی تھوڑا سا لنگڑاتی تھی۔ ہنکر کھاڑی کا کلیم اپنے مکان سے قیمت بھی تو وصول کرتا تھا۔ غریب جانسن کی طرح ٹائنی بھی ایک بار موسم کی اچانک تبدیلی میں پھنس گئی تھی۔۔۔۔ اور اسے اپنے ان خوبصورت پاؤں میں سے ایک کی تین انگلیوں سے محروم ہونا پڑا تھا جو نوکدار سلیپروں اور دھاری دار جرابوں میں بلیک ہاک میں مٹرگشت کیا کرتے تھے۔ ٹائنی نے اس سانحے کا بس بے نیازی ہی سے ذکر کیا۔۔۔۔ اس بارے میں وہ حساس دکھائی نہ دیتی تھی۔ اپنی کامیابی پر وہ مطمئن تھی لیکن مغرور نہ تھی۔ وہ ایسی ہستی بن گئی تھی جس میں دلچسپی لینے کی صلاحیت ختم ہو گئی ہو۔

MashalBooks.com

(2)

اس موسم گرما میں گھر آنے کے فوراً بعد میں نے دادا اور دادی کو تصویریں اتروانے پر آمادہ کر لیا اور پھر ایک صبح اس کا انتظام کرنے لے لئے فوٹو گرافر کی دکان پر گیا۔ وہ اپنے بند کمرے میں کام کر رہا تھا اور میں باہر اس کا منتظر تھا۔ اس دوران میں نے دیوار میں آویزاں تصاویر دیکھنی شروع کر دیں۔۔۔۔ تقسیم اسناد کے لباس میں لڑکیوں کی تصویریں' دیہاتی دولہا دولہنوں کی تصویریں جنہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے اور تین نسلوں کے فیملی گروپوں کی تصویریں۔ وہیں مجھے بوجھل فریم میں اس قسم کی' یاس انگیز تصویر بھی دکھائی دی' جس قسم کی تصاویر دیہی دیوان خانوں میں عموماً لٹکی رہتی ہیں۔ اس تصویر میں مختصر لباس پہنے گول آنکھوں والے بچے کو دکھایا گیا تھا۔ میں یہ تصویر دیکھنے میں محو تھا کہ فوٹو گرافر اپنے کمرے سے نکلا اور بوجھل سے معذرت خواہانہ انداز میں ہنستے لگا۔

''یہ ٹونی شمردا کے بچے کی تصویر ہے۔ یاد ہے نا تمہیں وہ۔ بھئی وہ ہارلنگ لوگوں کے یہاں کام کیا کرتی تھی۔ چھی چھی۔ اس بچے پر بڑا ناز کرتی ہے۔ تصویر کے لئے سستے فریم کا ذکر بھی اسے گوارا نہ تھا۔ شاید ہفتے کے روز اس کا بھائی یہ تصویر لینے آئے گا''۔

اس احساس کے ساتھ میں لوٹ آیا کہ مجھے انطونیا سے ضرور دوبارہ ملنا چاہئے۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو بچے کو چھپا کر رکھتی۔ مگر انطونیا کی تو بات ہی اور ہے۔ وہ چمکدار فریم میں اسے نصب کر کے شہر میں فوٹو گرافر کی دکان پر نمائش کرے گی۔ ہاں' وہ بس ایسی ہی ہے میں نے خود سے کہا کہ اگر انطونیا نے اپنے آپ کو اس قدر گھٹیا شخص کے سپرد نہ کیا ہوتا' تو پھر میں اسے معاف کر سکتا تھا۔

لیری ڈونوون پیسنجر کنڈکٹر تھا۔ وہ ٹرین کے عملے کے ان ''خوابوں'' میں سے تھا جن کو یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کوئی انہیں ٹرین کی کھڑکی بند کرنے کو نہ کہہ دے۔ اگر انہیں ایسی کوئی دستی خدمت کے لئے کہا بھی جائے تو وہ فوراً چپراسی کو بلانے والے بٹن کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ لیری سرکاری بے نیازی کا انداز گلیوں میں بھی بے اختیار کئے رکھتا تھا اگرچہ وہاں اس کے وقار کے لئے خطرہ پیدا کرنے والی کھڑکیاں نہ تھیں۔ ڈیوٹی سے فارغ ہونے پر وہ مسافروں کے ہمراہ شان بے نیازی کے ساتھ ٹرین سے اترتا۔ اس کی کنڈکٹر والی ٹوپی تھیلے

میں اور سٹریٹ ہیٹ سر پر ہوتا۔ سیدھا وہ سٹیشن کو جاتا اور لباس تبدیل کرتا۔ یہ بات اس کے لئے بہت اہم تھی کہ اپنی ٹرین کے علاوہ وہ نیلی پتلون میں کہیں اور نہ دیکھا جائے۔ مردوں کے ساتھ اس کا رویہ عموماً سرد مہری کا ہوتا۔ البتہ عورتوں کے ساتھ معاملہ مختلف تھا۔ ان کے ساتھ وہ ہاتھ ملاتا اور شادی شدہ اور کنواری دونوں قسم کی عورتوں کو اپنے اعتماد میں لیتا۔ چاند کی روشنی میں ان کے ساتھ چہل قدمی کرتا۔ اور انہیں بتاتا کہ اس نے اپنی سروس کی آفس برانچ میں داخل نہ ہو کر کتنی بڑی غلطی کی اور یہ کہ وہ اس احمق کے مقابلے میں دینور میں جنرل پسنجر ایجنٹ کے عہدے کے لئے کس قدر زیادہ موزوں ہے' جو اس وقت اس عہدے پر کام کر رہا ہے۔ لیری کی زمانے کے ہاتھوں یہ بے قدری وہ نرم و نازک بھید تھا جس میں وہ اپنی محبوباؤں کو شریک کرتا تھا۔۔۔۔ اور ان میں سے بعض اس پر دکھی بھی ہو جایا کرتی تھیں۔

اس صبح جب میں گھر کے قریب پہنچا تو مسز ہارلنگ کو اپنے صحن میں پہاڑی ایش درخت کے گرد کھدائی کرتے دیکھا۔ یہ خشک گرمی کے دن تھے اور مسز ہارلنگ کے پاس کام کرنے والا کوئی لڑکا نہ تھا۔ چارلی اپنے جنگی جہاز پر تھا اور بحر کیریبین میں کسی جگہ سمندری گشت کر رہا تھا۔ میں دروازے پر رک گیا۔ ان ایام میں مسرت کے احساس کے ساتھ میں یہ دروازہ کھولا اور بند کیا کرتا تھا۔ ہاتھ سے اسے چھونا مجھے پسند تھا۔ مسز ہارلنگ سے بیلچہ لے کر میں کھدائی کرنے لگا۔ اس دوران وہ سڑھیوں پر بیٹھ کر مجھے ان اور یول پرندوں کا قصہ سنانے لگیں جنہوں نے اس درخت کی شاخوں میں گھونسلا بنایا ہوا تھا۔

''مسز ہارلنگ'' میں کہنے لگا'' مجھے یہ جاننے کی خواہش ہے کہ انطونیا کی شادی کیسے ختم ہوئی۔''

بھئی تم یہ بات اپنے بزرگوں کی لگان دار بیوہ سٹیونز سے کیوں نہیں پوچھتے؟ اسے اس معاملے کا سب سے زیادہ پتہ ہے انطونیا کی شادی میں اسی نے مدد دی اور جب انطونیا واپس آئی تو بھی وہیں تھی۔ پھر جب انطونیا کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو اسی نے اس کی دیکھ بھال کی تھی۔ وہ تمہیں سب کچھ بتا سکتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ بیوہ سٹیونز بہت اچھی گفتگو کرتی ہے اور اس کی یادداشت غضب کی ہے۔''

(3)

اگست کی پہلی دوسری تاریخ تھی' جب میں نے گھوڑا گاڑی لی اور بیوہ سٹیونز سے ملنے روانہ ہوا۔ گندم کی کٹائی مکمل ہو چکی تھی اور افق پر ادھر ادھر دھواں سا دکھائی دے رہا تھا جو بھاپ سے چلنے والی تھریشنگ مشینوں سے نکل رہا تھا۔ گھاس کے میدانوں میں اب کاشت کاری ہونے لگی تھی' گیہوں اور غلے کے کھیت چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ سرخ گھاس غائب ہو رہی تھی اور اس علاقے کا پورا رنگ روپ ہی بدل رہا تھا۔ گھاس پھونس کی جھونپڑیوں کی جگہ چوبی مکانات نے لے لی تھی۔ درختوں کے جھنڈوں کی جگہ بڑے بڑے سرخ باڑے بن گئے تھے۔ ان تمام تبدیلیوں کا مطلب خوش باش بچے مطمئن عورتیں اور خوشحالی کی طرف بڑھتے ہوئے مرد تھے۔ ہوادار بہاروں اور بھڑکتی گرمیوں نے یکے بعد دیگرے اس ہموار علاقے کی زرخیز اور ملائم بنا دیا تھا۔ انسانی محنت کا پھل لہلہاتی فصلوں کی صورت میں ملنے لگا تھا۔ مجھے یہ ساری تبدیلیاں خوبصوت اور ہم آہنگ محسوس ہوتی تھیں۔ ان کا جائزہ لینا گویا کسی عظیم انسان یا عظیم خیال کو نشو ونما پاتے ہوئے دیکھنا تھا۔ یہاں ہر شے میری جانی پہچانی تھی۔ میں نے غور کیا کہ اس ساری اراضی کا ڈھانچہ مجھے ویسے ہی یاد تھا جیسے کسی کو انسانوں کی تشکیل کاری یاد ہو۔

پرانے گھر چکی کے قریب جب میں پہنچا تو بیوہ سٹیونز مجھے ملنے کو باہر آئی۔ وہ کسی انڈین عورت کی طرح بھوری' دراز قد اور مضبوط تھی۔ بچپن میں اس کا چوڑا چکلا سر ہمیشہ مجھے کسی رومی سینیٹر کے سر جیسا لگتا تھا۔ خیر' میں نے فوراً ہی اسے اپنی آمد کا سبب بتا دیا۔

''رات ہمارے یہاں ٹھہرو گے نا جمی؟ شام کے کھانے کے بعد ہم باتیں کریں گے۔ کام کا بوجھ سر سے اتر جائے تو پھر میں اس معاملے میں زیادہ دلچسپی لے سکوں گی۔ شام کو گرم بسکٹ کھانے سے تو ہمیں گریز نہ ہوگا؟ ان دنوں میرے پاس کچھ بسکٹ ہیں''۔

جب میں گھوڑے کو باندھنے کی غرض سے ایک طرف لے جا رہا تھا تو پالتو مرغ کی کرخت آواز سنائی دی۔ گھڑی پر نظر میں نے ڈالی اور آہ بھری۔ تین بج رہے تھے اور مجھے معلوم تھا کہ چھ بجے میں اسی مرغ کو کھا رہا ہوں گا۔

MashalBooks.com

شام کو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بیوہ سٹیونز اور میں بالائی منزل پر پرانے دیوان خانے میں چلے گئے' اس کا خاموش طبع بھائی البتہ نیچے ہی رہا۔ جہاں وہ اپنے فارم کی بعض دستاویزات کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کھڑکیاں ساری کھلی تھیں۔ خشک گرما کا چاند باہر چمک رہا تھا اور ہلکی ہلکی بادِ نسیم میں پون چکی دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ میری میزبان نے لیمپ ایک کونے میں سٹینڈ پر رکھ دیا اور گرمی کے پیشِ نظر اس کی لو دھیمی کر دی۔ اپنی پسندیدہ جھول کرسی پر بیٹھ کر اس نے اپنے تھکے ہارے پاؤں کے نیچے چھوٹا سا سٹول رکھ دیا۔ ''بوڑھی ہوتی جا رہی ہوں جمی' صحت اب جواب دینے لگی ہے''۔ اس نے خوش باش انداز میں کہا۔ ہاتھ جھولی میں رکھ کر وہ یوں بیٹھ گئی جیسے کسی اجلاس میں شریک ہو۔

''اچھا تو تم اس پیاری انطونیا کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہو؟ ایسا ہے تو پھر تم صحیح جگہ آ گئے ہو۔ اس کی دیکھ بھال میں نے اپنی بیٹی کی طرح کی ہے۔

''ان گرمیوں میں جب وہ شادی سے پہلے سینے پرونے کا کام کرنے گھر آئی تو روزانہ ہی یہاں آیا کرتی تھی۔ ان کے گھر میں سلائی مشین کبھی تھی ہی نہیں۔ لہٰذا اس نے سلائی کا سارا کام یہیں کیا تھا۔ میں اس کام میں اس کی مدد بھی کیا کرتی تھی۔ کھڑکی کے پاس وہ اس مشین پر بیٹھ جاتی۔۔۔ اور پھر اس سے کام لینے لگتی۔ ہر وقت وہ عجیب سی بوہیمین گیت یوں گنگناتی جیسے اس دنیا میں وہ سب سے زیادہ خوش ہو۔

''انطونیا' میں کہتی' یہ مشین اس قدر تیز نہ چلاؤ۔ اس کے تیز چلنے سے انتظار کی گھڑیاں تو ختم نہ ہو جائیں گی۔

''اس پر وہ ہنستی اور تھوڑی دیر کے لئے مشین ہلکی کر دیتی۔ لیکن جلد ہی اسے یہ بات بھول جاتی اور وہ گنگناتے ہوئے مشین پھر سے تیز چلانے لگتی۔ اس سے زیادہ پھرتیلی لڑکی میں نے کبھی نہیں دیکھتی۔ ہارلنگ لوگوں نے اسے ایک خوبصورت میز پوش دیا اور لنکن سے لینا لنگارڈ نے بہت سی اچھی اچھی چیزیں بھیجی تھیں۔ میز کے کپڑوں' تکیوں کے غلافوں اور بعض چادروں کی سلائی ہم نے کی تھی۔ جب کہ بوڑھی مسز شمرد انے اس کے زیرِ جاموں کے لئے کئی گز لمبی لیس بنی تھی۔ ٹائنی نے مجھے بتایا کہ کیسے وہ اپنے گھر میں ہر شے رکھنے کی خواہش مند تھی یہاں تک کہ اس نے نقرئی چمچے اور کانٹے بھی خریدے تھے اور انہیں صندوق میں بند کر رکھا تھا۔ ہر وقت وہ ڈاک خانے جانے کے لئے بھائی کی خوشامد کرتی رہتی تھی اور اس کا محبوب بھی اپنی

ڈیوٹی کے دوران مختلف شہروں سے اسے خط لکھتا رہتا تھا۔

''اسے پریشان کرنے والی پہلی بات یہ تھی کہ ایک خط میں اس کے ہونے والے شوہر نے یہ لکھ بھیجا کہ اس کی ڈیوٹی کا علاقہ بدل گیا ہے اور یہ کہ شاید انہیں ڈینور میں رہنا پڑے۔ میں ایک دیہاتی لڑکی ہوں' اس کا کہنا تھا اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں شہر میں اس کی توقعات پر پوری نہ اتر سکوں گی۔ مرغیاں اور شاید ایک گائے بھی پالنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ بہرحال جلد ہی اس بات کو بھول کر وہ پھر سے ہنسنے کھیلنے لگی۔

''آخر کار وہ خط بھی آ گیا جس میں لکھا تھا کہ اسے کب آنا چاہئے۔ خط نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ مہر توڑ کر اسی کمرے میں اس نے وہ خط پڑھا تھا۔ انتظار میں وہ اندر ہی اندر پاگل ہوئے جا رہی تھی' لیکن مجھ پر اس نے اپنی کیفیت ظاہر نہ ہونے دی۔

''سامان باندھنے اور رخصتی کی تیاری کا وقت آ گیا۔ اگر میں بھول نہیں رہی تو یہ مارچ کا دن تھے۔ ہر شے کیچڑ سے لت پت تھی۔ سڑکیں بھی خراب تھیں اور اس کا سامان شہر پہنچانا دشوار تھا۔ یہاں میں یہ کہہ دوں کہ امبروش نے ٹھیک ہی کام کیا۔ بلیک ہاک جا کر وہ اس کے لئے چند ضروری چیزیں خرید لایا اور تین سو ڈالر بھی اسے دیئے۔ چیک میں نے خود دیکھا تھا۔ جن برسوں میں وہ محنت مزدوری کرتی رہی تھی' امبروش اس کی تنخواہ جمع کرتا رہا تھا۔۔۔ اور یہ بات ٹھیک ہی تھی۔ یہاں اس کمرے میں اس کا ہاتھ پکڑ کر میں نے کہا تھا۔۔۔ امبروش تمہارا طرز عمل واقعی مردوں جیسا ہے۔ اور بیٹے مجھے یہ دیکھ کر خوشی بھی ہوئی ہے'۔

''وہ ایک سرد مرطوب دن تھا جب ڈینور جانے والی رات کی ٹرین پر بٹھانے کی خاطر امبروش ٹونی اور اس کے تین صندق بلیک ہاک لے کر گیا تھا۔۔۔ بڑے صندوق پہلے ہی پہنچا دیئے گئے تھے۔ یہاں اس نے چھکڑا روکا تھا اور وہ مجھے خدا حافظ کہنے کی خاطر بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ بازوں میں سمیٹ کر اس نے مجھے پیار کیا اور مدد کرنے پر شکریہ بھی ادا کیا۔ وہ اس قدر خوش تھی کہ سارا وقت اچھل کود رہی تھی۔۔۔۔ سرخ رخسار اس کے بارش میں بھیگے ہوئے تھے۔

''اسے دیکھتے ہوئے میں نے کہا تھا اس قدر حسین ہو تم کہ کوئی تم پر کوئی بھی فدا ہو سکتا ہے'۔

''ہنستے ہوئے اس نے سرگوشی میں خدا حافظ' پیارے گھر' کہا اور چھکڑے کی طرف

بھاگ گئی۔ میرا خیال ہے کہ اس سے ٹونی کی مراد میرے ساتھ ساتھ تم اور تمہاری دادی اماں بھی تھیں۔ اسلئے میں یہ بات خاص طور پر تمہیں بتا رہی ہوں۔ یہ گھر ہمیشہ اس کے لئے گوشہ عافیت رہا تھا۔

''خیر' چند روز بعد ہمیں اس کا خط موصول ہوا۔ اس نے خیریت سے ڈینور پہنچنے کی اطلاع دی تھی اور لکھا تھا کہ وہ اس کو لینے آیا تھا اور یہ کہ چند ہی روز میں ان کی شادی ہو جائے گی۔ ٹونی نے یہ بھی لکھا تھا کہ شادی سے پہلے وہ ترقی حاصل کرنے کی کوشش میں تھا۔ یہ بات مجھے پسند نہ آئی پر میں خاموش رہی۔ اگلے ہفتے یولکا کو پوسٹ کارڈ موصول ہوا جس میں اس نے لکھا تھا کہ وہ خیریت سے ہے اور خوش باش بھی۔ اس کے بعد ہم نے کچھ نہ سنا۔ ایک مہینہ بیت گیا اور بوڑھی مسز شمرد اپریشان ہونے لگی۔ امبروش میرے ساتھ یوں خفا ہو گیا تھا جیسے میں نے ہی وہ شخص چنا اور شادی کا بندوبست کیا تھا۔

''ایک رات بھائی ولیم یہاں آیا اور اس نے بتایا کہ کھیتوں سے واپس آتے ہوئے اس نے مغربی سڑک پر ایک چھکڑے کو سرپٹ بھاگتے دیکھا تھا۔ اس کی اگلی نشست پر کوچبان کے ساتھ ایک ٹرنک رکھا تھا۔ ایک اور ٹرنک پیچھے تھا۔ پچھلی نشست پر ایک عورت گٹھری سی بنی بیٹھی تھی اور یہ کہ اس کے خیال میں یہ عورت انطونیا شمرد اتھی۔

''دوسرے روز میں نے بھائی سے کہا کہ وہ مجھے ان کے گھر پہنچا دے۔ چل پھر تو میں اب بھی سکتی ہوں۔ لیکن میرے پاؤں وہ نہیں رہے جو کہ ہوا کرتے تھے۔ اس لئے اپنے آپ کو بچائے رکھتی ہوں۔ ہفتے کا وسط تھا' لیکن شمردوں کے گھر کے باہر تاروں پر دھلے ہوئے کپڑے لٹک رہے تھے۔ قریب پہنچنے پر میں نے اندوہناک منظر دیکھا۔۔۔۔ جن زیر جاموں پر ہم نے اس قدر محنت کی تھی وہ ہوا میں جھول رہے تھے۔ یوسکا نچوڑے ہوئے کپڑوں کا ایک اور بنڈل لے کر آئی' لیکن ہمیں دیکھتے ہی فوراً پیچھے بھاگ گئی۔ جب میں اندر داخل ہوئی تو دیکھا کہ انطونیا کپڑے دھونے کے ٹبوں کے پاس کھڑی ہے اور دھلائی کا کام ابھی اس نے ختم کیا ہے۔ اپنے تئیں لعن طعن کرتے ہوئے مسز شمرد ا اپنے کسی کام کو جا رہی تھی۔ اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ ایپرن سے ہاتھ صاف کر کے انطونیا نے تاسف سے مجھے دیکھتے ہوئے ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے اسے گلے لگانا چاہا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ ''نانا مسز سٹیونز' وہ کہنے لگی ''مجھے رلا دو گی اور رونا میں نہیں چاہتی''۔

''میں نے سرگوشی میں اسے گھر سے باہر چلنے کو کہا۔ مجھے معلوم تھا کہ ماں کی موجودگی میں وہ آزادی سے میرے ساتھ گفتگو نہیں کر سکتی۔ ننگے سر وہ میرے ساتھ باہر چلی آئی اور ہم باغ کی طرف چلنے لگے۔

میں اب شادی شدہ نہیں ہوں مسز سٹیونز' وہ پرسکون اور فطری سے انداز میں بولنے لگی۔ اور یہ بات مناسب ہی ہے'۔

آہ میری بچی۔۔۔ کیا ہوا تمہارے ساتھ؟ مجھے بتانے سے گھبراؤ نہیں!'

گھر کے منظر سے پرے ہٹ کر وہ بیٹھ گئی۔ وہ مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا ہے' وہ بتانے لگی۔ شاید وہ کبھی بھی مجھ سے شادی نہ کرنا چاہتا تھا'۔

لیکن وہ ملازمت اور ملک کیسے چھوڑ سکتا ہے؟' میں نے سوال کیا۔

نوکری اس کے پاس تھی ہی نہیں۔ اسے پہلے ہی جواب مل چکا تھا۔ مجھے اس کی خبر نہ تھی۔ جب میں وہاں پہنچی تو وہ بیمار تھا۔ ہسپتال سے بس لوٹا ہی تھا۔ جب پیسے میرے پاس تھے وہ میرے پاس رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ کوئی کام تلاش کر ہی نہ رہا تھا۔۔۔ پھر وہ گیا اور واپس ہی نہ آیا۔ اسٹیشن پر جب میں اس کی تلاش میں بار بار جانے لگی تو وہاں ایک شریف آدمی نے کہا کہ میں اسے بھول جاؤں۔ اس نے بتایا کہ اس کے خیال میں لیری چلا گیا تھا اور اب کبھی واپس نہ آئے گا۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ اولڈ میکسکو کی طرف نکل گیا ہے۔ وہاں مقامی لوگوں سے روپیہ بٹور کر' اور کمپنی کو نقصان پہنچا کر کنڈکٹر امر ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اس قسم کا کام کرنے والے لوگوں کا ذکر کیا کرتا تھا'۔

''خیر' میں نے اس سے یہ ضرور پوچھا کہ اس نے فوراً ہی سول میرج پر اصرار کیوں نہ کیا تھا۔۔۔ اس طرح اسے لیری پر کسی قدر گرفت حاصل ہو جاتی۔ اس پر بے چاری انطونیا نے سر اپنے ہاتھوں پر جھکا دیا اور کہنے لگی۔ بس پتہ نہیں کیوں۔ لگتا ہے کہ انتظار کرتے کرتے میرا صبر ختم ہو گیا تھا۔

اور مسز سٹیونز میں سوچتی تھی کہ میں اس کی اتنی خدمت کر سکتی ہوں' تو پھر وہ مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہے گا'۔

''جمی وہیں۔۔۔ انطونیا کے ساتھ بیٹھ کر میں نے سوگ منایا۔ بچوں کی طرح میں روئی اور چیخی۔ لاچار ہو گئی تھی میں۔ لگتا تھا دکھ سے میرا دل پھٹ جائے گا۔ یہ مئی کے

خوبصورت گرم دنوں میں سے ایک تھا۔ ہوا چل رہی تھی۔لیکن میرا دل دکھ سے ڈوبا جا رہا تھا۔ اتنی اچھی میری انطونیا بے آبرو ہو کر گھر لوٹ آئی تھی۔۔۔اور وہ چنڈال لینا لنگارڈ زندگی میں اس قدر کامیاب ثابت ہوئی تھی۔نت نئے لباس میں وہ روزانہ یہاں آتی اور اپنی ماں کی اس قدر خدمت کر رہی تھی۔کسی میں خوبی ہو تو میں خوش دلی سے اس کا اقرار کرتی ہوں۔لیکن جم برڈن تمہیں پتہ ہی ہے کہ ان دونوں لڑکیوں کے اصولوں میں بہت سا فرق ہے۔۔۔اور ان میں جو اچھی تھی' اس نے دکھ سہے ہیں۔خیر' میں نے اسے کیا تسکین دینی تھی۔اس کے سکون پر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ جب ہم گھر واپس جا رہے تھے' تو وہ یہ دیکھنے کے لئے رک گئی کہ آیا کپڑے سوکھ گئے ہیں۔ دھلائی پر وہ فخر سا محسوس کرتی دکھائی دیتی تھی۔ دوسری بار میں نیا سے دیکھا تو وہ کھیتوں میں ہل چلا رہی تھی۔ بہار اور گرمی کے ان دنوں میں انطونیا نے فارم پر مردوں کیطرح مشقت کی۔۔۔اور یہ فطری سی بات لگ رہی تھی۔امبروش کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہ تھا۔غریب ماریک پر جارحیت کا دورہ پڑا تھا اور کافی عرصہ پہلے اس کو ایک ادارے میں بھیج دیا گیا تھا۔

''ٹونی کے خوبصورت کپڑے بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ انہیں وہ صندوقوں سے نکالتی نہ تھی۔مگر وہ پرسکون اور ثابت قدم تھی۔لوگ اس کی محنت و مشقت کا احترام کرتے اور اس کے ساتھ یوں پیش آنے کی کوشش کرتے جیسے کوئی سانحہ نہ گزرا ہو۔ہاں' وہ باتیں تو کرتے' لیکن اکا دکا۔ وہ اس قدر بجھی بجھی اور خاموش رہتی کہ کوئی بھی اس کی توہین کرنا نہ چاہتا تھا۔وہ کہیں آتی جاتی نہ تھی۔گرمیوں کی پوری رات میں وہ ایک بار بھی مجھے ملنے نہ آئی۔ پہلے پہل تو مجھے افسوس ہوا۔لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ میرا گھر اسے بیتے ہوئے دنوں کی یاد دلا سکتا تھا۔ جب کبھی موقع ملتا' میں اس کے یہاں جاتی لیکن بات یہ تھی کہ جس وقت وہ کھیتوں سے واپس آتی' میں اس وقت مصروف ہوا کرتی تھی۔اناج اور موسم کا ذکر وہ یوں کرتی جیسے کسی اور شے میں اسے دلچسپی نہ ہو۔اگر میں کبھی رات کو وہاں چلی جاتی' تو وہ بہت تھکی ہوئی ہوتی دانتوں میں اس کے درد ہونے لگا تھا اور یکے بعد دیگرے دانت خراب ہونے لگے۔ اکثر اوقات اس کا چہرہ سوجھا ہوا رہنے لگا تھا۔ بلیک ہاک میں دندان ساز کے پاس وہ اس خدشے سے نہ جاتی کہ کہیں جاننے والوں سے آمنا سامنا نہ ہو جائے۔امبروش کے خوش مزاجی کے دن بھی گزر گئے تھے اور وہ خفا خفا سا رہنے لگا تھا۔ایک بار میں نے اس سے کہا کہ اسے

انطونیا کو اتنا کام نہ کرنے دینا چاہئے کہ اس کی صحت ہی جواب دے جائے۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ تم نے اگر اس کے دماغ میں یہی بات ڈالنی ہے تو بہتر ہے اپنے گھر میں رہا کروں۔' اس کے بعد میں نے آنا جانا بند ہی کر دیا۔

''فصل کی بیجائی سے کٹائی تک انطونیا محنت کرتی رہی۔ البتہ وہ اس قدر شرمسار تھی کہ پہلے کی طرح ہمسایوں کی کٹائی کے کام کے لئے نہ گئی۔ خزاں کے دنوں کے آخر میں اس نے یہاں سے شمال کی طرف کھلی جگہ پر امبروش کے مویشی چرانے شروع کئے۔ اس سے پہلے انطونیا کے ساتھ میل ملاپ بہت کم ہو گیا تھا۔ کبھی کبھار وہ ان مویشیوں کو وہاں سامنے مغربی پہاڑی پر لے آنے لگی۔ تب میں بھاگ کر اس سے ملنے جاتی اور شمال کی طرف اس کے ساتھ تھوڑی سی چہل قدمی کرتی۔ اس کے غول میں تیس مویشی تھے۔ موسم خشک تھا اور چراگاہ میں گھاس کی کمی تھی۔ یہ بات نہ ہوتی تو وہ انہیں اس قدر دور نہ لاتی۔

''خزاں کے وہ دن بہت اچھے تھے اور اسے تنہا رہنا پسند تھا۔ ڈھور ڈنگر چرنے میں مصروف ہوتے اور وہ ایک طرف ہو کر گھنٹوں دھوپ میں بیٹھی رہتی۔ ایسے ہی کبھی کبھی میں اسے ملنے کو چلی جاتی۔''

''ایک روز وہ کہنے لگی کہ کبھی کبھار اس کا جی چاہتا ہے کے لینا کی طرح وہ بھی کچھ نہ کچھ بنتی رہا کرے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ کب میں کام کرنے لگتی ہوں تو ادھر دیکھتی ہوں اور پھر بھول جاتی ہوں۔ کل کی بات لگتی ہے کہ میں اور جم برڈن اس علاقے میں کھیلا کرتے تھے۔ یہاں میں ان جگہوں کی نشاندہی بھی کر سکتی ہوں جہاں میرا باپ کھڑا ہوا کرتا تھا۔ کبھی لگتا ہے کہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہوں گی۔۔۔ اس لئے اس خزاں کے ہر دن سے لطف اندوز ہوتی ہوں۔'

''سرما کی رت آئی تو اس نے مردوں کا لمبا اوورکوٹ' جوتے اور چوڑے چھجے والا فیلٹ ہیٹ پہننا شروع کر دیا۔ میں اسے آتے جاتے دیکھتی محسوس کر سکتی تھی کہ اس کے قدم بھاری ہونے لگے تھے۔ دسمبر کے ایک دن برف باری شروع ہو گئی۔ اس سہ پہر کو میں نے انطونیا کو پہاڑی کے پار اپنے مویشی گھر کی طرف لے جاتے دیکھا۔ برف اس پر گر رہی تھی اور بچنے کے لئے وہ جھکی ہوئی تھی۔۔۔ اس وقت وہ مجھے معمول سے بھی زیادہ تنہا دکھائی دی۔ اوہ میری جان' میں نے اپنے آپ سے کہا اس لڑکی نے تو دیر کر دی ہے۔ اس کے گھر پہنچنے تک تو اندھیرا ہو جائے گا۔' مجھے لگا کہ وہ اس وقت خود کو کس قدر قابل رحم خیال کر رہی ہو گی۔

MashalBooks.com

''بس یہ واقعہ اس رات رونما ہوا۔ مویشی وہ ہانک کر گھر لے گئی۔ انہیں باڑے میں بند کیا اور پھر اندر چلی گئی۔۔۔۔ باورچی خانے کے پیچھے اپنے کمرے میں اور دروازہ بند کر دیا۔ وہاں۔۔۔ کسی کو بلائے بغیر۔۔۔ آہ زاری کئے بغیر۔۔۔ وہ بستر پر لیٹ گئی اور بچے کو جنم دے ڈالا۔

میں کام کاج میں مصروف تھی کہ مسز شمردا بھاگتے ہوئے نیچے تہہ خانے کی طرف آئی۔ وہ ہانپ رہی تھی اور چلا بھی رہی تھی:

بچہ آیا' بچہ آیا!' وہ چیخنے لگی۔

امبروش شیطان کی طرح بپھرا ہوا ہے'۔

'بھائی ولیم' آپ جانو' بڑا صابر آدمی ہے۔ کھیتوں میں سارا دن کام کرنے کے بعد وہ گرم گرم کھانا کھانے کے لئے بیٹھنے ہی والا تھا۔ کوئی لفظ کہے بغیر وہ اٹھا' باڑے سے گھوڑوں کی جوڑی نکالی اور انسانی اعتبار سے جس قدر ممکن تھا' وہ ہمیں وہاں لے گیا۔ جلدی سے میں اندر گئی اور انطونیا کی مدد کرنے لگی۔ لیکن وہ آنکھیں بند کئے پڑی تھی اور اس نے مجھ پر کوئی توجہ نہ دی۔ بچے کو نہلانے کیلئے بڑھیا گرم پانی سے بھرا ہوا ایک ٹب لے آئی۔ اس کے کام سے اغماض کرتے ہوئے میں نے اونچی آواز میں کہا: مسز شمردا' وہ تیز پیلا صابن بچے کے پاس رکھ دو۔ تم اس کی نازک سی جلد کو چھالوں سے بھر دو گی۔' میں برہم ہوئے جا رہی تھی۔

مسز سٹیونز انطونیا بستر پر سے بولی اگر آپ میرے صندوق کی اوپر والی ٹرے میں دیکھیں تو عمدہ صابن آپ کو مل جائے گا'۔ یہ پہلا جملہ تھا جو اس نے ادا کیا۔

''بچے کو کپڑے پہنانے کے بعد میں اسے امبروش کو دکھانے باہر لے گئی۔ چولہے کے پیچھے وہ کھڑا وہ بڑبڑا رہا تھا۔ بچے کو اس نے ایک نظر بھی نہ دیکھا۔

بہتر ہے تم اسے بارش والے پیپے میں پھینک دو'۔

دیکھو! امبروش' میں کہنے لگی۔ اس ملک میں کوئی قانون بھی ہے۔۔۔ اور تمہیں یہ بات بھولنی نہیں چاہئے۔ میں یہاں اس امر کی گواہ ہوں کہ یہ بچہ صحیح سلامت اس دنیا میں آیا ہے اور میں اس بات پر نظر رکھوں گی کہ اس کے ساتھ کیا بیتی ہے'۔ مجھے فخر ہے کہ امبروش پر میں نے غلبہ پا لیا۔

MashalBooks.com

''خیر' میرا خیال ہے کہ بچوں میں تمہیں زیادہ دلچسپی نہیں۔ انطونیا کی بات البتہ اور ہے۔ پہلے دن ہی سے وہ اسے یوں پیار کرتی جیسے اس کی انگلی میں انگوٹھی ہو اور وہ اس کا جائز بچہ ہو۔ کبھی وہ اس پر شرمسار نہ ہوئی۔ اب وہ ایک سال آٹھ ماہ کا ہو چکا ہے اور میرا خیال ہے کہ کسی اور بچے کی اس قدر دیکھ بھال نہ ہوئی ہوگی۔ فطرت نے اس انطونیا کو بس ماں ہی بنایا ہے۔ میری خواہش ہے کہ وہ شادی کر کے گھر بسائے۔۔۔۔ پر پتہ نہیں اب اس کا کوئی مکان ہے یا نہیں''۔

اس رات میں اسی کمرے میں سویا بچپن میں سویا کرتا تھا اور جہاں گرما کی ہوا کھڑکیوں کے راستے پکی ہوئی فصلوں کی باس لے کر آیا کرتی تھی۔ میں لیٹا جاگتا رہا اور باڑے پر۔۔۔۔ گھاس پر۔۔۔۔ تالاب اور پون چکی پر چاندنی کو جھلمل کرتے دیکھتا رہا۔

(4)

دوسری صبح میں پیدل شمردا کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ یولکا نے مجھے بچہ دکھایا اور بتانے لگی کہ انطونیا کھیتوں کے پار گیہوں کے گٹھے بنا رہی تھی۔ میں ادھر کو روانہ ہوا اور ٹونی نے دور ہی سے مجھے دیکھ لیا۔ گٹھوں کے پاس وہ اپنے کھانچے پر کسی قدر جھک کر ساکت کھڑی تھی اور مجھے آتے دیکھ رہی تھی۔ پرانے گیتوں میں جیسے بچھڑنے والے ملتے ہیں' ویسے ہی ہم ملے۔۔۔ خاموشی سے' اگرچہ ہماری آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔ اس کے گرم ہاتھ نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''میں سوچتی تھی جم' تم آؤ گے۔ میں نے سنا تھا کہ گزشتہ رات تم مسز سٹیونز کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ دن بھر تمہارا انتظار کرتی رہی ہوں۔''

اس سے دبلی میں نے کبھی اسے دیکھا نہ تھا۔ مسز سٹیونز نے درست ہی کہا تھا کہ وہ بہت کمزور ہوگئی تھی۔۔۔ لیکن اس کے چہرے کی کشش کا اب ایک نیا انداز تھا اور اس کی رنگت ابھی تک گہری صحت مندی اور وارفتگی کا پتہ دے رہی تھی۔ ابھی تک؟ کیا مطلب۔۔۔۔ میری اور اس کی زندگیوں میں گو بہت سے تلاطم آ چکے تھے لیکن ابھی اس کی عمر مشکل سے چوبیس برس ہی ہوگی۔

انطونیا نے کھانچہ زمین پر رکھا اور خود بخود ہمارے قدم اس چوراہے کی طرف بڑھنے

لگے جو باتیں کرنیکے لئے ہمیں موزوں ترین جگہ محسوس ہوا تھا۔ ہم دونوں تار والے اس جنگلے کے پار بیٹھ گئے جو مسز شمردا کی اراضی کو باقی دنیا سے جدا کرتا تھا۔ لمبی سرخ گھاس کو وہاں سے کبھی کاٹا نہ گیا تھا۔ سردیوں میں وہ خود ہی مرجھا جاتی۔ بہار آتی تو پھر سے سرسبز ہو جاتی۔ یہاں تک کہ وہ استوائی علاقے کی گھاس کی طرح جھڑ یلی اور موٹی ہو گئی تھی۔ وہاں میں نے انطونیا کو اپنی رام کہانی کہہ سنائی۔۔۔ کیوں میں نے قانون کا مطالعہ کرنے اور پھر نیویارک شہر میں اپنی ماں کے ایک رشتہ دار کے قانونی دفتر میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تھا' گزشتہ سرما میں نمونیہ کے ہاتھوں گاسٹون کلیرک کی موت اور میری زندگی پر پڑنے والے اس کے اثرات کا ذکر کیا۔ وہ میرے دوستوں' میرے انداز زندگی اور میری عزیز ترین تمناؤں کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔

''یقیناً اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمیشہ کے لئے ہم لوگوں سے دور جا رہے ہو'' اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں کھو دوں گی۔ میرے پاپا کو ہی دیکھو۔ کتنے برسوں سے وہ یہاں مرا پڑا ہے۔۔۔ پھر بھی وہ تقریباً دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ میرے لئے زندہ ہے۔ میری زندگی سے وہ نہیں نکلتا۔ ہر وقت میں اس سے باتیں کرتی ہوں۔۔۔ اس سے مشورے کرتی ہوں۔۔۔ عمر گزرنے کے ساتھ میں اسے بہتر طور پر جاننے لگی ہوں اور اب اسے زیادہ سمجھتی بھی ہوں''۔

اس نے پوچھا کہ آیا بڑے شہر مجھے اچھے لگنے لگے ہیں۔ مجھے تو شہر اچھے نہیں لگتے۔۔۔ وہاں تو تنہائی سے میرا دم گھٹ جائے گا۔ میں تو وہاں رہنا چاہتی ہوں جہاں ہر گٹھے اور ہر درخت سے میری شناسائی ہو۔۔۔ اور جہاں ساری دھرتی دوست ہو۔ میں یہیں جینا اور مرنا چاہتی ہوں۔ فادر کیلی کا کہنا ہے کہ ہر انسان کی زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ میں نے کیا کرنا ہے۔۔۔۔ میرا کام یہ دیکھنا ہے کہ میری ننھی بچی کی زندگی میں مجھ سے بہتر موقع ملے۔ جم' میں دل و جان سے اس کی پال پوس کروں گی''۔

میں نے بتایا کہ مجھے اس سے یہی توقع تھی۔ ''لیکن انطونیا' تمہیں پتہ ہے' جب سے میں دور گیا ہوں' کسی اور سے زیادہ تمہیں یاد کرتا ہوں۔ کاش تم میری محبوبہ' میری بیوی میری ماں یا پھر میری بہن۔۔۔ کوئی رشتہ بھی جو عورت کے ساتھ بنتا ہے۔۔۔ ہوتیں۔ تمہاری یادیں میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ سینکڑوں بار۔۔۔ جب مجھے احساس بھی نہیں ہوتا۔ تم میری

پسند و ناپسند پر اثر انداز ہوتی ہو۔تم تو ہو ہی میرا ایک جزو''۔

اس نے اپنی روشن اور یقین کرنے والی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔دھیرے دھیرے وہ آنسوؤں سے بھر گئیں۔''یہ کیسے ممکن ہے۔۔تم تو بہت سے لوگوں کو جانتے ہو اور پھر میں نے تمہیں مایوس بھی تو کیا ہے؟ جم کیا یہ عجیب بات نہیں' لوگ ایک دوسرے کے لئے کس قدر اہم ہو سکتے ہیں۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ بچپن میں ہم ایک دوسرے کے اس قدر قریب تھے۔اس دن کا میں انتظار نہیں کر سکتی کہ میری ننھی سے بچی اس قدر بڑی ہو جائے کہ میں اسے اپنے اور تمہارے بارے میں سب کچھ بتا سکوں۔ بیتے ہوئے زمانے جب بھی تمہاری یادوں میں آئیں گے تم میرے بارے میں سوچو گے۔ٹھیک ہے نا جم؟ اور میرا خیال ہے کہ ہر کوئی بیتے ہوئے دنوں کو یاد کرتا ہے۔۔۔خوش باش لوگ بھی انہیں بھلا نہیں سکتے''۔

کھیتوں سے گزر کر جب ہم واپس جا رہے تھے تو سورج غروب ہونے کو تھا اور وہ ایک سنہری تھال کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ابھی وہ لٹک ہی رہا تھا کہ مشرق کی شمت چاند نظر آنے لگا۔۔۔بیل گاڑی کے پہیے جتنا بڑا اور نقرئی۔ پانچ یا شاید دس منٹوں تک دو مختلف کونوں میں چاند اور سورج ایک دوسرے کے روبرو رہے۔

اس نرالی روشنی میں درخت' گندم کے گٹھے' سورج مکھی کے ڈنٹھل اور پھولوں کے کنج لہلہانے لگے۔لگتا تھا کہ کھیت کا چپہ چپہ سرمستی سے سرشار ہو رہا ہے۔اس لمحے میں نے دھرتی کی وہی پرانی کشش محسوس کی۔۔۔وہ شاندار جادو جو راتوں کو ان کھیتوں میں سر چڑھ کر بولتا ہے۔میرے دل میں آرزو ہوئی کہ کاش پھر سے میں چھوٹا سا لڑکا بن جاؤں اور میرا سفر یہیں ختم ہو جائے۔

کھیت کے کنارے پر پہنچ کر ہماری راہیں جدا ہو گئی۔انطونیا کے ہاتھ تھام کر میں نے انہیں سینے سے لگا لیا اور ایک بار پھر مجھے ان کی مضبوطی' حرارت اور اچھائی کا احساس ہوا۔ مجھے یاد آنے لگا کہ ان ہاتھوں نے مجھے کیا کیا فیض پہنچائے تھے۔کتنی دیر میں انہیں اپنے دل سے لگائے کھڑا رہا۔چاروں طرف اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔اس کا چہرہ اب دھندلا رہا تھا۔۔۔ چہرہ جسے ہر دم میں اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔

''میں واپس آؤں گا''۔۔۔۔۔میں نے نرم اور مداخلت کار اندھیرے میں دل کہ گہرائیوں سے کہا۔

''ہاں شاید تم آؤ گے''۔۔۔۔ دیکھنے کی بجائے انطونیا کی مسکراہٹ کو میں نے محسوس کیا تھا۔''اور نہ بھی آؤ تو۔۔۔میرے باپ کی طرح۔۔۔تم یہیں ہو گے۔اس لئے میں تنہا نہ ہوں گی''۔

جانی پہچانی سڑک پر جب میں اکیلا واپس جا رہا تھا تو مجھے لگا جیسے ایک لڑکا اور لڑکی میرے ساتھ چل رہے ہوں۔۔۔ویسے ہی جیسے گھاس میں ہنستے کھیلتے ہمارے سائے سنگ چلا کرتے تھے۔

☆☆☆

MashalBooks.com

پانچواں حصہ

کیوزک لڑکے

انطونیا سے میں نے واپس آنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن زندگی کے رنگ نرالے ہیں۔ اس نے مجھے بیس برسوں تک یہ وعدہ وفا کرنے سے روکے رکھا۔ کبھی کبھی مجھے انطونیا کے بارے میں اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ مثلاً مجھے معلوم ہوا کہ میری روانگی کے فوراً بعد اس نے ایک جواں سال بوہیمین سے شادی کر لی تھی جو انطونیا جیلی نک کا کزن تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ وہ لوگ مفلس تھے اور خاندان بڑا تھا۔ ایک بار جب میں بیرون ملک گیا ہوا تھا تو بوہیمیا بھی جا پہنچا۔ پراگ سے میں نے انطونیا کو اس کے آبائی گاؤں کی چند تصاویر ارسال کیں۔ مہینوں بعد اس کی طرف سے ایک خط موصول ہوا۔ اس نے اپنے بہت سے بچوں کے نام اور عمریں لکھی تھیں۔ کوئی اور بات درج نہ تھی۔ ہاں، اس نے دستخط یوں کئے تھے: ''تمہاری پرانی دوست، انطونیا کیوزک۔''

سالٹ لیک میں جب ٹائنی سٹودر ہال سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ انطونیا کے حالات اچھے نہ تھے۔ اس کا شوہر لاچار و بے بس شخص تھا اور یہ کہ اس کی زندگی بہت کٹھن تھی۔ شاید یہ بزدلی تھی جس نے اس قدر طویل عرصے تک مجھے اس سے دور رکھا۔ کاروبار کے سلسلے میں ہر سال میں کئی بار مغرب کی طرف جاتا اور میرے ذہن میں ہوتا تھا کہ کسی روز میں نبراسکا میں رکوں گا اور انطونیا سے ملنے جاؤں گا۔ لیکن ہر بار میں اسے آئندہ پر ڈال دیتا۔ میں اسے سال خوردہ اور مصیبت زدہ حالت میں نہ دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ واقعی مجھے اس بات سے ہول اٹھتا تھا۔ بزدلی کے بیس برسوں کے دوران بہت سے فریب ختم ہو جایا کرتے ہیں، لیکن

میں پرانے فریبوں سے محروم نہ ہونا چاہتا تھا۔ بعض یادیں حقیقت ہوتی ہیں اور ہر اس شے سے بہتر لگتی ہیں جو دوبارہ رونما ہو سکتی ہے۔

یہ لینا لنگارڈ کے طفیل تھا کہ میں آخر کار انطونیا سے ملنے چلا گیا۔ دو گرمیاں پہلے میں سان فرانسسکو میں تھا۔ لینا اور ٹائنی سوڈر بال بھی شہر میں تھیں۔ ٹائنی تو وہاں اپنے گھر میں رہتی ہے اور لینا کی دکان قریب ہی واقع ہے۔ اتنے برسوں کے بعد ان عورتوں کو یکجا دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ ٹائنی کبھی کبھار لینا کے اکاؤنٹس کا جانچ پڑتال کرتی ہے اور اس کی رقم کی اس کی خاطر سرمایہ کاری بھی کرتی ہے۔ دوسری طرف لینا بھی بظاہر اس امر پر نظر رکھتی ہے کہ ٹائنی کے حالات زیادہ خراب نہ ہو جائیں۔ ''اگر کوئی ایسی شے ہے جسے میں برداشت نہیں کر سکتی'' اس نے ٹائنی کی موجودگی میں مجھ سے کہا ''تو وہ فرسودہ امیر عورت ہے''۔ ٹائنی مسکرا دی اور اس نے مجھے یقین دلایا کہ لینا نہ تو کبھی فرسودہ ہوگی اور نہ ہی امیر۔ ''خیر' میں ہونا بھی نہیں چاہتی''۔ لینا نے آسودہ خاطری سے ٹائنی کی بات سے اتفاق کیا۔

لینا نے انطونیا کا خوش دلی سے ذکر کیا اور اصرار کیا کہ میں اس سے ملنے جاؤں۔

''ہاں' تمہیں ضرور جانا چاہئے جم۔ اسے بہت خوشی ہوگی۔ ٹائنی کی باتوں میں نہ آؤ کیوزک کا کوئی مسلہ نہیں۔ تم اسے پسند کرو گے۔ بہت پیارے بچے ہیں ٹونی کے۔۔۔ اب تک دس گیارہ ہو چکے ہیں شاید۔ اپنے لئے مجھے اس قدر بڑا خاندان پسند نہیں' لیکن ٹونی کے لئے خیر یہ بات ٹھیک ہی ہے۔ بچوں کو تم سے ملوا کر وہ خوش ہوگی۔''

ایسٹ کو سفر کرتے ہوئے میں نبراسکا میں ہسٹینگ گھرانے میں رک کر ایک بگھی میں کیوزک فارم کی تلاش میں نکلا۔ دوپہر کے کچھ وقت بعد لگتا تھا کہ میں اپنی منزل تک پہنچ گیا ہوں۔ دائیں ہاتھ کی طرف مجھے زمین کے چڑھاؤ پر ایک بڑا سا فارم ہاؤس دکھائی دیا جس کے سامنے کی طرف مویشیوں کے یارڈ' سرخ باڑہ اور ایش کے درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ گھوڑوں کو روک کر میں سوچ ہی رہا تھا کہ آیا آگے جانا چاہئے کہ مجھے ہلکی ہلکی سی آوازیں آنے لگیں۔ اپنے آگے سڑک کے کنارے آلو بخارے کی گھنی جھاڑیوں میں مجھے دولڑکے ایک مردہ کتے پر جھکے ہوئے دکھائی دیئے۔ چھوٹے کی عمر چار پانچ سال تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا اور وہ شدید مایوسی کے عالم میں سر آگے جھکا کر دیکھ رہا تھا۔ دوسرا بچہ چھوٹے کے کندھوں پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا اور ایک ایسی زبان میں اسے تسلی دے رہا تھا' جو میں ایک عرصے سے نہ سنی تھی۔

گھوڑے جب میں نے ان کے سامنے روکے تو چھوٹے کا ہاتھ پکڑ کر بڑا لڑکا میری طرف بڑھا۔اس کا منہ اترا ہوا تھا۔ان کے لئے ایک اداس کن سہ پہر تھی۔

تم کیا مسز کیوزک کے بیٹے ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

چھوٹا اپنے ہی احساسات میں گم تھا۔اس نے سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔البتہ اس کے بھائی نے ذہین اور اداس آنکھوں کے ساتھ مجھے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔''جی ہاں' جناب''

''اچھا تو کیا وہ اس پہاڑی پر رہتی ہیں؟ میں نے ان سے ملنا ہے۔آؤ اور مجھے وہاں لے چلو''۔

اس نے چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا جو ہچکچا رہا تھا۔''ہمارا پیدل جانا ہی بہتر ہے۔ لیکن ہم آپ کے لئے گیٹ کھول دیں گے''۔

بگھی گھر کی طرف بڑھنے لگی اور وہ دونوں دھیرے دھیرے پیچھے آنے لگے۔پون چکی کے پاس جب میں رکا تو ایک اور لڑکا ننگے پاؤں اور گھنگھریالے بالوں والا' باڑے سے بھاگ کر آیا تا کہ گھوڑے باندھنے میں میری مدد کرے۔وہ کھلی رنگت والا خوبصورت لڑکا تھا۔ جب وہ میرے گھوڑے باندھ چکا تو میں نے پوچھا آیا اس کی ماں گھر پر تھی۔اس نے ہاں میں سر ہلایا۔خوشی سے اس کا چہرہ دمکنے لگا تھا۔مجھے معلوم تھا کہ گھر کی طرف بڑھتے ہوئے وہ میرا جائزہ لے رہا تھا۔

راستے میں بطخیں اور مرغابیاں شور مچا رہی تھیں۔پورچ کی سیڑھیوں پر سفید بلیاں' زرد کدوؤں کے قریب بیٹھ کر دھوپ سینک رہی تھیں۔وائر سکرین کی راہ سے میں نے ایک بڑے اور روشن باورچی خانے میں جھانکا۔باورچی خانے کا فرش سفید تھا اور اس میں ایک لمبی سی میز رکھی تھی۔دیوار کے ساتھ چوبی کرسیوں کی قطاریں تھی۔ایک کونے میں چمکدار چولہا رکھا تھا۔باورچی خانے کے بیلن میں دو لڑکیاں ہنستے اور باتیں کرتے ہوئے برتن دھو رہی تھیں۔ ایک چھوٹی لڑکی کھلی قمیض پہنے سٹول پر بیٹھ کر گڑیا سے کھیل رہی تھی۔جب میں نے ان کی ماں کے بارے میں پوچھا تو ایک لڑکی کے ہاتھوں سے گولیہ گر گیا اور بے آواز ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی غائب ہوگئی۔دوسری لڑکی' جس نے جوتے اور جرابیں پہن رکھی تھیں' دروازہ کھولنے کے لئے آگے بڑھی۔وہ ایک قبول صورت سیاہ بالوں اور آنکھوں والی پرسکون اور ٹھنڈے مزاج کی لڑکی تھی۔

MashalBooks.com

''اندر آ جایئے۔اماں ایک منٹ میں یہاں آ جائیں گی''۔

لڑکی کی دی ہوئی کرسی پر میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ معجزہ رونما ہوا۔۔۔ان لمحوں میں سے ایک لمحہ جو دل کو مٹھی میں بھینچ لیتے ہیں اور جو زندگی کے پرشور اور ولولہ انگیز زمانوں سے زیادہ جرات کا مطالبہ کرتے ہیں۔۔۔۔انطونیا اندر آئی اور میرے روبرو کھڑی ہوگئی۔اب وہ ایک مضبوط براؤن عورت تھی جس کی چھاتیاں ڈھلک چکی تھیں۔بھورے گھنگھریالے بال اس کے اب کسی قدر خاکستری مائل ہو رہے تھے۔بلاشبہ اسے دیکھ کر مجھے صدمہ ہوا۔مدتوں کے بعد لوگوں سے مل کر ہمیشہ یونہی ہوتا ہے۔۔۔۔خاص طور پر ان لوگوں سے جنہوں نے اس عورت جیسی کٹھن اور سخت زندگی بسر کی ہو۔ایک دوسرے کو ہم کھڑے دیکھتے رہے۔حیرانی سے مجھے دیکھنے والی آنکھیں۔۔۔۔بس انطونیا ہی کی آنکھیں تھیں۔آخری بار ان آنکھوں کو دیکھنے کے بعد سے میں نے ان جیسی آنکھیں نہ تھیں۔۔۔۔حالانکہ ان برسوں کے دوران میں نے ہزاروں انسانی چہرے دیکھے تھے۔اس کے روبرو جب میں کھڑا تھا تو اس میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں غیر واضح ہوتی گئیں اور اس کی شناخت ابھرنے لگی۔اپنی شخصیت کی پوری قوت کے ساتھ وہ میرے سامنے تھی۔زندگی نے اسے مسمار کر دیا تھا' لیکن وہ ہنوز ختم نہ ہوئی تھی۔وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔میری یادوں میں رچی ہوئی خشک دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔

''جناب میرے میاں گھر پر نہیں ہیں۔میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟''

ترچھی دھوپ میں اس نے تیوری چڑھائی جس سے اس کے بھورے بال پہلے سے بھی زیادہ گہرے دکھائی دینے لگے۔آنکھیں اس کی اچانک پھیلیں۔لگتا تھا اس کا چہرہ زیادہ چوڑا ہو گیا ہے۔سانس روک کر اس نے مشقت زدہ ہاتھ آگے بڑھائے۔

''ارے' تم جم ہو! انا' یولکا دیکھو' یہ جم برڈن ہیں!'' میرے ہاتھ تھامتے ہی جیسے وہ چونک سی گئی۔

''کیا ہوا۔۔۔کیا کوئی مر گیا؟''

میں نے اس کے بازو کو تھپکی دی۔

''نہیں۔۔۔ایسی کوئی بات نہیں۔میں کسی کے کفن دفن کے لئے نہیں آیا۔میں تو یہاں ٹرین سے اتر کر ہسپٹنگ لوگوں کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا اور یہاں تمہیں اور تمہارے گھر والوں

سے ملنے آیا ہوں''۔

میرا ہاتھ چھوڑ کر وہ ادھر ادھر بھاگنے لگی۔

''انطون' یولکا' نینا'۔۔۔ ارے تم سب کہاں ہو؟ انا' بھاگ کر ان لڑکوں کو ذرا دیکھو۔ وہ کتے کے پیچھے کہیں نکلے ہوں گے۔ اور ہاں لیو کو بھی بلاؤ۔ یہ لیو کا بچہ ہے کدھر؟ کونوں کھدروں سے وہ انہیں یوں کھینچ لائی جیسے کوئی بلی اپنے بچوں کو سمیٹ لیتی ہے۔ ''جم تمہیں فورا ہی تو واپس نہیں جانا؟ میرا سب سے بڑا بیٹا یہاں نہیں۔ وہ باپ کے ساتھ ولبر میں میلہ دیکھنے گیا ہے۔ میں تمہیں جانے نہ دوں گی۔ رڈولف اور پاپا سے مل کر ہی جانا''۔ ملتجی نگاہوں سے وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔۔۔۔ جذبے کی شدت سے ہانپ رہی تھی۔

جب میں اسے کافی دیر رکنے کا یقین دلا رہا تھا تو ننگے پاؤں والے لڑکے باہر سے باورچی خانے کی طرف آئے اور اس کے گرد جمع ہوئے لگے۔

''اچھا اب تم مجھے ان سب کے نام اور عمریں بتاؤ''۔

باری باری جب وہ ان کو ملوا رہی تھی تو ان کی عمروں کے بارے میں اس نے کئی غلطیاں کیں۔ اس پر وہ لڑکے زور سے ہنسنے لگے۔ جب وہ اس لڑکے کی طرف آئی' جس سے میں پون چکی پر مل چکا تھا' تو کہنے لگی۔ ''یہ ہے لیو اور یہ بڑا اس قدر ہے کہ اس کی حالت بہتر ہونی چاہیے تھی''۔

وہ بھاگ کر آگے آیا اور کسی چھوٹے سے مینڈھے کی طرح' پیار سے اپنا سر اسے مارنے لگا۔ آواز میں اس کی البتہ مایوسی کا عنصر شامل تھا۔

''بھول گئیں نا! آپ ہمیشہ میری عمر بھول جاتی ہیں۔ بہت بری بات ہے! ماں' انہیں بتاؤ نا!'' پریشانی کے عالم میں وہ مٹھیاں بھینچنے لگا۔

''اچھا تو پھر تم کتنے سال کے ہو؟'' انطونیا نے پوچھا۔

''میں بارہ سال کا ہوں'' گھٹے ہوئے انداز میں اس نے کہا۔ میرے بجائے اس کی نظریں ماں پر جمی ہوئی تھیں۔ ''میری عمر بارہ سال ہے اور میں ایسٹر کے روز پیدا ہوا تھا۔

سارے بچے مجھے دیکھنے لگے۔ جیسے انہیں امید ہو کہ اس اطلاع پر میں حیرانگی یا خوشی ظاہر کروں گا۔ بلاشبہ انہیں ایک دوسرے پر ناز تھا اور اس بات پر بھی کہ وہ بہت زیادہ ہیں۔ سب بچوں کا تعارف ہو چکا تو سب سے بڑی بیٹی' آنا نے' جو مجھے دروازے پر مل چکی تھی سب کو

MashalBooks.com

خاموشی سے منتشر کر دیا۔ پھر وہ ایک سفید بند لائی اور اسے ماں کی کمر کے گرد لپیٹ دیا۔

''اماں' اب تم بیٹھ کر مسٹر برڈن سے باتیں کرو۔ ہم خاموشی سے برتن دھوئیں گی اور تمہیں پریشان نہ کریں گی''۔

کسی قدر گھبراہٹ کے عالم میں انطونیا نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ ٹھیک ہے بیٹی۔ لیکن کیوں نہ ہم انہیں دیوان خانے میں لے جائیں۔ ہمارے پاس اب بیٹھنے کو اچھی جگہ ہے تو سہی''۔

بیٹی ہنسنے لگی اور اس نے میرا ہیٹ مجھ سے لے لیا۔ ''خیر' اماں' اس وقت آپ یہیں رہیں یہاں بیٹھ کر آپ باتیں کریں گی تو پھر میں اور یولکا بھی سن سکیں گے۔ دیوان خانہ انہیں ذرا ٹھہر کر دکھا دینا''۔ مجھے دیکھتے ہوئے مسکرائی اور بہن کے ساتھ برتن مانجھنے چلی گئی۔ گڑیا سے کھیلنے والی بچی نے اب سڑھیوں کے پہلے قدم پر ٹھکانہ تلاش کر لیا تھا' جہاں وہ پاؤں کی انگلیوں کو بل دیئے بیٹھی متجسس نگاہوں سے ہمیں دیکھتی جا رہی تھی۔

''یہ نینا ہے۔ نام اس کا ہم نے نینا ہارلنگ کے حوالے سے رکھا ہے۔'' انطونیا نے وضاحت کی۔ ''آنکھیں اس کی نینا سے ملتی ہیں نا! سچ کہتی ہوں جم' تم بچوں سے مجھے اتنا پیار تھا جتنا اپنے بچوں سے ہے۔ یہ سب بچے تمہارے' چارلی اور سیلی کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔۔۔ جیسے وہ تمہارے ساتھ ہی پلے بڑھے ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا میں کہنا کیا چاہتی ہوں۔ تم نے تو میرے اندر ہلچل سی پیدا کر دی ہے۔ یہ بھی کہ انگریزی مجھے بھول گئی ہے۔ اب میں اس میں زیادہ باتیں نہیں کرتی۔ بچوں کو بتایا کرتی ہوں کہ بہت اچھی انگریزی بولا کرتی تھی میں''۔ اس نے بتایا کہ بچے گھر میں ہمیشہ بوہیمین زبان بولتے ہیں۔ چھوٹے بچے تو سرے سے ہی انگریزی نہیں بول سکتے۔۔۔ سکول جانے کے بعد ہی وہ یہ زبان سیکھتے ہیں۔

یقین نہیں آتا کہ تم یہاں ہو۔۔۔ میرے سامنے' میرے ہی باورچی خانے میں۔ تم مجھے پہچان نہ سکتے تھے' ہے نا؟ خود تم ویسے کے ویسے ہی جوان ہو۔ خیر' مرد کے لئے یہ آسان ہے۔ میرا اپنا انطون بھی ویسا ہی لگتا ہے جیسا کہ شادی کے روز تھا۔ اس کے دانت ابھی تک ٹھیک ٹھاک ہیں۔ میرے تو اکثر ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔۔۔ پھر بھی میں خود کو پہلے کی طرح جوان محسوس کرتی ہوں اور پہلے جتنا کام کر سکتی ہوں۔ خیر' اب ہمیں پہلے جتنی مشقت نہیں کرنا پڑتی۔ مدد دینے والے اب ہمیں بہت سے میسر ہیں۔ اچھا تو جم تمہارے بچے کتنے ہیں؟''

MashalBooks.com

جب میں نے اسے بتایا کہ میرا کوئی بچہ نہیں، تو وہ حیران سی ہوگئی۔ ''کیا یہ بری بات نہیں! چاہو تو میرے فضول بچوں میں سے ایک لے لو۔ لیو ہی ٹھیک ہے۔۔۔ وہ سب سے فضول ہے''۔ مسکراتے ہوئے وہ میری طرف جھکی۔ ''اور میں اسے سب سے زیادہ پیار کرتی ہوں'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''اماں'' برتن دھوتے ہوئے دونوں بیٹیاں ملامت انداز میں بڑبڑائیں۔

سر جھٹک کر انطونیا ہنسنے لگی۔ ''تم جانو اس کے بغیر میرا گزارہ نہیں۔ شاید سبب یہ ہے کہ وہ ایسٹر کے روز پیدا ہوا تھا۔ ایک پل بھی وہ شرارت سے باز نہیں رہتا''۔

انطونیا کا جائزہ لیتے ہوئے میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ آخر اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔۔۔ مثلاً یہی اس کے دانتوں کا معاملہ۔ بہت سی عورتوں کو میں جانتا ہوں جن کے پاس وہ ساری چیزیں موجود ہیں جن سے انطونیا محروم ہو چکی ہے لیکن ان کے پاس باطنی روشنی نہیں۔ جو کچھ بھی کھویا ہوا انطونیا نے پر زندگی کی حرارت ابھی تک اس کے اندر تھی۔ اس کی جلد بھوری اور سخت ہوگئی تھی، لیکن ڈھلکی ہوئی نظر نہ آتی تھی۔

ہم باتیں کر رہے تھے تو وہ چھوٹا سا لڑکا، جس کو وہ جان پکار رہے تھے، اندر آیا اور سیڑھیوں کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے مضحکہ خیز سا ڈھیلا ڈھالا کرتا پہن رکھا تھا اور اس کے بال اس قدر چھوٹے تراشے گئے تھے کہ اس کا سر سفید اور ننگا دکھائی دے رہا تھا۔ اپنی بڑی سی دکھ بھری آنکھوں سے وہ ہمیں دیکھنے لگا۔

ماں، جان تمہیں کتے کی بتانا چاہتا ہے۔ وہ انہیں مردہ حالت میں ملا ہے''۔ انا نے کہا کپ بورڈ کی طرف جاتے ہوئے قریب سے گزرتے ہوئے کہا۔

انگلی کے اشارے سے انطونیا نے اس اپنے پاس بلا لیا اور وہ اس کی کرسی کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا، کہنیاں اس کے گھٹنے پر ٹیک دیں اور اپنی پتلی دبلی انگلیوں سے اس کے پیش دامن مروڑنے لگا۔ بوہیمین زبان میں وہ ماں کو قصہ سنا رہا تھا اور اس کی لمبی پلکوں میں آنسو لٹکے ہوئے تھے۔ ماں نے ساری بات سنی، نرمی سے اس سے کچھ کہا اور سرگوشی میں اس سے ایسا کوئی وعدہ کیا کہ وہ اپنے آنسوؤں کے ساتھ فوراً ہی مسکرانے لگا۔ یہاں سے کھسک کر اس نے اس بھید کے بارے میں نینا سے کھسر پھسر کی۔ پھر وہ نینا کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔

کام ختم کر کے ہاتھ دھونے کے بعد آنا آ کر ماں کی کرسی کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔

MashalBooks.com

''اماں' ہم مسٹر برڈن کو اپنا نیا پھلوں کا تہہ خانہ کیوں نہیں دکھاتے؟'' اس نے پوچھا۔

ہم سب صحن میں سے گزرنے لگے۔ لڑکے پون چکی کے پاس کھڑے کتے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک دو تہہ خانے کا دروازہ کھولنے کی خاطر بھاگ کر ہم سے آگے نکل گئے۔ ہم نیچے اترے تو وہ بھی اندر آ گئے۔ لڑکیوں کی طرح وہ بھی پھلوں کو ذخیرہ کرنے کے اس تہہ خانے پر نازاں دکھائی دیتے تھے۔

امبروش' وہ لڑکا جس نے آلو بخارے کے جھنڈ کے پاس میری رہنمائی کی تھی میری توجہ اینٹوں کی مضبوط دیوار اور سیمنٹ کے فرش کی طرف دلانے لگا۔ ''ہاں' یہ گھر سے فاصلے پر تو ہے'' اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا ''لیکن دیکھیں نا' سردیوں میں ہم سے کوئی نہ کوئی تو چیزیں لانے لیجانے کے لئے ادھر ہوتا ہی ہے''۔

''جم' تمہیں یقین نہ آئے گا کہ ان سب کی خاطر کس قدر خوراک درکار ہوتی ہے''۔ ان کی ماں کہنے لگی۔ ''ذرا یہ دیکھو کہ بدھ اور ہفتے کے روز ہم کس قدر روٹی تیار کرتے ہیں! لہذا حیرانگی کی بات نہیں کہ ان کا باپ' امیر نہیں ہو سکتا۔ کھانے پینے پر ہی اسے اتنا خرچ کرنا پڑتا ہے۔ گندم تو خیر ہم خود ہی اگاتے ہیں۔۔۔۔ لیکن فروخت کیلئے بچتی ہی کیا ہے۔''

نینا' جان اور لوسی نام کی چھوٹی لڑکی شرماتے ہوئے میری توجہ شیشے کے مرتبانوں کی طرف دلاتی رہی۔ یہ سب بچے منہ سے کچھ نہ بول رہے تھے لیکن میری طرف دیکھتے ہوئے اپنی انگلیوں سے مرتبانوں کی طرف اشارے کرتے رہے' گویا وہ مجھے ان میں بند لذتوں کا احساس دلانا چاہتے ہوں۔

''اماں' انہیں مصالحہ دار آلو بخارے دکھاؤ۔ امریکیوں کی ان کی کیا خبر!'' بڑے لڑکوں میں سے ایک نے کہا۔ ''اماں ان سے اچار بنایا کرتی ہے''۔ اس نے بات آگے بڑھائی۔

لیو نے اپنی ہلکی سی آواز میں بوہیمین زبان میں کوئی حقارت آمیز جملہ کہا۔

میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تمہارا خیال ہے کہ مجھے اچاروں کی خبر نہیں۔ ہیں نا؟ مگر نوجوان تم غلطی پر ہو۔ تمہاری پیدائش والے ایسٹر سے بہت پہلے میں تمہاری ماں کے اچار کھایا کرتا تھا۔''

''اور لیو' ہمیشہ ہی تازہ ہوتے ہیں وہ''

لیوں ماں کے پیچھے ہو کر کھسیانی کی ہنسی ہنسنے لگا۔

تہہ خانے سے ہم واپس ہوئے۔ پہلے میں اور انطونیا اوپر کی سیڑھیاں چڑھنے لگے اور بچے منتظر رہے۔ باہر نکل کر ہم باتیں کر رہے تھے تو وہ سب کے سب اکٹھے بھاگتے ہوئے اوپر آ گئے۔ بڑے اور چھوٹے' کاسنی سر' سنہرے سر' بھورے سر اور چھوٹی چھوٹی چمکیلی ٹانگیں۔ غار کے اندر سے جیسے زندگی کا کوئی گولا روشنی میں پھٹ پڑا ہو۔ ایک لمحے کے لئے میرا سر چکرانے لگا۔

لڑکے ہمیں گھر کے سامنے والے دروازے کی طرف لے گئے جو میں نے ابھی تک نہ دیکھا تھا۔ فارم ہاؤسز میں کسی نہ کسی طور زندگی عقبی دروازے سے جاری و ساری رہتی ہے۔ چھت اس قدر ڈھلوانی تھی کہ روتیاں اونچے ہولی ہوک کے درختوں کے جھنڈ سے زیادہ اونچی نہ تھیں۔ انطونیا نے بتایا کہ جولائی کے مہینے میں گھر ان درختوں میں چھپ جاتا ہے۔۔۔ مجھے یاد آیا کہ بوہیمین لوگ ہمیشہ ہی ہولی ہوک کے پودے لگایا کرتے تھے۔

گھر کی پشت پر تھوڑے سے فاصلے پر ایش درختوں کا ایک اور پھلدار درختوں کے دو جھنڈ تھے۔ ہم ان درختوں کی طرف بڑھنے لگے۔ جب ہم لوگ سیب کے جھنڈ میں سے گزر رہے تھے تو انطونیا رک رک کر مجھے مختلف درختوں کے بارے میں بتاتی جا رہی تھی۔ ''ان درختوں سے میں یوں پیار کرتی ہوں جیسے وہ درخت نہ ہوں' انسان ہوں'' درخت کی چھال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے مجھے بتایا۔ ''جب ہم پہلے پہل یہاں آئے تھے تو ایک بھی درخت نہ تھا۔ یہ سب ہم نے خود لگائے ہیں۔ ہم ان کے لئے پانی لے کر آیا کرتے تھے۔۔۔ یعنی سارا دن کھیتوں میں محنت کرنے کے بعد۔۔۔ تم جانو انطون تو شہر کا رہنے والا ہے۔ وہ پریشان ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اپنی ساری تھکاوٹوں کے باوجود میں ان درختوں کو پانی دینے اور دیکھ بھال کرنے کے لئے توانائی اکٹھی کر ہی لیا کرتی تھی۔ بچوں کی مانند وہ میرے سر پر سوار رہتے تھے۔ بارہا یوں بھی ہوا کہ راتوں کو انطون جب سو جاتا تو میں اٹھ کر ان درختو کو پانی دینے لگتی۔۔۔ اور اب تم دیکھ ہی رہے ہو وہ کس قدر خوبصورت ہو گئے ہیں۔ میرا میاں فلوریڈا میں سنگتروں کے باغات میں کام کرتا رہا ہے اور اسے پیوند کاری کے متعلق سب کچھ معلوم ہے۔ ہمارے ہمسایوں میں سے کسی کے پاس بھی پھلوں کا ایسا باغ نہیں''۔

باغ کے وسط میں ہم انگوروں کے ایک کنج کے پاس جا پہنچے جہاں ایک میز کے گرد

نشست گاہ بنی ہوئی تھی۔ تین بچے وہاں ہمارے منتظر تھے۔ شرمیلے سے انداز میں انہوں نے میری طرف دیکھا اور ماں سے کچھ درخواست کرنے لگے۔

''بچے چاہتے ہیں کہ تمہیں یہ بتاؤں کے استاد کیسے یہاں ہر سال سکول پکنک کا اہتمام کرتا ہے۔ خود یہ بچے ابھی سکول نہیں جاتے۔ اس لئے ان کے نزدیک سکول کا مطلب پکنک ہی ہے۔''

کنج کی جب میں کافی تعریف کر چکا تو بچے ایک کھلی جگہ کی طرف بھاگ گئے جہاں فرنچ پنکس پھولوں کا بے ترتیب سا جنگل تھا۔ وہاں وہ گھٹنے اٹھا کر بیٹھ گئے اور ایک ڈوری سے جگہ ناپنے لگے۔

''جان اپنے کتے کو یہاں دفن کرنا چاہتا ہے'' انطونیا نے وضاحت کی۔''میں نے اسے اجازت دے دی ہے۔ یہ تو یقیناً ہارلنگ قسم کا لڑکا ہے۔ تمہیں یاد ہے نا وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی دل پر کس قدر لگا لیتی تھی؟ اس کے خیالات بھی ویسے ہی عجیب وغریب ہیں''۔

بیٹھ کر ہم انہیں دیکھنے لگے۔ انطونیا نے کہنیاں میز پر ٹیک دی تھیں۔ باغ میں گہرا سکون تھا۔ تین چیزوں سے اس کی حد بندی کی گئی تھی۔۔۔ تار کا جنگلہ خاردار جھاڑیوں کی باڑ اور پھر ملبری کی باڑ جو گرما کی گرم ہواؤں اور سرما کی برف سے پناہ دیتی تھی۔ باڑیں اس قدر اونچی تھیں کہ ان کے اوپر نیلگوں آسمان کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔۔۔ باڑے کی چھت اور پون چکی بھی نظر نہ آ رہی تھیں۔ انگور کے سوکھے پتوں سے چھن چھن کر سہ پہر کی دھوپ ہم تک پہنچ رہی تھی۔ باغ میں چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور ہم درختوں پر لگے کچے سیبوں کی خوشبو سونگھ سکتے تھے۔ چند مرغیاں اور بطخیں باڑ میں سے رینگ کر اندر آ گئی تھیں اور اب گرے ہوئے سیبوں پر چونچیں مار رہی تھیں۔ گلابی نما بھورے جسم والی بطخیں بہت خوبصورت تھیں۔ ان کے سر اور گردنیں قوس وقزح کے رنگوں والے بالوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ انطونیا نے بتایا کہ اسے یہ جانور ہمیشہ ہی سپاہیوں کی یاد دلاتے تھے۔۔۔ بچپن میں پرانے علاقے میں اس نے شاید ایسی ہی رنگ برنگ وردیاں دیکھی ہوں گی۔

''ارے بھئی انطونیا' یہاں کوئی بیئر بھی بچا ہے یا نہیں؟'' میں نے پوچھا۔ مجھے یاد آیا کہ ہمارے شہر منتقل ہونے سے پہلے کے موسم گرم میں وہ میرے ساتھ شکار کے لئے جایا کرتی تھی۔''ٹونی نشانہ تمہارا برا نہ تھا۔ یاد ہے تمہیں' کیسے تم میرے اور چارلی ہارلنگ کے ساتھ

مرغابیاں پکڑنے جایا کرتی تھیں۔''

''یاد ہے۔خوب یاد ہے۔لیکن اب تو مجھے بندوق دیکھنے سے بھی ڈر لگتا ہے۔ماں جب سے بنی ہوں' کسی کی جان لینا اچھا نہیں لگتا۔کسی بوڑھی بطخ کی گردن دبانے سے بھی مجھے چکر سے آنے لگتے ہیں۔جم' ہے نا یہ عجیب بات؟''

معلوم نہیں۔مگر یہی بات میرے ایک دوست سے اطالیہ کی نوجوان ملکہ نے ایک بار کہی تھی۔پہلے وہ ایک ماہر شکاری عورت ہوا کرتی تھی۔لیکن اب اس کی سوچ بھی تمہارے جیسی ہے۔۔۔اور وہ صرف مٹی کے بنے ہوئے کبوتروں کو ہی نشانہ بناتی ہے''۔

''اچھا' پھر تو میرے خیال میں وہ ایک اچھی ماں ہوگی'' انطونیا گرم جوشی سے کہنے لگی۔

وہ مجھے بتانے لگی کہ وہ اور اس کا شوہر کیسے اس زمانے میں اس نئے علاقے میں آئے تھے جب یہاں اراضی سستی تھی اور آسان قسطوں پر بھی حاصل کی جاسکتی تھی۔پہلے دس برسوں کے دوران انہیں جان توڑ محنت کرنا پڑی تھی۔اس کے شوہر کو کھیتی باڑی کا زیادہ علم نہ تھا اور وہ اکثر اوقات حوصلہ ہار دیا کرتا تھا۔''اگر میں اس قدر مضبوط نہ ہوتی تو یہ معاملہ کبھی سرے نہ چڑھتا۔شکر ہے خدا کا میری صحت ہمیشہ اچھی رہی ہے اور میں بچوں کی پیدائش کے وقت تک کھیتوں میں اس کا ہاتھ بٹانے کے قابل تھی۔ہمارے بچے ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرنے کے معاملے میں بہت اچھے تھے۔مارتھا کو خیر تم نے بچپن میں دیکھا تھا۔وہ میری بہت مدد کرتی تھی اور آنا کو بھی اس نے اپنا جیسا بننے کی تربیت دی۔میری مارتھا کی اب شادی ہو چکی ہے اور اس کا ایک بچہ بھی ہے۔ہے نا مزے کی بات جم!

''ہاں' میں نے کبھی ہمت نہ ہاری تھی۔انطون بہت اچھا آدمی ہے۔بچوں سے مجھے پیار ہے اور ہمیشہ مجھے یقین رہا ہے کہ بڑے ہو کر وہ اچھے نکلیں گے۔ان کھیتوں سے بھی مجھے لگاؤ ہے اور یہاں مجھے کبھی تنہائی کا وہ احساس نہیں ہوا جو شہر میں ہوا کرتا تھا۔تم جانو' مجھے اداسی کے کیسے دورے پڑا کرتے تھے اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔یہاں کبھی وہ کیفیت مجھ پر طاری نہیں ہوئی۔کام سے میں نہیں گھبراتی''۔ٹھوڑی ہاتھ پر رکھ کر وہ باغ کو دیکھنے لگی جہاں دھوپ اور بھی زیادہ سنہری ہوتی جا رہی تھی۔

اس پر تعجب کرتے ہوئے میں کہنے لگا''ہاں انطونیا' تمہیں شہر جانا ہی نہ چاہئے

تھا''۔

شوق سے اس نے میری طرف دیکھا۔

''ارے' مجھے تو خوشی ہے کہ میں شہر گئی تھی۔ اگر میں نہ جاتی کھانے پکانے اور گھر بار سنبھالنے کے متعلق مجھے کچھ بھی معلوم نہ ہوتا۔ ہارلنگ گھرانے میں میں نے بہت سی اچھی اچھی باتیں سیکھی تھیں۔ اس لئے میں اپنے بچوں کی پرورش بہتر طور پر کر پائی ہوں۔ دیکھتے نہیں تم' دیہاتی لڑکوں کے مقابلے میں وہ کس قدر خوش اطوار ہیں۔ مسز ہارلنگ نے اگر مجھے اچھے طور طریقے نہ سکھائے ہوتے تو پھر شاید ان کی پال پوس جنگلی خرگوشوں جیسی ہوتی۔ ہاں۔ مجھے خوشی ہے کہ مجھے سیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔۔۔ اور میں شکر گزار ہوں اس بات پر کہ میری کسی بیٹی کو باہر محنت مزدوری نہ کرنی پڑے گی۔ میرے ساتھ' جم' مشکل یہ تھی کہ میں اپنے پیاروں کو کوئی تکلیف نہ دے سکتی تھی''۔

ہم جب باتیں کر رہے تھے تو انطونیا نے مجھے یقین دلایا کہ وہ مجھے رات رکھ سکتی تھی۔ ''بہت سی جگہ ہے ہمارے پاس۔ دولڑکے سردیوں کی آمد تک گھاس پھونس کے کمرے میں سوتے تھے۔ لیکن اس کی ضرورت نہ تھی۔ لیو ہمیشہ وہاں سونے کی ضد کرتا ہے اور اس کی دیکھ بھال کے لئے امبروش بھی وہیں چلا جاتا ہے''۔

میں نے اسے بتایا کہ میں بھی لڑکوں کے ساتھ وہیں سونا پسند کروں گا۔

''جیسے تمہاری مرضی۔ پیٹی صاف ستھرے کمبلوں سے بھری ہے۔ سردیوں کے لئے انہیں وہاں رکھا ہوا ہے۔ اچھا اب میں چلتی ہوں' ورنہ سارا کام میری لڑکیاں ہی کر دیں گی۔ کھانا تمہارے لئے میں خود پکانا چاہتی ہوں۔

گھر کی جانب جاتے ہوئے ہماری مڈبھیڑ امبروش اور انطون سے ہوئی جو دودھ دوہنے جا رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ کچھ فاصلے پر لیو بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ وہ آگے بھاگتا اور چلاتا جا رہا تھا کہ ''میں جیک خرگوش ہوں'' اور یہ کہ میں اژدھا ہوں''۔

میں ذہین شفاف آنکھوں اور مضبوط جسم والے بڑی عمر کے دولڑکوں کے درمیان چل رہا تھا۔ وہ اپنے سکول اور نئے استاد کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھے فصلوں اور ان کی کٹائی کے متعلق بتایا اور یہ ذکر بھی کیا کہ اس موسم سرما میں وہ کتنے بچھڑوں کو

کھلائے پلائیں گے۔ یوں وہ مجھ پر اعتماد کر رہے تھے جیسے میں اس خاندان کا پرانا دوست ہوں۔۔۔۔ اور عمر میں زیادہ بڑا بھی نہیں ہوں۔ میں ان کی رفاقت میں اپنے آپ کو لڑکا ہی محسوس کرنے لگا۔ پرانی دلچسپیاں پھر سے مجھے یاد آنے لگیں۔

امبروش پوچھنے لگا' ''ماں نے آپ کو وہ تصویریں دکھائی ہیں جو پرانے وطن سے آپ نے بھیجی تھیں؟ فریم کروالیا ہے ہم نے انہیں اور اب وہ دیوان خانے میں لٹک رہی ہیں۔ تصویریں پا کر اماں بہت خوش ہوئی تھی۔ میرا نہیں خیال کہ کسی اور چیز کے بارے میں اسے میں نے اتنا خوش دیکھا ہو۔ امبروش کی آواز میں احسان مندی کا عنصر بھی شامل تھا۔ میں سوچنے لگا کہ کاش میں نے اس کا زیادہ موقع دیا ہوتا۔

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے میں نے کہا۔ ''پتہ ہے تمہیں' تمہاری ماں کو ہم سب بہت چاہتے تھے۔ وہ خوبصورت لڑکی ہوا کرتی تھی۔

''جی ہاں۔ بالکل پتہ ہے'' وہ دونوں ایک ساتھ بول اٹھے اور حیران بھی دکھائی دیتے تھے کہ میں نے اس بھولی بسری بات کا ذکر کیوں ضروری سمجھا ہے۔ ''سبھی اس کو چاہتے تھے ناں۔ ہارلنگ گھرانا' آپ کی دادی اماں اور قصبے کے سارے لوگ۔ ٹھیک ہے نا؟''

میں نے مزید جرات کی۔ کبھی کبھی بیٹوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ کسی زمانے میں ان کی ماں جوان تھی اور حسین بھی''۔

''ارے' ہمیں تو پتہ ہے'' دونوں پھر گرم جوشی سے کہنے لگے۔ ''ویسے وہ اب بھی زیادہ بوڑھی نہیں'' امبروش نے بات بڑھائی۔ ''آپ سے زیادہ بوڑھی تو نہیں''۔

''خیر'' میں کہنے لگا ''تم لوگوں نے اگر اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا تو پھر تمہیں ٹھیک کرنا پڑے گا۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم لوگ اس سے لاپرواہی برتو یا اسے محض اپنی خدمت گار سمجھو۔ دیکھو نا' ایک زمانہ تھا کہ میں اسے بہت چاہتا تھا۔۔۔ اور مجھے معلوم ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں''۔

لڑکے ہنسنے لگے۔ لگتا تھا کہ وہ خوش ہوئے اور حیران بھی۔

''ہمیں تو اس نے یہ بات کبھی نہیں بتائی'' انطون کہنے لگا۔ ''ہاں' تمہارے بارے میں وہ بہت باتیں کرتی رہتی ہے اور تمہارے ساتھ گزرے ہوئے اچھے دنوں کا چرچا بھی کرتی ہے۔ تمہاری اس کے پاس ایک تصویر ہے جو اس نے کبھی شکاگو کے کسی اخبار سے کاٹی

MashalBooks.com

تھی۔۔۔۔اور لیو کہتا ہے کہ جب تم پون چکی کے پاس پہنچے تھے تو اس نے تمہیں پہچان لیا تھا۔ لیکن لیو کے کیا کہنے۔کبھی وہ زیادہ چالاک بننے کی کوشش کرتا ہے''۔

رات جب قدم قدم اترنے لگی تھی تو ہم گائیں باڑے میں لائے۔لڑکے دودھ دوہنے لگے۔ ہر شے دیسی تھی جیسی کہ ہونی چاہیئے۔شبنم میں سورج مکھی کے پھولوں کی تیز خوشبو رچی ہوئی تھی۔آسمان نیلگوں اور صاف تھا۔شام کا ستارہ روشن تھا۔ مجھے کھیتوں میں کام کرنے والے نوجوان کی شام کی تنہائی کے احساس نے گھیر لیا۔۔۔احساس جو زندگی کی تھکا دینے والی یکسانیت سے جنم لیتا ہے اور جب دنیا دور، بہت دور محسوس ہوتی ہے۔

کھانے کے میز پر تو گویا ہجوم سا ہو گیا تھا۔لیمپ کی روشنی میں بے چین سروں کی دو قطاریں دکھائی دے رہی تھیں۔نظریں انطونیا پر مرکوز تھیں جو سب کو کھانا ڈال کر دے رہی تھی۔ بچے ترتیب کے مطابق بیٹھے تھے۔۔۔ بڑے بچے کے ساتھ چھوٹا بچہ جو اس کے طرز عمل پر نظر رکھتا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھتا کہ اس نے کھانا ٹھیک سے کھایا ہے یا نہیں۔آنا اور یولکا کھانا لینے کی خاطر وقتاً فوقتاً اپنی جگہ سے اٹھ رہی تھیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہم دیوان خانے میں چلے گئے تا کہ یولکا اور لیو کی موسیقی سے لطف اندوز ہو سکیں۔ لیمپ لے کر انطونیا سب سے پہلے داخل ہوئی۔کمرے میں کرسیاں کافی نہ تھیں۔لہذا چھوٹے بچوں کو فرش پر بیٹھنا پڑا۔ننھی لوسی نے میرے کان میں کہا کہ گندم کی فصل کی اگر اچھی قیمت مل گئی تو وہ لوگ اس کمرے کے لئے قالین خریدیں گے۔ خاصے غل غپاڑے کے بعد لیو نے اپنا وائلن نکالا۔ یہ وہی ساز تھا جو مسٹر شمرد ا بجایا کرتا تھا اور جسے انطونیا نے بڑی حفاظت سے رکھا ہوا تھا۔لیو کے لحاظ سے یہ ساز بڑا تھا۔اس نے کسی سے تربیت بھی حاصل نہ کی تھی۔ پھر بھی وائلن اس نے خوب بجایا۔ بے چاری یولکا کی کوششیں البتہ زیادہ کامیاب ثابت نہ ہوئیں۔ جب وہ دونوں ساز بجا رہے تھے تو ننھی نینا کو نے سے اٹھی اور فرش کے وسط میں آ کر ننگے پاؤں ناچنے لگی۔کسی نے اس پر توجہ نہ دی اور وہ خود ہی بھائی کے پاس جا بیٹھی۔

انطونیا بوہیمین زبان میں لیو سے باتیں کرنے لگی۔وہ ناک چڑھانے کی کوشش کرتا دکھائی دیتا تھا، لیکن چہرے پر گڑھے غیر متوقع جگہوں پر پڑ رہے تھے۔خیر، سر ٹھیک کرنے کے بعد اس نے چند بوہمینی نغمے سنائے۔وہ لڑکا اس قدر بے چین تھا کہ پہلے مجھے اس کے چہرے پر

نگاہ ڈالنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔اس کی آنکھیں بھی دوسرے لڑکوں سے مختلف تھیں۔اس کی ماں کا کہنا تھا کہ دوسرے تمام بچوں کے مقابلے میں وہ زیادہ زخمی ہوتا رہتا ہے۔شرارتیں بھی زیادہ کرتا ہے اور مویشی بھی اس کی دستبرد سے محفوظ نہیں۔

موسیقی سے فارغ ہوئے تو انطونیا تصویروں سے بھرا صندوقچہ اٹھا لائی۔۔۔بہت سی تصویریں تھیں۔انطونیا اور انطون کی شادی کے لباس میں تصویر جس میں انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔اس کے بھائی امبروش کی موٹی تازی بیوی کے ساتھ تصویر۔ اس بیوی کا اپنا ایک فارم بھی تھا اور اس نے امبروش کی بہت دبا کر رکھا ہوا تھا۔۔۔یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی۔پھر تین بوہیمین میری بہنوں اور ان کے لمبے چوڑے بال بچوں کی تصویریں بھی تھیں۔

انطونیا مجھے بتانے لگی۔۔۔''تمہیں یقین نہ آئے گا کہ یہ لڑکیاں کس قدر ثابت قدم ثابت ہوئی ہیں۔میری سوو بوڈا اس سارے علاقے کی بہترین مکھن بنانے والی ہے اور وہ ایک اچھی منیجر بھی ہے۔اس کے بچوں کو آگے بڑھنے کا شاندار موقع نصیب ہوگا''۔

انطونیا جب تصویریں پلٹ رہی تھی تو بچے پیچھے کھڑے بڑی توجہ کے ساتھ اس کے کندھوں کے اوپر سے تصویریں دیکھ رہے تھے۔نینا اور جان پہلے تو جھانکنے کو کوشش کرتے رہے اور پھر خاموشی سے ایک کرسی لا کر اس پر کھڑے ہو گئے اور تصویریں دیکھنے لگے۔چھوٹا لڑکا اپنا شرمیلا پن بھول کر جانے پہچانے چہروں کی تصویریں دیکھ کر خوشی سے ہنسنے لگا۔انطونیا کے گرد جمع ہونے والے گروہ میں سے میں ایک قسم کی جسمانی آہنگی کا خیال رکھ رہا تھا' جب کہ وہ سب ادھر ادھر جھک رہے تھے اور ایک دوسرے کو چھونے سے انہیں کوئی خوف لاحق نہ تھا۔ مسرت انگیز پہچان کے ساتھ وہ تصویروں کا جائزہ لیتے۔تعریفی انداز میں بعض تصاویر کو دیکھتے جیسے ان کی ماں کی بچپن کی دنیا کے یہ کردار اہم لوگ ہوں۔چھوٹے بچے جو انگریزی نہیں بول سکتے تھے' بوہیمین زبان میں سرگوشیوں میں آپس میں تبصرے کر رہے تھے۔

انطونیا نے لینا کی ایک تصویر نکالی جو اس نے گزشتہ کرسمس کے موقع پر سان فرانسسکو سے ارسال کی تھی۔''کیا وہ اب بھی ویسی ہی دکھائی دیتی ہے؟ چھ سال سے وہ گھر نہیں آئی''۔میں نے اسے بتایا کہ لینا اب بھی ویسی کی ویسی تھی۔

گھڑ سواری کے لباس میں فرانسس ہارلنگ کی بھی ایک تصویر تھی۔اس کا یہ لباس مجھے

اچھی طرح یاد تھا۔ ''کیا وہ اچھی نہیں لگتی؟'' لڑکیاں بڑبڑائیں۔ اس پر ان سب نے اقرار کیا۔ یہ بات محسوس کی جا سکتی تھی کہ خاندانی روایت میں فرانسس کو ایک ہیروئین کا درجہ حاصل تھا۔ بس لیو ہی تھا جس پر کوئی اثر ہی نہ ہوا۔

''اور یہ ہیں اپنے شاندار پشمی کوٹ میں ہارلنگ صاحب۔ اماں وہ بڑے امیر تھے نا؟''

''وہ کوئی راک فیلر تو نہ تھے'' بڑی دھیمی آواز نے لقمہ دیا۔ اس لہجے نے مجھے مسز شمردا کی یاد دلائی جس نے ایک بار کہا تھا کہ میرے دادا جان یسوع مسیح تو نہ تھے۔ لیو کی دائمی تشکیک پرستی اس بڑھیا کا براہ راست ورثہ تھی۔

''زبان دراز قابو میں رکھو'' امبروش نے ڈانٹا۔ ایک لمحے بعد سب بچے مشکل سے بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے درمیان کھلے ڈھلے کپڑوں میں ملبوس ایک عجیب لڑکے کی تصویر دیکھ کر ہنسنے لگے۔۔۔ یہ جیک کی' اوٹو کی اور میری تصویر تھی۔ مجھے یاد ہے کہ یہ تصویر بلیک ہاک میں اتروائی گئی تھی جب کہ نبرسکا میں آمد کے بعد پہلے یوم آزادی کے موقع پر ہم لوگ وہاں گئے تھے۔ جیک کی مسکراہٹ اور اوٹو کی خوفناک مونچھیں دوبارہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ یہ بچے ان کے بارے میں سب کچھ جانتے تھے۔

''جم' کیا وہ اچھے لوگ نہ تھے؟'' بھری ہوئی آنکھوں سے انطونیا کہنے لگی۔ ''آج بھی مجھے اس بات پر شرم آتی ہے کہ جیک کے ساتھ میں اس برے طریقے سے لڑی تھی۔ بات یہ ہے لیو کہ اس کے ساتھ میں ویسی ہی بدتمیز اور گستاخ تھی جس طرح تم کبھی کبھی لوگوں کے ساتھ بن جاتے ہو۔ کاش کسی نے مجھے روکا ہوتا''۔

''ابھی معاملہ ختم نہیں ہوا'' انہوں نے مجھے انتباہ کیا۔ انہوں نے میری ایک تصویر نکالی جو میرے کالج میں داخل ہونے سے کچھ پہلے اتاری گئی تھی۔۔۔ ایک دراز قد نوجوان کی تصویر جس نے دھاری دار پتلون اور تنکوں کا ہیٹ پہن رکھا تھا اور خوش باش دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

چارلی کہنے لگا' ''مسٹر برڈن ذرا اس سانپ کا قصہ تو سنایئے جو آپ نے ڈاگ ٹاؤن میں مارا تھا۔ کتنا لمبا تھا وہ؟ اماں کبھی اسے چھ فٹ لمبا بتاتی ہے اور کبھی پانچ فٹ''۔

انطونیا کے ساتھ ان بچوں کا رویہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کئی سال پہلے ہارلنگ بچوں

کا تھا۔ وہ بھی اس میں ویسا ہی فخر محسوس کرتے تھے اور اس سے کہانیوں اور تفریح کی توقع کرتے تھے جیسے کہ ہم کیا کرتے تھے۔

گیارہ بج چکے تھے جب میں آخر کار اٹھا' اپنا بیگ اور کمبل لئے اور لڑکوں کے ساتھ باڑے کی طرف جانے لگا۔ ان کی ماں دروازے تک ہمارے ساتھ آئی جہاں ایک لمحے کے لئے رک کر باہر چاندنی میں نکھرا ہوا منظر دیکھنے لگے۔

لڑکوں نے مجھے اپنے لئے جگہ منتخب کرنے کو کہا اور میں بڑی کھڑکی کے پاس لیٹ گیا جو گرم موسم کی وجہ سے کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ کھڑکی سے ستاروں کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ امبروش اور لیو دونوں گھاس کے اندر دراز ہو گئے اور ان کے ہنسنے اور سرگوشیاں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ وہ چھیڑ چھاڑ کرتے رہے اور پھر یکدم خاموش ہو گئے۔ ہنسنے کھیلنے سے سونے تک کا فاصلہ انہوں نے پلک جھپکتے ہی طے کر لیا تھا۔

دیر تک میں جاگتا رہا یہاں تک کہ کاہل چاند بھی میری کھڑکی سے گزر کر آگے کو نکل گیا۔ انطونیا اور اس کے بچوں کے بارے میں میں سوچ رہا تھا۔۔۔ اس کے لئے انا کے اندیشوں' امبروش کی گہری چاہت اور لیو کی حاسدانہ اور ننھی سی جذباتی محبت سے متعلق خیالات میرے ذہن میں گھوم رہے تھے۔ وہ لمحہ کہ جب وہ سب قلابازیاں کھاتے ہوئے غار سے باہر روشنی میں آئے تھے ایسا منظر پیش کرتا تھا کہ جس کو دیکھنے کی خاطر اتنی دور آنا بے جا نہ تھا۔ رہی انطونیا' تو وہ ہمیشہ ہی ذہن پر ایسے نقوش مرتسم کرتی تھی جو کبھی پھیکے نہ پڑتے تھے۔۔۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ گہرے ہوتے جاتے تھے۔ میرے ذہن میں ایسے نقش و نگار کا ایک پورا تسلسل تھا۔۔۔ میرے گھوڑے کو اپنی ننگی ٹانگیں مارتی ہوئی انطونیا جب کہ ہم اپنے سانپ کے ساتھ کامیابی کے جھنڈے گاڑتے ہوئے واپس آ رہے تھے۔۔۔ چشمی ٹوپی اور سیاہ شال میں لپٹی ہوئی انطونیا جب کہ وہ برف کے طوفان میں اپنے باپ کی قبر کے پاس کھڑی تھی۔۔۔۔ شام کو کھیتوں میں کام کاج کرنے کے بعد گھر میں لوٹتی ہوئی انطونیا۔ اس نے اپنے تئیں ان قدیم انسانی رویوں کے انداز میں پیش کیا تھا جن کو جبلت کے وسیلے سے ہم عالمگیر اور سچا تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں' میں غلطی پر نہ تھا۔ اب وہ خوبصورت دوشیزہ نہ رہی تھی' ایک مسخ شدہ صورت کے روپ میں ڈھل چکی تھی۔۔۔۔ لیکن اب بھی اس کے اندر وہ چیز موجود تھی جو تخیل میں آگ لگا سکتی ہے اور عام چیزوں کے معانی اجاگر کرنے والی محض ایک نظر یا

اشارے سے لمحہ بھر کے لئے دوسرے کے حواس شل کر سکتی ہے۔ وہ اگر بس جنگلی سیب کے درخت پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو جائے اور سیبوں کو دیکھنے لگے تو آپ کو اگانے' پروان چڑھانے اور فصل کاٹنے کے حسن وخوبی کا احساس دلا سکتی ہے۔ اس کے دل کی ساری اچھی باتیں اس کے جسم پر نمایاں ہو جاتی تھیں۔۔۔۔ اور یہ ساری اچھی باتیں نفیس جذبات کی انتھک خدمت گزار رہی تھیں۔

یہ تعجب کی بات نہیں کہ انطونیا کے بیٹے جواں ہمت اور توانا تھے۔۔۔ ابتدائی نسلوں کے بانیوں کی طرح وہ زندگی کا شاندار منبع تھی۔

(2)

دوسری صبح میں جاگا تو کھڑکی میں سے گزرتی ہوئی دھوپ دونوں لڑکوں پر پڑ رہی تھی۔ لیو بھی جاگ رہا تھا اور گھاس میں سے صنوبر کا خشک پھول نکال کر بھائی کی ٹانگ پر گدگدی کر رہا تھا۔ اسے ٹانگ مار کر امبروش نے پہلو بدلا۔ آنکھیں بند کر کے میں سونے کا بہانہ کرنے لگا۔ لیو اب الٹا لیٹا تھا۔ اس نے ایک پاؤں اٹھایا اور اس کی انگلیوں کے ذریعے خشک پھول اٹھا کر انہیں دھوپ کی شعاعوں میں پھینکنے لگا۔ تھوڑی دیر یوں دل بہلانے کے بعد وہ ایک کہنی کے بل اٹھا اور پہلے احتیاط سے اور پھر پوری توجہ سے مجھے دیکھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ دھوپ میں آنکھیں جھپکتا جا رہا تھا۔ انداز اس کا مضحکہ خیز تھا اور بے نیازی سے اس نے مجھے نظر انداز کر دیا۔ ''یہ شخص بھی دوسرے لوگوں سے مختلف نہیں۔ اسے میرے بھید کی خبر نہیں''۔ لگتا تھا کہ وہ اس بات سے آگہ ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں لطف اندوزی کی گہری صلاحیت کا حامل ہے۔ سوچے بغیر ہی اسے اپنی ضرورتوں کا علم ہوتا تھا۔

گھاس میں کپڑے تبدیل کرنے کے بعد میں نے پون چکی پر ٹھنڈے پانی سے منہ دھویا۔ جب میں باورچی خانے میں داخل ہوا تو ناشتہ تیار تھا۔ تینوں بڑے لڑکے کھیتوں کے لئے روانہ ہو گئے' جب کہ لیو اور یولکا اپنے باپ سے ملنے شہر جانے والے تھے جو دوپہر کی ٹرین سے ولبر سے آنے والا تھا۔

''دوپہر کو ہم لنچ کریں گے'' انطونیا نے کہا ''اور شام کو جب کہ انطون بھی یہاں ہو گا بطخیں پکائیں گے۔ کاش تم سے ملنے کو مارتھا بھی آ سکتی۔ مارتھا اور اس کے شوہر کے پاس

ایک فورڈ کار ہے اور یوں دوری اتنی نہیں رہی جتنی کہ ہوا کرتی تھی۔ لیکن اس کے شوہر کا دل تو بس فارم ہی میں اٹکا رہتا ہے۔ اتوار کے سوا وہ لوگ کم ہی باہر نکلتے ہیں۔ وہ ایک خوبصورت نوجوان ہے اور مجھے امید ہے کہ ایک دن وہ امیر ہو جائے گا۔ جس شے میں وہ ہاتھ ڈالتا ہے سونا ہو جاتی ہے جب وہ اپنا بچہ لے کر یہاں آئے تھے اور اس کے مکھڑے سے نقاب اٹھائی تھی تو وہ ایک ننھا شہزادہ دکھائی دیتا تھا۔ مارتھا اس کی بہت اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے۔ اس کی جدائی سے اب میں نے سمجھوتہ کر لیا ہے' ورنہ پہلے پہل تو میں یوں چلاتی تھی جیسے اسے کفن میں ڈال رہی ہوں۔

باورچی خانے میں ہم دونوں تھے اور بس آنا تھی جو مکھن نکالنے والی مشین میں کریم ڈال رہی تھی۔ میری طرف دیکھ کر وہ کہنے لگی۔ ''ہاں' واقعی اماں کی حالت بہت خراب تھی۔ ہمیں اس پر شرم آتی تھی۔ مارتھا بہت خوش تھی اور ہم سب بھی' لیکن اماں تو روتی رہتی تھیں۔ اماں نے واقعی تمہارے ساتھ برداشت سے کام لیا تھا۔''

انطونیا نے سر ہلایا اور اپنے آپ پر مسکرا دی۔ ''ہوں۔ مجھے پتہ ہے یہ حماقت تھی۔ لیکن یہ بات میرے بس میں نہ تھی۔ مارتھا کو میں بس اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتی تھی۔ پہلے دن ہی سے کبھی وہ ایک رات کے لئے بھی مجھ سے جدا نہ ہوئی تھی۔ انطون اگر اس کے بارے میں کوئی مصیبت کھڑی کرتا یا مجھے مجبور کرتا کہ میں اسے اپنی ماں کے پاس چھوڑ آؤں تو میں کبھی اس سے شادی نہ کرتی۔ ہرگز نہیں۔ لیکن وہ ہمیشہ اسے اپنی بیٹی کی طرح چاہتا تھا۔''

''جو کے ساتھ اس کی منگنی سے پہلے مجھے تو معلوم ہی نہ تھا کہ مارتھا میری سگی بہن نہیں ہے''۔ آنا نے مجھے اطلاع دی۔

سہ پہر کے وقت باپ اور سب سے بڑا بیٹا چھکڑے میں گھر پہنچ گئے۔ باغیچے میں بیٹھ کر میں تمباکو نوشی کر رہا تھا۔ ان سے ملنے گیا تو انطونیا کو بھاگ کر ان دونوں سے یوں لپٹتے دیکھا جیسے وہ کئی مہینوں کے بعد آئے ہوں۔

''پاپا'' پہلی نظر ہی میں مجھے دلچسپ لگا۔ قد میں وہ اپنے بڑے بیٹوں سے چھوٹا تھا۔ ایک بازو اس کا دوسرے سے اونچا تھا' لیکن وہ تیزی سے چلتا تھا اور دیکھنے میں بڑا خوش باش دکھائی دیتا تھا۔ رنگت اس کی سرخ اور بال گھنے سیاہ تھے۔۔۔ کسی قدر بھورے بھی۔ مونچھیں گھنگھریالی اور ہونٹ سرخ۔ مسکراتے ہوئے تو انا دانت نمایاں ہو جاتے جن پر اس کی بیوی کو

بڑا ناز تھا۔ مجھے جب اس نے دیکھا تو اس کی روشن اور تمسخر آمیز نگاہوں نے جتلا دیا کہ وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ وہ کسی خوش طبع فلسفی جیسا دکھائی دیتا تھا جس کا ایک بازو زندگی کے بوجھ تلے دب گیا ہو اور وہ ہنستے کھیلتے اپنا وقت گزارتا چلا گیا ہو۔ مجھے ملنے کو وہ آگے بڑھا اور ایک سخت ہاتھ آگے بڑھایا جو پشت سے جل کر سرخ ہو چکا تھا اور بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے بہت موٹا اور موسم کے تقاضے کے برخلاف گرم' اتوار کا لباس پہن رکھا تھا' جو بے کلف کی سفید قمیض اور کسی چھوٹے سے بچے جیسی بڑے بڑے نقطوں والی نیلی نکٹائی پر مشتمل تھا۔ کیوزک فوراً ہی اپنی چھٹی کا ذکر کرنے لگا۔۔۔۔ خوش خلقی اور شائستگی کے خیال سے وہ انگریزی بول رہا تھا۔

''ماما کاش تم نے بھی اس عورت کو رات کے وقت گلیوں میں رقص کرتے دیکھا ہوتا۔ لوگ اس پر روشنی ڈال رہے تھے اور وہ پرندے کی طرح لہلہاتی ہوئی ناچ رہی تھی۔ وہاں تو ہمارے پرانے وطن کی طرح ناچنے والے ریچھ بھی تھے اور لوگ غباروں میں بیٹھے تھے اور رڈولف تم اس بڑے سے پہیے کو کیا کہتے ہو؟''

''فیرس وھیل'' رڈلف اپنی درمیانی سی آواز کے ساتھ گفتگو میں شامل ہو گیا۔ وہ چھ فٹ دو انچ کی قامت کا نوجوان تھا اور چھاتی اس کی کسی جواں سال لوہار جیسی تھی۔ ''ماں'' کل رات ہم لوگ شراب خانے کے پیچھے بڑے ڈانس ہال میں گئے تھے اور میں نے ساری لڑکیوں کے ساتھ رقص کیا تھا۔ وہ سب کے سب ''بوہنگ'' لوگ تھے۔ گلی میں ہم نے انگریزی کا ایک خط بھی نہ سنا تھا۔ صرف تماشے والے لوگ انگریزی بول رہے تھے۔ ہیں نا پاپا؟''

کیوزک نے سر ہلایا۔ ''اور یاد آیا انطونیا' بہت سے لوگ تمہیں آداب بھیج رہے تھے۔ معاف کیجیے گا''۔۔۔۔ میری طرف رخ کرتے ہوئے اس نے کہا۔۔۔ ''میں ذرا اس سے بات کرلوں''۔ جب ہم لوگ گھر کی طرف جا رہے تھے تو اس نے اپنی زبان میں مختلف واقعات سنائے اور پیغامات دیئے۔ میں تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا تھا اور یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان دونوں کے تعلقات کی نوعیت کیسی ہے۔ دونوں۔۔۔۔ انطونیا اور اس کا شوہر کا باہمی تعلق بہت دوستانہ محسوس ہو رہا تھا اور اس میں ہنسی مزاح کا پہلو بھی شامل تھا۔ بات صاف تھی۔ انطونیا ترنگ تھی اور انطون اصلاح کار۔ پہاڑی کی طرف جاتے ہوئے وہ انطونیا کو یہ جاننے کی غرض سے دیکھتا جا رہا تھا کہ آیا وہ اس کا مطلب سمجھ گئی ہے۔ بعد ازاں مجھے معلوم ہوا

کہ اسے لوگوں کو یوں دیکھنے کی عادت ہے۔ یہاں تک کہ باورچی خانے میں جب میں اس کے سامنے بیٹھا تھا' تو باتوں کے دوران وہ سر کو گھڑی یا چولہے کی طرف ذرا سا خم دیتا اور پہلو سے مجھے دیکھنے لگتا۔۔۔لیکن اچھی فطرت اور بے تکلفی کے ساتھ۔ یہ انداز منافقت یا چیزوں کو چھپانے کی خواہش کا نتیجہ نہ تھا۔ یہ تو بس اس کی ایک پرانی عادت تھی۔

انطونیا کے مجموعے کے لئے وہ اپنی اور رڈولف کی ایک تصویر اور بچوں کے لئے مٹھائیوں کے بہت سے تھیلے لے کر آیا تھا۔ وہ قدرے مایوس سا ہو گیا جب اس کی بیوی نے ڈینور سے میرا لایا ہوا مٹھائی کا بڑا سا ڈبہ دکایا۔۔۔پچھلی رات انطونیا نے بچوں کو یہ ڈبہ چھونے بھی نہ دیا تھا۔ اپنی مٹھاس اس نے الماری پر رکھ دی تا کہ پھر کبھی استعمال ہو سکے اور پھر منہ ہی منہ میں ہنستے ہوئے ڈبے کو دیکھ کر کہنے لگا۔''میرے خیال میں آپ کو اطلاع مل گئی ہو گی کہ میرا خاندان چھوٹا سا نہیں ہے''۔

چولہے کے پیچھے بیٹھ کو کیوزک یکساں مسرت کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کو دیکھنے لگا۔ وہ انہیں تمیز دار اور شوخ خیال کرتا تھا۔ چھٹی کے دوران وہ اس حقیقت کو بھول بھال کر لڑکیوں کے ساتھ رقص کرتا رہا تھا کہ اب وہ جوان نہیں رہا۔ لیکن اب اپنے بیوی بچوں کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ اس کے خیال میں یہ مذاق سا لگتا تھا کہ یہ سارے بچے اس کے تھے۔ چھوٹے بچے اس کے ساتھ جاتے تو وہ جیب سے کوئی نہ کوئی چیز نکال کر انہیں دیئے جاتا۔ پھر اسنے جان نامی چھوٹے کو اشارے سے اپنی طرف متوجہ کیا اور اسے ایک کاغزی سانپ دیا۔ یہ کام اس نے بڑے تحمل سے کیا تا کہ بچہ ڈر نہ جائے۔ بچے کے سر کے اوپر سے میری طرف رخ رک کے کہنے لگا۔''یہ بچہ بڑا شرمیلا ہے۔ اس لئے پیچھے رہ جاتا ہے''۔

کیوزک بوہیمین تصویری اخبار میں خرید کر لایا تھا۔ اخبار کھول کر وہ اپنی بیوی کو خبریں سنانے لگا جن میں اکثر کا تعلق ایک ہی فرد سے لگتا تھا۔ واسا کوا کا نام میں نے اسے کئی بار دلچسپی کے ساتھ دہراتے سنا آج میں نے پوچھ ہی لیا کہ آیا وہ گائیکہ ماریا واسک کا ذکر کر رہا تھا۔

''آپ جانتے ہیں؟ نام سنا ہے اسکا؟''یقین نہ کرنے والے انداز میں اس نے سوال کیا۔ اسے جب میں نے یقین دلایا کہ کبھی میں نے واسک کو سنا تھا تو مجھے اس نے وارسک کی تصویر دکھائی اور بتایا کہ آسٹریا کے پاس پہاڑوں پر کوہ پیمائی کرتے ہوئے اس نے

اپنی ٹانگ ٹروالی ہے اور یہ کہ اب وہ اپنی مصروفیات جاری نہ رکھ سکے گی۔ لگتا تھا کہ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ واسک کو میں نے لندن اوروی آنا میں گاتے ہوئے سنا تھا۔ پائپ نکال کر اس نے جلایا تا کہ ہماری گفتگو سے زیادہ لطف اٹھا سکے۔ اس گائیکہ کا تعلق پراگ کے اس حصے سے تھا جس میں کبھی کیوزک رہا کرتا تھا۔ اور جب وہ سکول میں پڑھتی تھی تو کیوزک کا باپ اس کے جوتے مرمت کیا کرتا تھا۔ اس نے واسک کے حسن و جمال' مقبولیت اور آواز کے بارے میں مجھ سے پوچھا۔ خیر' خاص طور پر وہ جاننا یہ چاہتا تھا کہ آیا میں نے اس کے چھوٹے سے پاؤں پر توجہ دی تھی اور یہ کہ آیا اس نے کافی دولت بچا کر رکھی تھی۔ بے شک وہ بڑی فضول خرچ تھی' لیکن کیوزک کو امید تھی بڑھاپے کے لئے اس نے کچھ نہ کچھ تو ضرور بچایا ہوگا۔ جوانی میں کیوزک نے وین شہر میں محنت مزدوری کے دوران بہت سے فن کاروں کو دیکھا تھا جو مفلس اور سال خوردہ تھے اور ساری شام بیئر کے ایک گلاس سے چسکیاں لیتے رہتے تھے اور ''یہ کوئی اچھی بات نہ تھی''۔

جانوروں کو دانہ پٹھا ڈالنے اور دودھ دوہنے کے بعد لڑکے جب واپس آئے تو کھانے کی میز تیار کی گئی۔ دو گرما گرم بھوری بطخیں' جن کو سیبوں کا مسالہ لگا کر پکایا گیا تھا' انطونیا کے سامنے رکھی گئیں۔ وہ ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنانے لگی۔ ساتھ بیٹھا ہوا رڈولف تھالیاں آگے بڑھانے لگا۔ کھانا جب سب کو مل گیا تو پھر میز کے پار اس نے میری طرف دیکھا۔

''اچھا تو مسٹر برڈن کیا آپ ان دنوں میں بلیک ہاک کی طرف گئے ہیں؟ کٹروں کے بارے میں آپ نے کچھ سنا ہے؟''

نہیں۔ ان سے متعلق میں نے کچھ سنا نہ تھا۔

''کھاتے وقت یہ قصہ چھیڑنا نہ چاہئے تھا۔ لیکن خیر' بیٹا تم انہیں وہ بات بتا دو۔ اور بچو تم سب خاموش رہنا۔ رڈولف قتل والی بات سنانے لگا ہے''۔

''واہ وا' قتل!' لگتا تھا کہ بچوں کو اس قصے سے بڑی دلچسپی ہے اور وہ اس کا ذکر سن کر خوش ہوئے ہیں۔

رڈولف نے ساری داستان بڑے تفصیل سے سنای۔ ماں باپ دونوں بیچ میں اسے لقمہ دیئے جاتے تھے۔

وکٹر اور اس کی بیوی اسی گھر میں رہتے تھے جسے انطونیا اور میں بہت اچھی طرح

جانتے تھے اور جو ایسے راستے پر واقع تھا جس سے ہم دونوں بخوبی آگاہ تھے۔ دونوں اب بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ وکٹر جھریوں سے بھر گیا تھا اور انطونیا کے بقول چھوٹا سا بوڑھا بندر دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کی داڑھی اور سر کے سامنے کے بالوں کا رنگ البتہ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ مسز کٹر ویسے ہی بڑی بڑی آنکھوں اور سرخ رنگت والی رہی جیسی کہ ہم اسے دیکھا کرتے تھے تاہم گزرتے ہوئے برسوں نے اسے لرزے کی بیماری میں مبتلا کر دیا تھا۔ سر اس کا اب ہر وقت ہلتا رہتا تھا۔ ہاتھوں پر بھی اب اسے قابو نہ رہا تھا۔۔۔ یوں وہ بیچاری چینی کے برتنوں پر بیل بوٹے بنانے کے قابل نہ رہی تھی۔ جوں جوں دونوں زیادہ بوڑھے ہوتے جا رہے تھے جائیداد کی ملکیت کے بارے میں ان کے جھگڑے بڑھتے جا رہے تھے۔ ریاست میں ایک نیا قانون بن گیا تھا جس کے تحت بیوہ کو اپنے مرحوم شوہر کی جائیداد کے ایک تہائی حصے کا بہر طور حق دار قرار دیا گیا تھا۔ کٹر کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ بیوی اس کے بعد بھی زندہ رہے گی اور اس کے رشتے دار، جن سے وہ ہمیشہ نفرت کرتا رہا تھا، اس کی جائیداد کے مالک بن بیٹھیں گے۔ یہ جھگڑے اب چار دیواری تک محدود نہ رہے تھے۔ جو کوئی چاہتا، باہر گلی میں کھڑا ہو کر ان کی لڑائی سن سکتا تھا۔

دو سال پہلے کی بات ہے کہ کٹر ایک ہارڈ ویئر سٹور پر گیا اور یہ کہہ کر اس نے ایک پستول خریدا کہ وہ ایک کتے کو مارنا چاہتا تھا۔ ساتھ میں اس نے یہ اضافہ بھی کیا کہ وہ ایک بڈھی بلی کو بھی نشانہ بنائے گا جب وہ اس کے پاس آئے گی۔ ''اس مرحلے پر بچے روڈلف کی بات روک کر ہنسنے لگے۔''

ہارڈ ویئر سٹور سے نکل کر کٹر نے ایک گھنٹے تک نشانے بازی کی مشق کی اور پھر گھر کی طرف چلا گیا۔ اسی شام چھ بجے، جب کہ بہت سے لوگ کھانے کے لئے گھروں کو جاتے ہوئے کٹر کے مکان کے آگے سے گزر رہے تھے، انہوں نے گولی چلنے کو آواز سنی۔ رک کر لوگ شک و شبے کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ جب ایک اور گولی چلنے کی آواز سنائی دی تو وہ بھاگ کر اندر گئے اور انہوں نے وک کٹر کو اوپر والی منزل پر اپنی خواب گاہ میں ایک صوفے پر پڑے دیکھا۔ گردن اس کی زخمی تھی اور خون پاس رکھے ہوئے کاغذوں کے ایک پلندے پر گر رہا تھا۔

''شریف لوگوں اندر آ جاؤ'' اس نے نحیف سی آواز میں کہا۔ ''دیکھ رہے ہو نا کہ میں

زندہ ہوں۔ گواہ رہنا کہ میں اپنی بیوی کے مرنے کے بعد تک زندہ رہا۔ وہ اپنے کمرے میں مری پڑی ہے۔ مہربانی کر کے جلدی سے جائزہ لے لوتا کہ کوئی غلطی نہ رہ جائے''۔

ایک ہمسائے نے فوراً ڈاکٹر کو ٹیلی فون کیا جب کہ دوسرے مسز کٹر کے کمرے کی طرف بھاگے۔ نائٹ گاؤن اور چادر میں لپٹے وہ اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ گولی اس کے دل پر لگی تھی۔ خاوند اس وقت کمرے میں داخل ہوا ہوگا جب کہ وہ سہ پہر کی نیند لے رہی تھی۔ یقیناً اس نے پستول کو اس کے سینے کے قریب لے جا کر گولی چلائی ہوگی۔ بارود سے مسز کٹر کا نائٹ گاؤن بھی جلا ہوا تھا۔

خوف زدہ ہمسائے کٹر کی طرف واپس آئے۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا۔ ''صاحبو'' مسز کٹر تو اس جہان سے پار ہوگئی ہے اور میں ہوش وحواس میں ہوں۔ میرے معاملات ٹھیک ہو گئے ہیں''۔ یہاں پہنچ کر رڈولف کہنے لگا کہ ''اور پھر کٹر صاحب کا قصہ بھی تمام ہوگیا۔''

غیر طبعی موت کی تفتیش کرنے والے افسر کو میز پر ایک خط ملا جو اسی شام پانچ بجے لکھا گیا تھا۔ کٹر نے لکھا تھا کہ ابھی اس نے بیوی کو ہلاک کیا ہے اور یہ کہ اگر اس نے خفیہ طور پر کوئی وصیت چھوڑی ہے تو اسے کالعدم تصور کیا جائے' کیونکہ وہ خود اس کے بعد تک زندہ رہا تھا۔ اپنے آپ کو وہ چھ بجے ہلاک کرنا چاہتا تھا اور اس کو خواہش یہ تھی کہ اگر ہمت ساتھ دے تو کھڑکی سے باہر کی طرف بھی ایک گولی چلائے گا تاکہ' جیسا کہ اس نے لکھا تھا' ''موت سے ہمکنار ہونے سے پہلے راہگیر اندر آ کر مجھے دیکھ سکیں''۔

یہ قصہ ختم ہوا تو انطونیا میری طرف رخ کر کے کہنے لگی' ''اچھا تو تمہیں کبھی یقین تھا کہ یہ شخص کتنا سخت دل تھا۔۔۔ مرنے کے بعد وہ اپنی بیوی کو اپنے روپے پیسے سے کوئی راحت حاصل کرنے کی اجازت دینے پر تیار نہ تھا!''

''مسٹر برڈن' کسی شخص نے کیا محض کہنے کی خاطر اپنی جان لی ہے؟'' رڈولف نے پوچھا۔ میں نے اقرار کیا کہ میرے علم میں ایسی کوئی مثال نہیں۔ وکیل صاحبان کے علم میں یہ بات آتی ہی رہتی ہے کہ نفرت کیا کیا گل کھلا سکتی ہے۔ پھر بھی جس قدر قانونی حکایتیں مجھے معلوم تھیں' ان میں کوئی بھی اس قدر لرزہ خیز نہ تھی۔ رڈولف سے میں نے کٹر کی جائیداد کی مالیت پوچھی تو اس نے بتایا کہ مالیت ایک لاکھ ڈالر سے کچھ زیادہ تھی۔

MashalBooks.com

کیوزک نے ایک بار پھر پہلو سے مجھے دیکھا۔''اس کا کافی حصہ تو وکلا لے اڑے ہیں'' خوش ہو کر کہنے لگا۔

ایک لاکھ ڈالر۔۔۔۔ہاں تو یہ تھی وہ جائیداد جس کے لئے کٹر نے ہزاروں پاپڑ بیلے تھے اور جس کی خاطر بالآخر اس نے اپنی جان بھی لے لی تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر کیوزک اور میں باغیچے میں چہل قدمی کرتے ہوئے' تمبا کو نوشی کی خاطر' پون چکی کے پاس بیٹھ گئے۔ وہاں وہ مجھے اپنی رام کہانی یوں سنانے لگا جیسے میرے لئے اس کا جاننا ضروری تھا۔

اس کا باپ موچی اور چچا پوستین کا کام کرتا تھا۔ وہ خود چونکہ چھوٹا بیٹا تھا' اس لئے اسے چچا کے کام کی تربیت دی گئی۔ رشتہ داروں کے ساتھ کام کرنے سے' اس کے بقول' کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ وی آنا چلا گیا اور وہاں پوستین کی ایک بڑی دکان میں کام کرنے لگا جہاں اسے اچھا خاصا معاوضہ ملتا تھا۔ لیکن کسی نوجوان کو اگر گلچھرے اڑانے کی لت لگی ہو تو پھر وہ وی آنا جیسے شہر میں بچت نہیں کر سکتا۔ دن کو جو کچھ وہ کماتا' رات کو اسے خرچ کرنے کے کئی دلفریب طریقے موجود تھے۔ وہاں تین برس گزرانے کے بعد کیوزک نے نیویارک کی راہ لی۔ کسی نے اسے اچھا مشورہ نہ دیا اور وہ ہڑتال کے دوران' جب کہ فیکٹریاں بڑے بڑے معاوضے کی پیشکش کر رہی تھیں' پوستین کا کام کرنے لگا۔ اب ہوا یہ کہ ہڑتالی جیت گئے اور کیوزک کو بلیک لسٹ کر دیا گیا۔ خیریت یہ گزری کہ اس کے پاس یہ چند سو ڈالر محفوظ تھے چنانچہ اس نے فلوریڈا جانے کا ارادہ کیا' جہاں وہ سنگترے اگانے لگا۔ یہ خواہش اس کے دل میں ہمیشہ سے تھی! دوسرے برس سخت پالے نے اس کے جواں پودے برباد کر ڈالے اور وہ خود ملیریا کے ہتھے چڑھ گیا۔ نئے موقع کی تلاش اور اپنے کزن انطون جیلی نک سے ملنے کی خاطر وہ نبراسکا چلا آیا یہیں اس کی ملاقات انطونیا سے ہوئی۔۔۔اور وہ ہو بہو اس کے خوابوں کی شہزادی تھی۔۔۔فوراً ہی ان کی شادی ہو گئی۔۔۔حالانکہ شادی کی انگوٹھی خریدنے کے لئے بھی اسے اپنے کزن سے رقم ادھار لینا پڑی تھی۔

''اس کی جگہ کو کھیتی باڑی کے لئے تیار کرنا بڑا کٹھن کام تھا'' ہیٹ کو پیچھے کرتے اور بالوں کو کھجاتے ہوئے وہ بتانے لگا۔''کبھی کبھی تو میں بہت تنگ آ جاتا اور اس جگہ روانہ ہونے کی سوچنے لگتا' لیکن میری بیوی ہمیشہ یہ کہتی کہ ہمارا فائدہ یہیں رہنے میں ہے۔ جلد جلد بچے پیدا

MashalBooks.com

ہونے لگے' یوں یہاں سے روانگی زیادہ مشکل بھی ہوگئی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔ اب یہ جگہ تیار ہو چکی ہے۔ ہم اس کے بیس ڈالرفی ایکڑ کے حساب سے ادا کیا کرتے تھے جب کہ ہمیں سو ڈالرفی ایکڑ کی پیشکش ہو چکی ہے۔ ایک اور مربع ہم نے دس سال پہلے خریدا تھا اور اس کی قیمت کا بڑا حصہ ادا کر دیا ہے۔ ہمارے کئی لڑکے ہیں اور ہم بہت سی زمین پر کام کر سکتے ہیں۔ خیر' وہ ہر وقت میرے ساتھ سختی سے کام بھی نہیں لیتی۔ ہاں یہ ہے کہ کبھی کبھی میں شہر میں زیادہ ہی بیئر چڑھا جاتا ہوں' لیکن گھر واپسی پر وہ خاموش رہتی ہے۔ کوئی سوال نہیں پوچھتی۔ میرا اور اس کا پہلے دن سے گزارا بہت اچھا ہو رہا ہے۔ بچے بھی ہم دونوں کے درمیان کوئی مسلہ پیدا نہیں کرتے''۔ اس نے ایک پائپ سلگایا اور اطمینان کے ساتھ کش لگانے لگا۔

میں نے دیکھا کہ کیوزک بہترین رفیق تھا۔ بوہیما کے میرے دورے' وی آنا اور تھیٹروں سے متعلق اس نے بہت سے سوال پوچھے۔

''لڑکے جب کھیتی باڑی کے قابل ہو جائیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ ایک چکر وہاں کا لگا آؤں۔ کبھی کبھی جب وطن کے اخبار پڑھتا ہوں تو دل کو کچھ ہونے لگتا ہے'' مختصر سی ہنسی کے ساتھ اس نے اعتراف کیا'' کبھی خیال نہ آیا تھا مجھے کہ میں یوں گھر بار والا بن جاؤں گا''۔

درست ہی کہا تھا انطونیا نے' کہ وہ ابھی تک شہر کا آدمی تھا۔ اسے تھیٹر روشن گلیاں موسیقی اور کامکاج کے بعد شطرنج کی ایک بازی لگانے سے لگاؤ تھا۔ روپے پیشہ سمیٹنے کو ہوس کے مقابلے میں اس کا میل ملاپ اور ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے کی جبلت زیادہ توانا تھی۔ لوگوں کے جوش وخروش میں شرکت کے ذریعے لمحہ بہ لمحہ زندہ رہنا اسے پسند تھا۔۔۔ اس کے باوجود بیوی اسے وہاں فارم پر رکھنے میں کامیاب رہی تھی جو کہ دنیا کے انتہائی تنہائی زدہ علاقوں میں سے ایک پر واقع تھا۔

چشم تصور سے میں اس منحنی سے شخص کو ہر شام پون چکی کے پاس بیٹھ کر' پائپ پینے اور خاموشی پر نظریں گاڑھے دیکھ سکتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا کیوزک انطونیا کے مقصد کے حصول کا آلہ کار بن کر رہ گیا ہو۔ بلاشبہ یہ ایک اچھی زندگی تھی لیکن ایسی نہ تھی جیسی کہ وہ چاہتا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ آیا جو زندگی کسی ایک کے لئے اچھی ہو' وہ کیا دونوں کے لئے بھی کبھی اچھی ہو سکتی ہے!

کیوزک سے میں نے پوچھا کہ اپنے پسندیدہ لوگوں کو رفاقت سے محرومی کیا اس پر

گراں نہیں گزرتی۔ پائپ کو اس نے زور سے جھٹکا دیا' آہ بھری اور پھر اسے جیب میں رکھ لیا۔

''پہلے پہل تو تنہائی نے مجھے تقریباً پاگل ہی کر دیا تھا'' بے تکلفی سے وہ بتانے لگا۔

''لیکن میری اس عورت کا دل بہت محبت بھرا ہے۔ میرے ساتھ وہ بہت ہی محبت سے پیش آتی ہے۔ سو اب وہ پہلے جیسے بات نہیں ہے یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے بچوں کے ساتھ دل بہلانا شروع کر دیا ہے''۔

جب ہم گھر کی طرف واپس جا رہے تھے تو کیوزک نے زندہ دلی سے اپنا ہیٹ ایک کان کی طرف لٹکا دیا اور چاند کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر ہولے سے' گویا ابھی نیند سے جاگا ہو' کہنے لگا'' لگتا ہی نہیں کہ مجھے وہاں سے آئے چھبیس برس بیت گئے ہیں''۔

(3)

دوسرے روز کھانے کے بعد میں نے خدا حافظ کہا اور بلیک ہاک کی ٹرین پکڑنے کے لئے واپس ہسٹینگ گھرانے کی طرف روانہ ہوا۔ روانگی کے وقت انطونیا اور اس کے بچے بگھی کے گرد جمع ہو گئے تھے جہاں تک کہ چھوٹے بچے بھی دوستانہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ دروازہ کھولنے کے لئے لیو اور امبروش آگے بھاگ کر گئے۔ پہاڑی کے قریب پہنچ کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ لوگ ابھی تک وہیں' پون چکی کے پاس کھڑے تھے۔ انطونیا اپنا پیش بند ہلا رہی تھی۔

دروازے پر بگھی کے پہیے کے کنارے پر بازو رکھ کر امبروش جھول گیا جب کہ لیو جنگلہ پار کر کے چراگاہ کی طرف نکل گیا۔

''ہاں' اس کی عادت یہی ہے'' خفگی ظاہر کرتے ہوئے اس کے بھائی نے کہا۔

''بالکل خبطی ہے۔ شاید اسے آپ کے جانے کا افسوس ہے یا شاید وہ حاسد ہے۔ اماں جس سے بھی اچھی طرح ملتی ہے' چاہے وہ پادری ہی کیوں نہ ہو' یہ رقابت محسوس کرنے لگتا ہے''۔

مجھے لگا کہ خوش گوار آواز' خوبصورت سر اور آنکھوں والے اس لڑکے سے جدائی مجھے اچھی نہ لگ رہی تھی۔ ہیٹ کے بغیر جب وہ وہاں کھڑا تھا اور ہوا سے اس کی قمیض پھڑ پھڑا رہی تھی تو وہ مجھے بہت بہادر سا لگا۔

''یہ نہ بھولنا کہ آئندہ گرمیوں میں تم اور رڈولف شکار کھیلنے میرے ساتھ نبر سکا جانے

والے ہو۔ کٹائی کے بعد باپ تمہیں بھیجنے پر آمادہ ہو گیا ہے''۔

وہ مسکرا دیا۔ ''نہیں۔ بھولوں گا کیسے! کبھی اتنی اچھی پیش کش مجھے ہوئی نہیں۔ پتہ نہیں آپ ہم لڑکوں پر اس قدر مہربان کیوں ہیں'' شرماتے ہوئے اس نے بات آگے بڑھائی۔

''ارے ہاں' پتہ ہے تمہیں'' باگیں تھامتے ہوئے میں نے جواب دیا۔

وہ خاموش رہا۔ بس مسکرا دیا۔ میں آگے بڑھنے لگا تھا۔

بلیک ہاک میں میرا دن کچھ اچھا نہ گزرا۔ میرے اکثر پرانے دوست یا تو خدا کو پیارے ہو چکے تھے یا پھر انہوں نے ٹھکانے بدل لئے تھے۔ ہارلنگ لوگوں کے بڑے صحن کے پاس سے جب میں گزرا تو اجنبی بچے وہاں کھیل رہے تھے۔ ظاہر ہے' میرے لئے وہ بے معنی تھے۔ پہاڑی ایش کا درخت کاٹا جا چکا تھا۔ لومبارڈی پوپلر کا جو اونچا درخت دروازے پر سینہ تانے کھڑا ہوتا تھا اب اس کے صرف ٹنڈ کے اثار باقی رہ گئے تھے۔ جلدی سے میں آگے بڑھ گیا۔ صبح کا باقی حصہ میں نے انطون جیلی نک کے ساتھ گزارا۔ ہم دونوں اس کے شراب خانے کے پیچھے صحن میں سایہ دار کاٹن وڈ کے درخت تلے بیٹھے رہے۔ دوپہر کو جب میں ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا تو پرانے وکلا میں سے ایک وہاں آ نکلا۔ وکالت وہ ابھی تک کر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنے دفتر لے گیا اور کٹر کے معاملے پر گفتگو کرنے لگا۔ اس کے دفتر سے نکلنے کے بعد مجھے وقت گزارنے کا کوئی طریقہ سوجھائی نہ دے رہا تھا۔ میری ٹرین رات کو آنے والی تھی۔

خیر' میں شہر کے شمال کی طرف پیدل چلنے لگا۔ اس طرف کی زمین کھردری اور ناہموار تھی اسے ابھی تک قابل کاشت نہ بنایا گیا تھا۔ وہاں اونچی نیچی جگہوں پر بیتے دنوں کی سرخ گھاس ابھی تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں پہنچ کر مجھے سکون سا محسوس ہوا۔ مطلع بالکل صاف تھا اور سارا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں اس عجب سے یاس سے بچ کر نکل آیا تھا جو چھوٹے شہروں پر چھایا رہتا ہے۔ اور اب خوش گوار باتیں میرے ذہن میں آ رہی تھیں۔۔۔۔ وہ سفر جو میں کیوزک لڑکوں کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ ان لڑکوں تعداد اس قدر ضرور تھی کہ ایک عرصے تک ان کے ساتھ دل بہلایا جا سکے گا' جب وہ جوان ہو جائیں گے تب بھی کیوزک خود تو رہے گا ہی۔ اس کے ساتھ میں چند میل تک روشن گلیوں میں آوارہ گردی کرنا چاہتا تھا۔

ان ناہموار چراگاہوں پر ٹہلتے ہوئے میں خوش قسمتی سے بلیک ہاک سے شمالی گاؤں کی طرف جانے والی پرانی سڑک کے ایک ٹکڑے پر جا پہنچا۔۔۔ کبھی یہ سڑک میرے دادا جان

کے فارم اور شمردوں کے گھر سے گزرتی ہوئی ناروی بستی کو جاتی تھی۔ شاہراہیں بن گئیں تو اس پر ہل چل گئے۔ اس سڑک کا بس یہ تقریباً نصف میل کا ٹکڑا باقی رہ گیا تھا جو گھاس کے میدان میں کسی جنگلی چیز کی طرح بل کھاتی گزرا کرتی تھی۔

پگڈنڈیاں اب تقریباً معدوم ہوگئی تھیں۔۔۔ بس گھاس میں کچھ نشان باقی رہ گئے تھے۔ اور کوئی اجنبی انہیں پہچان نہ سکتا تھا۔ البتہ جہاں کہیں سڑک کسی کھائی سے گزرتی تھی، وہاں اس کے آثار آسانی سے دیکھے جا سکتے تھے۔ ایسے ہی چلتے چلتے میں ایک جگہ بیٹھ کر گھاس کے گٹھوں کو دیکھنے لگا جو تر چھی دھوپ میں چمک رہے تھے۔

یہی وہ سڑک تھی جس پر میں اور انطونیا اس رات چل کر آئے تھے جب ہم ٹرین سے بلیک ہاک پہنچے تھے۔ ہم بچے تھے اور معلوم ہی نہ تھا کہ ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ اس محو کرنے والی اجنبیت کو دوبارہ محسوس کرنے اور اندھیرے میں چھکڑوں کی گڑگڑاہٹ پھر سے سننے کے لئے مجھے صرف آنکھیں بند کرنے کی ضرورت تھی۔ اس رات کے احساسات میرے اس قدر قریب چلے آئے تھے کہ میں انہیں ہاتھوں سے چھو سکتا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے میں اپنی ذات میں واپس آ گیا ہوں اور میں نے یہ دیکھ لیا ہو کہ ایک عام آدمی کی زندگی کا مفہوم کیا ہے۔ میرے اور انطونیا کے لئے یہ مقدر کی سڑک رہی ہے۔۔۔ جو ہمیں قسمت کے ان ابتدائی حوادث کی طرف لے گئی جنہوں نے ہمارے مستقبل کا تعین کیا۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ یہی سڑک ہمیں پھر ملائے گی۔ اور جو کچھ بھی ہم نے کھویا ہو، بیش قیمت اور ناقابل بیان ماضی ہم دونوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔

☆☆☆

MashalBooks.com